سیدہ کا لال

مصورِ غم علامہ راشد الخیری

ناشر

سلطان بک ڈپو کالی کمان حیدرآباد دکن

مطبوعہ رفیقی مشین پریس حیدرآباد دکن

فہرست مضامین حصہ اوّل "تاریخ شہادت"

فہرست مضامین حصۂ دوم "مراثی کربلا"

دیباچہ

اَلْحَقُّ مُرٌّ کی صداقت سر آنکھوں پر، مگر جب بخار تیز ہو جاتا اور جان پر آ بنتی ہے تو کڑوی دوا اور کنارِ عمل جراحی تک کے واسطے تیار ہونا پڑتا ہے۔ مسلمان کا فر بنانا ہیں بے ایمان کہیں لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ کربلا میں جس آگ کے شعلے بلند ہوئے وہ برسوں پہلے اندر ہی اندر سلگ رہے تھے۔ شہادتِ امام حقیقتاً انجام تھا اس ابتدا کا، جو خبر تھی اس مبدا کی جس کا ظہور سرورِ کائنات کی زندگی ہی میں ہوا۔ یہ تمام واقعات از ابتدا تا انتہا تصویر تھے نفسانیت کی اور تفسیر اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کی۔

مسلمانوں کے ایک گروہ کا یہ خیال کہ عام مسلمانوں کو بنی فاطمہ سے پوری ہمدردی ایک حد تک صحیح ہے اور اس میں شک نہیں کہ مظالم کربلا کا مقصد صرف نخل مہر کو تاراج کرنا تھا۔ مگر جس طرح اپنی کتاب "آمنہ کے لال" میں میں نے شانِ رسالت کا فیصلہ اس شعر پر کیا کہ:

تیرے احکام نے ختم رسل ساکت زباں کر دی ❊ نہ ہوتا قفل گر منہ پر بتلانے کہ کیا تو تھا

اسی طرح اس معاملہ میں بھی یہ شعر پیش نظر ہے۔

عقائد میں کسی کے دخل دینے کی ضرورت کیا ❊ قیامت پر بھی رہنے دو گے کوئی فیصلہ باقی

لیکن مسلمانوں کا وہ فریق جو سانحہ کربلا کو معمولی جنگ بتلا کر غلامانِ زہرا کے زخموں پہ نمک چھڑک رہا ہے حقیقتاً انصاف سے محروم ...... اور ایمان سے بے بہرہ ہے اور مجھے باوجود اس یقین کے کہ حقیقی فیصلہ کے واسطے یوم الحق ہے۔ یہ کہنے میں تامل نہیں کہ مظالم کربلا کو نظر انداز کرنے والے مسلمان پیغمبر عرب کی امت نہیں ہو سکتے۔

میرے دورانِ ادارت میں ایک مضمون تعزیوں کے خلاف رسالہ عصمت میں

شائع ہوا تھا جس کے جواب میں ایک لڑکی نے یہ لکھا تھا میں لعزیوں پر قربان ہوں کی آنکھیں رووُں گی" مسلمانوں کے وہ جید علماء جن کے ہاتھ میں اسلام کی باگ اور جنت دوزخ کی کنجیاں ہیں شاید اس لڑکی پر کفر کا فتویٰ لگانے میں ایک لمحہ بھی تامل نہ فرمائیں گے لیکن میری ذاتی کیفیت یہ ہے کہ سنہ ۱۹۱۰ء میں جس کو بیس سال سے زیادہ ہوئے میرا ایک سات برس کا بچہ ضائع ہوا۔ کئی مہینے کے بعد اس کی ایک اچکن میرے سامنے آئی یہ اچکن اس کو پہننی بھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ مگر اس لئے کہ اس کے نام کی تھی میں اس کو آنکھوں سے لگا کر گھنٹوں رویا ہوں اب اگر کوئی مولوی صاحب قرآن و حدیث کا حوالہ دے کر مجھے گنہگار اور مشرک بدعتی فرمائے تو میں یہ عرض کروں گا کہ اگر صحیح فرماتے ہیں تو اسلام نے فطرت انسانی کا مطالعہ نہیں کیا۔ یا آپ اسلام کو نہ سمجھ سکے۔

الزہرا میں باوجود اس کے کہ میں نے کتاب باوضو لکھی اور جہاں کہیں بی بی صلوٰۃ اللہ علیہا کا نام قلم سے نکلا آنکھوں سے لگایا۔ میں نے یہ احتیاط کی کہ پڑھنے والے کو میرے عقائد کا پتہ باآسانی نہ چلے۔ مگر اس وقت رہنا تھا اور اب چلنا ہے۔ اس وقت مصلحت اور ضرورت سامنے تھی آج یہ عقیدت اور حقیقت اس وقت جوانی کی قوت نے دل کی بات زبان پر نہ آنے دی۔ آج موت کی طاقت صداقت کی شمع دکھا رہی ہے۔ اور فیصلے کے واسطے میرا اپنا ایمان کافی ہے۔

دو چار دفعہ نہیں متواتر پندرہ سال علمائے اسلام سے تحریری بھی اور زبانی بھی شیعوں اور سنیوں سے بھی یہ التجا کی مولود شریف اور شہادت نامہ ایسا لکھ دیں جس کی بنیاد تاریخ پر ہو اور جس کے واقعات پر فلسفہ قہقہے نہ لگائے اور سائنس مضحکہ نہ اڑائے مگر سنیوں نے توجہ فرمائی نہ شیعوں نے۔ مولود شریف تیار ہوا نہ شہادت نامہ۔

تاریخ شہادت کی تکمیل میں مجھے یہ دیکھ کر دلی رنج ہوا کہ میری نظر سے ایک شہادت نامہ بھی ایسا نہ گزرا جو میری منشاء کے مطابق ہوتا۔ سنیوں سے تو مجھے شکایت نہیں ہوسکتی کیونکہ

ان کے ایک فریق نے یہ کہہ کر اپنا دامن بچا لیا کہ دو عرب بچے لڑے - ایک غالب ہوا ایک مغلوب، رونا کیسا اور نیاز کس کی۔ تعجب شیعہ حضرات پر ہے کہ انھوں نے وقت کے مطالبہ اور زمانہ کی ضرورت کو نظر انداز فرما دیا۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں کربلا سے زیادہ اہم کوئی واقعہ نہیں مگر یہ تعجب اور افسوس نہیں صدمہ کی بات ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ اتنے سنگین واقعے میں ہم زبان نہیں۔ مثلاً حضرت قاسم اور حضرت علی اصغر کی عمروں میں انتہائی اختلاف ہے اسی طرح بی بی سکینہ اور حضرت مسلم کی صاحبزادی کی موجودگی میں۔ حد یہ ہے کہ بعض یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ بی بی شہربانو اس وقت زندہ تھیں۔ شمر کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ چونکہ مختار کی بیوی کا بھائی تھا اس لئے اس کے قتل میں بیوی نے مختار سے وعدہ لے لیا تھا کہ جب تک وہ ہماری پناہ میں ہے قتل نہ کیا جائے مگر جب وہ رات کو بھاگ کر جا رہا تھا قتل کر دیا گیا۔ ایک تعجب انگیز اختلاف یہ ہے کہ امام حسن علیہ السلام کو جعدہ کے ذریعہ جو زہر دلوایا گیا وہ امیر معاویہؓ کی نہیں یزید کی کوشش تھی۔ حالانکہ اس وقت یزید کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔ میں نے اختلافی معاملات میں انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے اور فریقین کی مستند کتابوں کو سامنے رکھ کر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

شہادت ناموں میں عام طور پر جو واقعات کربلا ہیں ان میں یہ نہیں بتایا گیا کہ اس قیامت خیز جنگ کے اسباب کیا تھے۔ بنو امیہ اور بنو فاطمہ کے تعلقات کی کیفیت کیا تھی اور اس لڑائی کی تہ میں کیا چیز کام کر رہی تھی۔ شہادت کے بعد پڑھنے والا یزید و ابن زیاد و شمر و خولی و عمر سعد وغیرہ پر لعنت بھیج چکتا ہے تو فطری طور پر وہ یہ سننے کا مشتاق ہوتا ہے کہ ان بدبختوں کا کیا حشر ہوا اور انسانی طاقت کے فیصلہ کے بعد خدائی طاقت نے کیا فیصلہ کیا میرے علم میں اردو کی کوئی ایسی کتاب نہیں جس میں واقعہ کربلا سے پہلے اور واقعہ کربلا کے بعد کے حالات بھی ہوں۔ میں نے اس کتاب میں جہاں عبد مناف سے لیکر شہادت امام

حسین تک بچے کی کوئی کڑی نہیں چھوڑی وہاں بعد شہادت کے مختصر حالات اور قاتلان
حسین کی موت پر بھی بحث کی ہے۔ باوجود اس احتیاط کے میں نے "سیدہ کے لال"
میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں لکھا جس کے تسلیم کرنے میں عقل سلیم کو تامل ہو۔ میں
جانتا ہوں کہ بعض مسلمان مراثی نثر پر پہلا اعتراض یہ کریں گے کہ جو کچھ لکھا گیا یہ فرضی
اور غلط ہے اور دوسرا یہ کہ یہ سب بے سود رونا رلانا لغو اور بے کار۔ ضرورت یہ ہے کہ
مسلمانوں میں زندگی پیدا کی جائے۔ میں ان معترضین کے جواب میں حسن عقیدت کو
علیحدہ کر دیتا ہوں اور پھر عرض کرتا ہوں کہ جو کچھ لکھا گیا حرف بحرف صحیح ہے۔ فطرت انسانی
کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔ یہ مبالغہ نہیں اس سے کم ہے جو کچھ ہوا ہو گا۔ کہنے والے
اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں تو فیصلہ ہو کہ اس قیامت خیز مصیبت میں کیا کچھ نہ گزری ہوگی
اور کیا کچھ نہ ہوا ہو گا۔ اب رہا دوسرا اعتراض، اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں میں زندگی
اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک ہم بی بی زینب کی لونڈیاں نہ ہوں۔ لڑکے
علی اکبر کے غلام اور بھتیجے و بھانجے قاسم عون و محمد کے مقدس نام نہ جپیں۔ اسلام اسی
وقت تک زندہ ہے جب تک روایات اسلامی زندہ ہیں۔ جب یہ ختم ہو جائیں تو اسلام
وہ اسلام ہو گا جو خدا نہ کرے کہ ہو۔

بعض مسلمان فرماتے ہیں کہ حسینؓ خود ہی چڑھ کر گئے۔ اس کا جواب اس کتاب میں
موجود ہے کہ امام حسین کا تشریف لے جانا اس حدیث کے تحت میں تھا کہ کہیں میری وجہ
سے کعبہ کی بے حرمتی نہ ہو۔ امام عالیمقام کا یہ اندیشہ حرف بحرف پورا ہوا اور دو سال بعد
ہی وہ وقت آ گیا کہ کعبۃ اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجی۔ خانہ خدا میں پتھر پھینکے گئے۔ غلاف
کعبہ میں آگ لگائی اور مسلمانوں کا خون پانی کی طرح مکہ معظمہ میں بہہ گیا۔

جولائی ۱۹۳۱ء

راشد الخیری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندانی عداوت

بنو ہاشم اور بنو فاطمہؓ کی دشمنی خلافت سے شروع نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلعم
کی زندگی میں اور رحلت کے بعد جو کچھ ہوا وہ اصل میں نتیجہ تھا اس کدورت کا جو اوپر
سے چلی آرہی تھی اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کے پردادا ہاشم کے باپ
کے یہاں دو جڑواں بچے ہاشم اور اُمیہ پیدا ہوئے۔ ان کے باپ عبد مناف نے
جب یہ دیکھا کہ یہ دونوں زندہ نہیں رہ سکتے تو صلاح یہ ہوئی کہ ان کو علٰحدہ علٰحدہ کرنا
چاہیے۔ شاید ایک بچ جائے۔ چنانچہ ہاشم اور امیہ تلوار سے علٰحدہ کئے گئے اور خدا کی
قدرت یہ ہوئی کہ بجائے ایک کے دونوں زندہ سلامت رہے اور شجرہ اس طرح چلا۔

عبد مناف
- ہاشم
  - عبد المطلب
    - ابوطالب
      - علی
        - حسن و حسین
    - عبد اللہ
      - رسول اللہ صلعم
        - بی بی فاطمہ
- امیہ
  - ابوسفیان
    - معاویہ
      - یزید

اس کتاب کے پڑھنے والوں کو یہ تعلق
اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے تا کہ نفس مضمون کے
اعتبار سے وہ کسی دوسری تاریخ کے محتاج نہ ہوں
اور ان کو معلوم ہو جائے کہ جس تلوار پر
ہاشم کے خون کی چھینٹیں عبد مناف
کے ہاتھ سے پڑیں اس کی پیاس
کربلا کے میدان میں بجھی۔ کعبہ کی تولیت
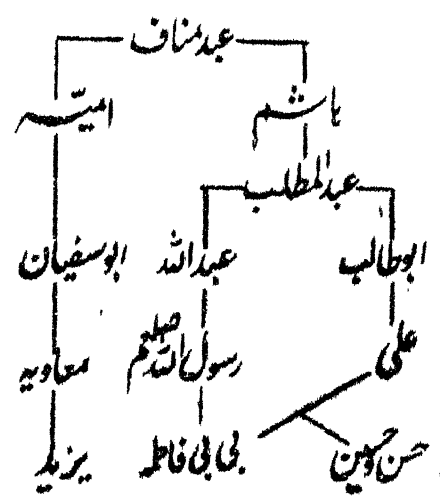
نے امیہ کے سینہ میں ایسی آگ لگائی کہ اس کے شعلے صدیوں میں بھی فرو نہ ہوسکے اور جب فیصلہ یہ ہوا کہ امیہ کعبہ سے نکل جائے تو گو وہ دانت پیستا ہوا نکلا۔ لیکن اس کے دل پہ جو کچھ گزری وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کی اولاد میں ابوسفیان تک کوئی قابل ذکر آدمی نہیں ہے۔ ابوسفیان حضور اکرمؐ کی نبوت کے وقت زندہ تھا اور اس نے اپنے پردادا امیہ کے اخراج کا سرور کائنات سے بدلہ لینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

سید الشہداء آنحضرتؐ کے نواسے اور جناب سیدہ کے لخت جگر ہیں اور یزید ابوسفیان کا پوتا اور معاویہؓ کا بیٹا ہے۔ جس طرح حضور اکرمؐ ہاشم کے پڑپوتے ہیں اسی طرح ابوسفیان امیہ کا۔

یہ شجرہ سمجھ لینے کے بعد اب حضور اکرمؐ کا زمانہ حیات اور ابوسفیان کی حرکات پر نظر ڈالنی چاہیئے تاکہ شہادت امام کا اصلی راز معلوم ہو جائے۔

جس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبوت کی تصدیق میں پیش قدمی کی۔ اسی طرح ابوسفیان بطلان نبوت میں پیش پیش ہے سرور کائنات نے جب نبوت کا دعویٰ فرمایا تو یہی وہ شخص تھا جس نے نہ صرف تکذیب پر بس کی بلکہ جسمانی اور روحانی ہر قسم کی ممکن اذیت پہنچائی۔ آدمی چلتا پرزہ اور تھوڑا بہت اثر بھی رکھتا تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ چھوٹے سے بڑا اور بچہ سے جوان ان ہی لوگوں میں ہوا۔ خوبو سے واقف، حالات و معاملات سے خبردار۔ اس لئے جو داؤں کیا وہ بھرپور۔ اسلام کی جتنی لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں شاید ہی کوئی ایسی لڑائی ہو جس میں ابوسفیان کا جوڑ توڑ نہ ہو۔ اس کے دل میں بنو ہاشم کی کچھ ایسی آگ لگی ہوئی تھی کہ گھر کا بچہ بچہ اس نام کا دشمن تھا۔ ہندہ جس نے حضور اکرمؐ کے چچا امیر حمزہؓ کا کلیجہ چبا کر فخر کیا اسی کی بیوی تھی۔

جب صداقت کذب پر غالب آئی اور اسلام کی قوت نے شرک کو مغلوب کیا مکہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو منافقین کو اسکے سوا چارہ نہ تھا کہ اسلام قبول کریں۔ جانی

دشمن اور خون کے پیاسے رسالت کے قدموں پر قربان ہوئے اور کلمۂ توحید پڑھا
ان ہی لاچاروں میں ابوسفیان بھی تھا۔ خدا اور اس کا رسول اس کا اسلام قبول کرے
مگر ہماری رائے میں اس کا دامن بے گناہ خونوں سے اس قدر شرابور ہے کہ فطرت
انسانی اس عفو پر متحیر و متعجب ہوگی۔

اُمّ المومنین بی بی خدیجہؓ کا نکاح انکی اولاد اور انکا مرتبہ

بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کی عداوت کا حال تو اس بیان سے اچھی طرح معلوم ہو گیا۔
اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی
ایمان لا کر اُمّ المومنین ہوئیں اور اپنا تمام مال و متاع اسلام پر قربان کیا۔ اور یہ بھی
حقیقت ہے کہ اسلام کی کامیابی میں بڑا حصہ اُمّ المومنین بی بی خدیجہؓ کی دولت اور
اُن کی خدمات کا ہے۔ ان کے نکاح کے بعد اسلام کو جو تقویت حاصل ہوئی اور انہوں نے
ہر موقعہ پر جو مدد دی اس سے سنّی یا شیعہ کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اُمّ المومنین کے ہاں
رسالت مآبؐ سے سات بچے پیدا ہوئے۔ تین لڑکے اور چار لڑکیاں۔

قاسمؓ طاہرؓ عبد اللہؓ زینبؓ ام کلثومؓ آمنہؓ فاطمۃ الزہراؓ

بی بی فاطمہؓ سب سے چھوٹی تھیں اور یہی وجہ ہے کہ سردار دو عالم کو ان سے عشق
تھا اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ چھوٹے بچے سے ہر ماں باپ کو زیادہ محبت ہوتی ہے
اس محبت یا عشق کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضور اکرمؐ دم بھر کی مفارقت بھی جناب سیدہ
کی گوارا نہ فرماتے تھے۔ جب کبھی سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے پیچھے اُن سے
رخصت ہوتے اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے اُن سے ملتے۔ اُن کے
بچوں کو اپنا بچہ فرماتے۔ اس تعلق کی تفصیلی وجوہ پر میں "الزہرہ" میں بحث
کر چکا ہوں۔ جن کا خاتمہ مولوی نواب صدیق حسن خاں صاحب کے ان اشعار پر ہے

وہ کسے گفت عائشہ در فضل — بہتر از بنت سیدالبشر است
مصرعۂ در جواب او گفتم — رشتہ دیگر رنگ جگر دیگر است

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ سیدہ کی پیدائش پر رسالت مآب نے یہ الفاظ فرمائے کہ دو میری یہ بچی دنیا کی بزرگ ترین عورت ہے " بی بی خدیجہ کے متعلق یہ بھی جان لینا چاہئے کہ سرورِ دو عالم سے انکا نکاح ایک معرکہ تھا جو کہ آنحضرت نے نبوت سے قبل سر کیا اور وہ اس طرح کہ ام المومنین کے پہلے شوہر بنا نش اور دوسرے عتیق کے بعد تجارت کا تمام کاروبار کچھ عرصہ تک ان کے باپ خویلد نے انجام دیا مگر جب ضعیفی نے زیادہ کمزور کر دیا تو انہوں نے سب حساب کتاب بیٹی کے سپرد کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ بی بی خدیجہ نے مجبوراً خود ہی دیکھ بھال شروع کی اور گو کام ٹھیک ہو رہا تھا تاہم وہ ایک متدین آدمی کی ضرورت محسوس کر رہی تھیں۔ ان کے تمول اور خاندانی شرافت کی وجہ سے اکثر آدمی نکاح کے متمنی تھے اور پیام دے رہے تھے۔ مگر وہ انکار کر چکی تھیں اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ خانۂ کعبہ میں بیٹھکر خدا کی عبادت میں بسر کرتیں۔

حضور اکرمؐ پر اس وقت تک نزول وحی نہ ہوا تھا مگر دیانت و شرافت کا سکہ سب کے دلوں پر بیٹھ چکا تھا اور چونکہ آسمانی کتابیں یہ خبر دے رہی تھیں کہ ایک پیغمبر پیدا ہونے والا ہے اور عالم ان کے وقت کے منتظر تھے اور کاہنہ عورتیں بی بی خدیجہؓ سے کہ رہی تھیں کہ تمہاری قوم میں ایک پیغمبر پیدا ہو گا۔ اسلئے ان کا ذہن رسول اکرمؐ کی طرف منتقل ہوا۔
اب تاریخ تو یہ کہ رہی ہے کہ ام المومنین کو ایک ایماندار نائب کی ضرورت تھی جو ان کے کاروبار کو سنبھالے۔ مگر ہماری رائے میں حسن عقیدت نے بھی بی بی خدیجہ کو رسول اللہؐ صلعم کی طرف کھینچا اور جس وقت نکاح کی بات چیت شروع ہوئی تو انہوں نے نہ صرف آمادگی ظاہر کی بلکہ سبقت کی۔
ان واقعات سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ ایک طرف تو بنو امیہ اور بنی ہاشم کے

دلوں میں جو شعلے بلند ہو رہے تھے۔ بی بی خدیجہ کے نکاح نے اس پر اور تیل چھڑکا کیونکہ قریب قریب مکہ کے تمام رئیس ان سے نکاح کے خواستگار تھے۔ دوسری طرف خود بنو ہاشم کے بعض امرا کچھ علانیہ اور کچھ خفیہ حضور سے حسد کرنے لگے۔

اس لئے کہ ہر معاملہ پوری طرح ذہن نشین ہو جائے ہم ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں جس کی صحت کی ذمہ داری بخاری جیسی مستند کتاب پر ہے جو کلام الٰہی کے بعد ہمارے عقیدہ میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ بیان ام المومنین عائشہ صدیقہ کا ہے جس کا مفہوم یہ ہے۔

ام المومنین بی بی خدیجہ کے بعد رسول اللہ صلعم ان کی تعریف اکثر فرماتے تھے ایک روز حسبِ عادت انھوں نے تعریف فرمائی تو ایک بی بی نے کہا "وہ تھیں کیا ایک بڑھیا بیوہ تھیں۔ خدا نے ان سے بہتر آپ کو دیں" یہ الفاظ آپ کو اس قدر ناگوار ہوئے کہ چہرۂ اقدس سرخ ہو گیا اور فرمایا "ان سے اچھی بیوی نہیں ملی۔ وہ ایمان لائیں اس وقت جب سب کافر تھے۔ انھوں نے میری تصدیق کی اسوقت جب سب جھٹلا رہے تھے۔ انھوں نے اپنا مال و دولت اسلام پر قربان کیا۔ خدا نے ان کے بطن سے مجھے اولاد دی"۔ اس واقعہ سے ام المومنین بی بی خدیجہ کے احسانات کا پتہ چل سکتا ہے۔ اور بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ انکا اثر بعد رحلت حضورؐ کے قلب پر کس قدر تھا۔

قصر اسلام کی سنگین بنیادیں اگر حضرت ابوبکر صدیق کے کرم سے دبی ہوئی ہیں تو اس کی عالیشان چھتوں پر ام المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ کے احسانات کا جھنڈا لہرا رہا ہے جس کا اقرار بانیٔ اسلام صلعم کی زبان مبارک نے ہمیشہ فرمایا۔ بدر کی لڑائی میں جب کچھ قیدیوں کی رہائی اس شرط پر قرار پائی کہ وہ فدیہ دیں تو قیدیوں میں ابو العاص بھی تھے جو بنت الرسول بی بی زینب کے شوہر تھے شوہر کی رہائی کے واسطے زینب لے اپنی ہیکل جوان کی ماں ام المومنین بی بی خدیجہ کی تھی خدمت اقدس

میں بطور فدیہ بھیجی۔ جب یہ ہیکل سامنے آئی تو آپ نے فرمایا "یہ ہیکل اس کی ہے جس کی عمر کا تمام آخری حصہ اسلام کی خدمت میں بسر ہوا۔

اُمّ المؤمنین کا عشق اسلام سے

بی بی خدیجہ کے نکاح نے نوبت یہاں تک پہنچا دی کہ قریش نے اپنے تعلقات بالکل محدود کردئے اور اُمّ المومنین کے پاس عورتوں کی آمدورفت برائے نام رہ گئی۔ کنبہ اور برادری تو فرنٹ ہو گئی تھی محلا اور پڑوس کی بھی کوئی عورت پاس آکر نہ پھٹکتی۔ چنانچہ بی بی فاطمہ کی پیدائش کے وقت کسی عزیز نے آکر جھانکا تک نہیں۔

عمر کی زیادتی کے ساتھ اُمّ المومنین کے قویٰ میں انحطاط شروع ہو گیا تھا، ادھر رسول اللہ صلعم کے افکار جن میں وہ برابر کی شریک تھیں روز بروز ترقی کر رہے تھے۔ اور ادھر چھوٹے چھوٹے بچوں کی تربیت اور گھر کا انتظام سر پر تھا نتیجہ یہ ہوا کہ صحت خراب ہوگئی۔ دولت کا بڑا حصہ اسلام پر قربان ہو چکا تھا اور وقت آگیا تھا کہ رئیس التجار خویلد کی وہ بیٹی جس کی دولت سے قریش سیراب ہو رہے تھے کنبہ جس کا ہاتھ اور برادری جس کا منہ تکتی تھی۔ اپنا تمام مال و متاع شوہر پر لٹا کر اللہ اللہ کرتی اور کوئی آکر بات تک نہ کرتا، بیماری نے موت کا یقین دلا یا تھا۔ تنہا گھڑیوں میں جب رات کا سایہ سر پر ہوتا اور معصوم سیدہ کو گلے سے لگا لیتیں اُس وقت فطرت انسانی مستقبل کا نقشہ سامنے لاتی اور یہ سوچتیں کہ میرے بعد اس بن ماں کی بچی کا کیا حشر ہوگا کس کے پکھوے سے لگے گی اور دشمن اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے میرے جیتے جی یہ حالت ہے کہ ہر شخص جان کا دشمن ہے۔ اور بظاہر اس دشمنی کے ختم ہونے کی امید نہیں۔ میری آنکھ بند ہونے کے بعد اس بچی کا انجام کیا ہوگا۔ پانچ برس کا زمانہ اسی اودھیڑ بن میں بسر ہوا۔ عزیزوں کی عداوت کا فکر اور رسالت کے مخالفین کا رنج ایسا نہ دھکر بیچھے پڑا کہ

بدن میں سکت نہ رہا۔ ایک طرف حضور اکرمؐ کا فکر تھا۔ دوسری طرف جناب سیدہؑ کا عیادہ الٰہی سے فارغ ہو کر اکثر بچی کو سینے سے لگا کر روتیں اور فرماتیں کہ موت سر پہ آ پہنچی۔ کاش فاطمہ میرے سامنے بڑی ہو جاتی تو میں باطمینان دنیا سے رخصت ہوتی۔

حارثہ بنت عقیل کا بیان ہے کہ ایک روز دوپہر کے وقت جب گرمی شدت کی تھی اور ہوا چاروں طرف آگ برسا رہی تھی، میں اُم المومنین کے گھر میں داخل ہوئی۔ یہ دیکھ کر کہ ان کی حالت روز بروز بگڑ رہی ہے میں اکثر جایا کرتی تھی، بی بی خدیجۃ الکبریٰ مرض الموت میں گرفتار تھیں، کمزوری کا زور تھا اور اب چلنا پھرنا بھی مشکل تھا۔ میں نے دیکھا کہ معصوم سیدہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے بیمار ماں کا سر دبا رہی تھی۔ بخار تیز تھا اور درد زیادہ۔ ام المومنین کی خالہ اطم بیٹھی ہوئی تھی اور مجھکو یہ دیکھکر سخت رنج ہوا کہ اطم بجائے تسکین کے نہایت جگر خراش گفتگو کر رہی تھی۔ ام المومنین سے بآسانی بات نہ کی جاتی تھی۔ انھوں نے رُک رُک کر کہا "آرزو ہے کہ خدائے برحق خاتمہ بخیر کرے" اطم ام المومنین کے ساتھ کی کھیلی اور بچپن کی سہیلی تھی، مگر ایسی کھرّا اور سنگدل کہ سُن کر ہنسی اور ہنس کر کہا "جس پر ایمان لائی ہو اور جس کو دولت دی ہے وہی خاتمہ بخیر کرے گا۔"

ام المومنین نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی مگر آنکھیں بند ہو گئیں اور نہ بول سکیں۔ اطم نے اپنے الفاظ پھر دُہرائے اور کہا "خدیجہ تم جس تکلیف میں رہی ہو، یہ تم نے خود پیدا کی ہے۔ بزرگوں کی نافرمان اور برادری کی گنہگار عورت کو اسی طرح مرنا چاہیئے۔ اب بھی اگر توبہ کر لو اور اپنی حرکتوں پر نادم ہو تو خاندان تمہارے ساتھ ہے۔ تمہاری نافرمان میت ہماری اپنی ہوگی اور ہم تمہارا جنازہ تزک و احتشام سے اٹھائینگے۔ ورنہ جس طرح آج تمہارے حلق میں کوئی پانی تک ٹپکانے والا نہیں ہے اسی طرح تمہاری لاش کا بھی کوئی اٹھانے والا نہ ہوگا۔ غنیمت ہے کہ تم نے اپنی غلطیوں کا خمیازہ دنیا ہی میں دیکھ لیا اور تم ہمارے واسطے ایک سبق ہو گئیں۔ تم پر تو جو گزرنی تھی گزر گئی۔ اس

بچی کی کیوں مٹی پلید کرتی ہو۔ ہم پر نہیں تو اس معصوم پر رحم کرو۔ تم جس مالت پر ایمان لائی ہو یہ غلط ہے۔ اسی نے تم کو یہ دن دکھایا۔ اگر تم اپنی غلطی کا میرے سامنے اقرار کرو تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ ہم سب تمہاری مدد کو تیار رہیں اور تمہاری بچی کو سر آنکھوں بٹھائیں اور اس کو کلیجے سے لگا کر اپنے بچوں کی طرح پالیں گے۔"

اظم کے الفاظ جادو تھے کہ مردے میں جان پڑگئی۔ ام المومنین اٹھ بیٹھیں۔ بدن تھر تھر کانپ رہا تھا اور آنکھ سے آنسو کی لڑیاں بہہ رہی تھیں۔ نفرت سے اظم کی طرف دیکھا اور کہا۔" اظم میرے سامنے سے دور ہو جا جو موت مجھ کو آ رہی ہے خدا ہر قریش کو نصیب کرے اور میری طرح سب کا توحید پر خاتمہ ہو۔ یہ حالت جس کو تو اذیت سمجھ رہی ہے حقیقت میں راحت ہے۔ تو نے میری کیفیت کو غلط سمجھا، فلاکت میرے واسطے نعمت اور تنہائی میرے لئے جنت ہے۔ میری بچی کا بہتر وارث وہی ہے جس کی راہ میں میں نے اپنی دولت قربان کی۔ میں بظاہر دنیا سے خالی ہاتھ رخصت ہوتی ہوں۔ مگر زندگی کے بیش بہا خزانے میرے ساتھ ہیں۔ آسمانی فرشتے فاطمہ کی حفاظت کریں گے۔ میں رسول اللہ کے یہ الفاظ سن چکی ہوں کہ فاطمہ دنیا کی بہترین عورت ہے۔ یہی میرا ایمان ہے۔ تو اگر زندہ رہی تو دیکھ لیجو کہ میری بچی کا نام مسلمانوں کے واسطے راحت جان ہوگا۔ دنیا کے تاریک پردے تیری آنکھوں پر پڑے ہیں اور شیطان تجھ کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ میں تم کو سمجھاتی ہوں اس لئے کہ میری بہن ہے۔ نصیحت کرتی ہوں اس واسطے بھلی اور سہیلی ہے کہ ایمان لا اس رسول پر جس کی رسالت برحق ہے۔ جس کی صداقت کی شہادت شجر و حجر دے رہے ہیں۔ تیری یہ زندگی جس پر تو نازاں ہے ابدی نہیں ہے۔ تو نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ تیری ہر حالت منقلب اور ہر کیفیت متغیر تھی۔ تیرا بچپن جوانی سے بدلا اور اب جوانی بھی ڈھلنی شروع ہو گئی۔ سیاہ بال آدھے سے زیادہ سفید ہو گئے اور چہرہ کی جھریاں شباب کو وداع کر چکیں

اگر تیرے دل میں ایمان کی جھلک ہوتی تو یہ تغیر اور یہ انقلاب جو پیام موت ہے، تیری آنکھیں کھول دیتا اور تیری زندگی موت سے پہلے موت کے واسطے تیار ہو جاتی۔ تجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میری عمر کا بڑا حصہ کتب آسمانی کے مطالعہ میں بسر ہوا۔ میں تجھ کو بتاتی ہوں کہ انجیل و زبور اس پیمبر کے ظہور کی خبر دے رہی ہیں جس پر میں ایمان لائی اور جس کے نکاح نے مجھ کو بنت خویلد سے ام المومنین بنا دیا۔ تیرے منہ پر آنکھیں تیرے دماغ میں عقل ہے۔ تیرے پہلو میں دل ہے۔ تو دیکھ رہی ہے تو سن رہی ہے۔ اب تک دیکھا اور سنا۔ اب سمجھ اور غور کر کہ تو، تیرا خاندان اور تیری قوم اعلان نبوت کے بعد اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہی ہے۔ افسوس ہے تمہاری عقلوں پر۔ تم ایک طرف اس کی انسانیت کا اقرار کرتے ہو، اس کی دیانت کا کلمہ پڑھتے ہو، اس کو امین اور صادق کا لقب دیتے ہو۔ اور دوسری طرف اس کی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے ہو۔ عقلمند ہو، ہوشیار ہو، بتاؤ، بولو۔ آخر کس خطا اور کس قصور میں۔ تم اگر پیغمبر تسلیم نہیں کرتے ہو نہ کرو۔ لیکن سنو جو کہتا ہے۔ اور کرو جو بتاتا ہے۔ تم ان صفات کا انسان، اس طبیعت کا آدمی اپنے کنبے میں، اپنے محلے میں، اپنے شہر میں، مردوں میں اور عورتوں میں، مردوں میں اور زندوں میں دکھا دو اور بتا دو۔ تم نے اپنی شرارت میں، اپنی عداوت میں، اپنی خباثت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ گڑھے کھود رکھے اور راہ میں جھڑیاں ڈال دی ہیں مگر اس کی زبان پر سوا صبر و شکر کے دوسرا لفظ نہیں آتا۔ اگر اب بھی تمہارا ایمان اس کی رسالت تسلیم نہیں کرتا تو بدبخت ہو، اور اس دنیا کے ساتھ جس کا خاتمہ یقینی ہے، دین بھی تباہ کر رہے ہو۔ اٹھ! موت دور نہیں۔ آنکھ بند کرنے کی دیر ہے۔ مجھ کو آ رہی ہے اور تجھ کو آئے گی۔ لیکن میں نے دنیا سے دین خریدا۔ فانی زندگی بگاڑ کر ابدی زندگی سنواری۔ خوش رہی اور بشاش چلی۔ خالی ہاتھ آئی اور بھری پری جاتی ہوں۔ زندگی کا مقصد یہی ہے۔ اور دنیا کی غرض یہی۔ اٹھ! مجھ سے سبق لے اور توبہ کر، ڈر موت

سے جو برحق ہے اور خوف کر عذاب کا جو اٹل ہے توبہ کر گناہوں سے اور باز آ شرک سے۔ ایمان لا توحید پر اور اقرار کر رسالت کا۔

یہاں تک پہنچ کر اُم المومنین کی زبان بند ہو گئی۔ وہ گر پڑیں اور بے ہوش ہو گئیں مگر اس تقریر کا اثر اظلم پر اتنا ہوا کہ اس کی ہچکی بندھ گئی ساتھی اور اُم المومنین کے قدموں میں گر پڑی اور چیخیں مار مار کر اس قدر روئی کہ ام المومنین کی آنکھ کھل گئی۔ اور انہوں نے پوچھا "کیا حال عجیب ہو رہا ہے" اظلم نے ہاتھ جوڑ کر کہا "خدیجہ بہن! مجھے بھی مسلمان کر لو"

تھوڑی دیر بعد رسول اللہ تشریف لائے اور اظلم نے اسلام قبول کیا۔ اس کے اسلام نے مکے بھر میں کھلبلی مچا دی۔ شام کے قریب خاندان کے بہت سے آدمی ام المومنین کے گھر پر چڑھ آئے اور اس قدر بپھرے ہوئے کہ اللہ کی پناہ اظلم کو پکڑ کر لے گئے اور چلتے وقت یہ کہہ گئے کہ ہم سب خدیجہ سے اس کا بدلہ جلد لیں گے۔

میں کہہ سکتی ہوں کہ خدیجہ عورت نہیں فرشتہ تھی۔ حالت لمحہ بلمحہ بگڑ رہی تھی اور موت کے آثار جسم کی رگ رگ سے نمودار تھے۔ قریش اس قدر چیخ پیٹ کر گئے لیکن اظلم کے مسلمان ہونے کی خوشی ان تمام حالات پر غالب تھی۔ وہ اپنی تکلیف بھول گئیں۔ باغ باغ تھیں۔ میں دوپہر سے دیکھ رہی تھی طبیعت کا رنگ صحیح نہیں ہے اس لئے رات کو اپنے ہاں جا کر صبح پھر آ گئی۔ آج مجھ سے پہلے ہی اسما بنت عمیس پہنچ چکی تھیں۔ اس واسطے مجھے اطمینان ہو گیا اور میں چلی آئی"

اُم المومنین بی بی خدیجہؓ کی محبت جناب سیدہؓ سے

دوسرے روز گئی تو مرض کی کیفیت میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ مگر اظلم کے مسلمان ہونے کی خوشی ام المومنین کے چہرہ سے ظاہر ہو رہی تھی۔ دوپہر کے وقت پانی مانگا بی بی فاطمہ لے کر آئیں۔ پی چکیں تو چہرے پر افسردگی کے آثار ظاہر ہوئے۔ استاد

نے مجھ کو اشارہ کیا تو میں نے دیکھا کہ آنسو بہہ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ شاید آپ
کو کوئی تکلیف ہو رہی ہے اور دردِ سر وغیرہ ہے تو میں دبا دوں۔ یہ کہہ کر میں نے
سر پر ہاتھ رکھا تو بخار تیز تھا۔ میرے سوال پر مسکرا کر فرمایا "جسمانی تکلیف کی
پرواہ میں نے تمام عمر نہیں کی اب کیا کروں گی"۔ اسماء نے اپنے ہاتھ سے آنسو
پونچھے اور کہا "ام المومنین آپ سے زیادہ خوش نصیب عورت دنیا میں کون ہو سکتی
ہے۔ آپ زندگی کو اس طرح ختم کر رہی ہیں جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتی ہے
آپ نے دنیا سے اتنا کما لیا کہ کوئی نہ کما سکے گا۔ آپ یہاں سے اس قدر سرخرو رخصت
ہو رہی ہیں کہ آج کی اسلامی دنیا اور آنے والی دنیا آپ کا نام سر آنکھوں پر رکھے گی
آپ نے اپنے کارنامے اور اپنی خدمات ایسی بے مثل چھوڑی ہیں کہ دنیا ان کا ثانی
پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ ایسا وقت ہے کہ آپ جس قدر خوش ہوں کم ہے۔ آپ کی اذیت
کا دور ختم ہوا اور راحت کا وقت شروع ہوتا ہے۔ آپ کو ہنسنا چاہیے کہ خدا
آپ سے راضی، رسول آپ سے خوش، آپ اس وقت کیوں جی بھاری کر رہی ہیں"۔
میری اس گفتگو پر چند لمحے کے واسطے ام المومنین کے خیالات اس طرف منتقل ہوئے
اور مسرت کی ایک عارضی لہر ان کے چہرے پر دوڑی لیکن فوراً ہی ختم ہو گئی
اور فرمانے لگیں۔

"اسماء تمہارا کہنا درست ہے اور اس اعتبار سے میں جس قدر بھی خوش ہوں کم
ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ میری دولت کا مصرف اس سے بہتر نہیں ہو سکتا کہ وہ خدا کی راہ
میں کام آئے۔ اور ارشاد نبوی کے مطابق میرا یہ عمل آخرت کا توشہ ہے [illegible]
واسطے میں نے دنیا کو دین پر قربان کیا اور راہ حق میں [illegible]
مگر تم جانتی ہو کہ میں بشر ہوں اور فطرت انسانی کے تقاضے سے مجبور ہو کر مجھ کو اس وقت
اپنی چھوٹی بچی فاطمہ کا فکر ہے کہ میرے بعد کیا ہو گا۔ میرا عقیدہ اور یقین یہ ہے کہ خدا سب

کی مشکلیں آسان کرتا ہے اور وہی سب کچھ کرے گا۔ مگر یا مقاسکے [illegible] وہ فاطمہ رکتے اور بہت سی باتیں رہ رہ کر کلیجہ مسوس رہی ہیں۔ یہ آج بچہ ہے اور کل جوان ہوگی مجھے یہ بھی اطمینان ہے کہ میرا خدا جس پر میں ایمان لائی اس کو اچھا دولہا دے گا اور یہ دونوں میاں بیوی اس دنیا میں ہمیشہ خوش و خرم رہیں گے۔ مگر تم جانتی ہو کہ جس وقت ایک بچی دلھن بن کر میکے سے وداع ہوتی ہے تو سسرال میں ہر متنفس غیر اور پرایا ہوتا ہے اسی واسطے میکے کی دو ایک عورتیں دلھن کے ساتھ جاتی ہیں کہ وہاں کی ضرورتوں میں کام آئیں اور عالم تنہائی میں انیس ہوں۔ یہ انتظام مائیں کرتی ہیں اور بھروسہ کے قابل عورتیں ساتھ بھیجتی ہیں۔ میری خواہش ہے کہ اگر اس وقت تم زندہ ہو تو تم جانا اور مجھ سے وعدہ کرو کہ میری اس آرزو کو پورا کرو گی۔

اس قدر گفتگو کے بعد اسماء کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور انھوں نے کہا کہ ام المومنین آپ اطمینان رکھیئے میں وعدہ کرتی ہوں کہ اگر زندہ رہی تو آپ کی بچی کے ساتھ اس کی سسرال جاؤں گی۔ اور جب تک اس کو ضرورت ہوگی، جب تک یہ اچھی طرح اپنے دولہا سے مانوس نہ ہوگی وہیں رہوں گی۔ ام المومنین یہ سن کر خوش ہوئیں۔ اسماء کے حق میں دعا کی اور خاموش ہوگئیں۔

ام المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی رحلت

رات گذری مگر تمام رات ام المومنین کو نیند نہ آئی۔ بخار بہت تیز تھا۔ مگر اس حالت میں بھی ان کی زبان پر کلمہ توحید جاری تھا۔ ابھی صبح پوری طرح نہ ہوئی تھی کہ سانس بگڑ گیا۔ مگر دماغی حالت صحیح تھی۔ بچی کو انھوں نے اپنے پاس بلا کر گلے سے لگا لیا اور باآواز بلند کلمہ طیبہ پڑھ کر کہا فاطمہ تجھ کو خدا کے سپرد کیا۔ دو یا تین مرتبہ یہ الفاظ کہے اور اس کے بعد پاک روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔

مکہ کے مشہور قبرستان حجون میں دفن ہوئیں اور جس بچی کے بطن سے اسلام کے درخشندہ تارے
پیدا ہونے والے تھے، وہ ان کی شفقت سے ہمیشہ کو محروم ہوگئی۔

رسولِ ہاشمی کو برحق سمجھنے والے مسلمانو! انصاف کی نگاہیں بلند کرو اور شوق کے قدموں
سے آگے بڑھو۔ قبرستان حجون میں تم کو وہ جنازہ نظر آئے گا جس پر عقلِ انسانی تحسین
و مرحبا کے پھول نچھاور کر رہی ہے۔ فرشتے اپنی پلکوں سے اس قبر کی جھاڑو دے
رہے ہیں۔ یہ وہ عورت ہے جس نے مظلوم اسلام کی اس وقت حمایت کی جب دنیا اس
کو ٹھکرا رہی تھی۔ یہ وہ بیوی ہے جس نے اپنا زر و دولت اور مال و متاع مذہب مقدس
پر لٹا دیا۔ اور آج خالی ہاتھ خدا کے حضور میں جا رہی ہے۔ یہ وہ ماں ہے جو مسلمانوں
کے واسطے سیدہ جیسی بچی چھوڑ رہی ہے۔ وہ بچی جو دنیا کی بہترین عورت ہے۔
وہ بچی جس کا نام مسلمان سر آنکھوں پر رکھیں گے۔ وہ بچی جس کی زندگی مسلمانوں کے
واسطے پیامِ تسکین اور جس کی موت ان کی زندگی کا سبق ہوگی، جس کے پیٹ سے حسنین
جیسے بچے پیدا ہوں گے، وہ بچے جو مسلمانوں کو زندگی کے معنے بتائیں گے۔ یہ وہ مسلمان ہے
جس کے ایثار کا جواب دنیا کی کوئی مسلمان عورت نہ دے سکی۔ یہ وہ بیگم جسکی قربانیاں جسکی
خدمات افضل البشر کا مقابلہ کر رہی ہیں۔ یہ وہ حور ہے جسکی میت صداقت کے پھولوں سے
آراستہ اور حقیقت کے جواہرات سے مزین ہے۔ یہ وہ دلہن ہے جس کا لباس سدا بہار
پھولوں سے معطر ہے۔ ہماری پہلی ماں اور ہمارے آقا کی پہلی بیوی، اسلام کی پہلی مربی
رسول اللہ کی پہلی جاں نثار اور کلمۂ توحید کی پہلی سرپرست۔

قریش کا منافق گروہ جنازہ کی بیکسی پر ہنس رہا ہے۔ مگر آسمان کی آنکھیں ام المومنین
کی وداع پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہیں۔ قربان اس میت پر، میت والی کے نام پر نثار
اس جنازہ کی بیکسی پر جس کا طواف ملائکہ مقربین کر رہے ہیں۔ قریش کے ناپاک ہاتھ
اس جنازہ کو کندھا دینے کے قابل نہ تھے۔ فرشتے ہاتھوں ہاتھ لائے ہیں اور یہ

وہ وقت ہے کہ عروس اسلام کی وہ ... تنہائی پر ... جب ... زیادہ پروانہ وار فدا ہو کر چشم
انسانی سے روپوش ہو کر ابدی نیند سو گئے۔

زندہ دنیا کی مسلمان لڑکیاں زیادہ نہیں چند لمحے کے لئے آنکھیں بند کریں اور
سوچیں کہ وہ کیا وقت ہوگا اور خلوص و صداقت کی اس دیوی نے کس دل سے کیسی کیسی
قربانیاں کی ہونگی۔ عزیز فرشتے ہو گئے۔ کنبہ دشمن ہوا محلہ نے ملنا جلنا ترک کیا۔ برادری
نے آنا جانا چھوڑا۔ اثاثہ ختم۔ دولت فنا۔ اور یہ سب کس کے لئے اور کیوں؟ ایک
تن واحد کے واسطے۔ خدا اور اس کے رسول کی رضامندی کے لئے

حجون میں پہلا مسلمان جنازہ

جب دفن کا وقت آیا تو بنو امیہ اور قریش نے متفقہ کوشش کی کہ ام المومنین حجون میں
دفن نہ ہوں۔ ان میں سے ایک شخص عروان نامی آگے بڑھا اور کہا یہ ہمارا خاندانی قبرستان
ہے۔ جہاں ہمارے بزرگ اور آباؤ اجداد دفن ہیں۔ یہ ہمارے مذہب سے برگشتہ ہو کر عبداللہ
کے لڑکے پر ایمان لائی اور بڑوں کے عقیدہ سے پھری۔ ہم اس کو یہاں دفن نہ ہونے دیں گے۔
ابتدا میں اس بحث نے زیادہ طول پکڑا مگر وہ خود ہی ٹھنڈے ہو گئے اور کہا زندگی تک یہ اپنے
عقاید کی مالک تھی مگر اب یہ گوشت پوست ہمارا ہے اگر ہمارے ہاں دفن ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کی کیفیت

طلوع آفتاب کو دوپہر سے زیادہ گزر چکے۔ جنازہ کو گئے چار پانچ گھنٹے ہو گئے۔ ام ظلم اپنے
گھر گئی۔ فاطمہ بنت اسد فاطمہ زبیر بھی چلی گئیں۔ اب گھر میں ایک معصوم بچی کے سوا کوئی نہیں
کتنا نازک وقت اور دردانگیز سماں ہے کہ پانچ سال کی ایک معصوم بچی جو ابھی موت
و زندگی کو نہیں سمجھ سکتی، ماں کو چاروں طرف ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔ آنکھیں

پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہے۔ کونے کونے جاتی ہے چپے چپے پوچھتی ہے۔ بچھونے اٹھا کر دیکھتی ہے۔ اور مایوس ہو کر ایک کونے میں خاموش ہو بیٹھتی ہے۔ اس کو تسکین دینے والے گھر کے در و دیوار ہیں اور سینے سے لگانے والے ہوا کے جھونکے۔ بیکسی و تنہائی کے عالم میں ننھا سا دل ڈرتا ہے۔ کھڑی ہوتی ہے ادھر ادھر دیکھتی ہے اور پھر اماں اماں کو ڈھونڈتی ہوئی دروازے تک پہنچ کر لوٹتی ہے اور گر پڑتی ہے۔

ننھی سی جان کا پرواز تخیل پہنچتا ہے زمانہ ماضی کی طرف۔ ... اور وہ روز پہلے کا وہ سماں آنکھوں کے سامنے آگیا۔ جب ماں بستر مرگ پر پڑی ہے۔ آنکھوں سے زار و قطار آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہیں۔ اسماء بنت عمیس سے رو رو کر درخواست کر رہی ہے کہ میرے بعد جب بچی جوان ہو اور شادی کا وقت آئے تو اس لئے کہ میری فاطمہ کو تکلیف نہ ہو تم اس کے ساتھ چلی جانا۔ اسماء تم مجھ سے وعدہ کرلو کہ اس کی وداع کے وقت تم ساتھ جاؤ گی۔ میں اور کسی قابل نہیں ہوں۔ ہاں تمھارے واسطے دعا کروں گی۔ میں نے اپنا بھرا پُرا گھر محض خدا کے واسطے اُجاڑا ہے۔ اور پشتہا پشت کی دولت جو پھاوڑوں کاٹے نہ کٹتی اس کے رسول پر قربان کی ہے جس کی خدمت میں بیسیوں لونڈی غلام حاضر رہتے آج وہ انسان کی صورت کو ترس رہی ہے۔ وہی خدا جس کے واسطے میں نے اپنی ثروت لٹائی میری دعا قبول کرے گا۔ اسماء بن ماں کی بچی کو دھوکا نہ دینا اور مجھ کو مردہ سمجھ کر میری پیاری زہرا کو تن تنہا رخصت نہ کر دینا۔ اسماء میری بچی آنکھوں کا تارا ہے۔ خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر اقرار کرو کہ میرے کلیجے کے ٹکڑے کو اکیلا نہ چھوڑو گی۔

معاملہ کو سمجھنے کی عمر نہ تھی مگر ماں کی صورت جو آنکھ سے اوجھل ہو چکی تھی بعد کے کچھ دیر دل کے سامنے آگئی۔ بیتاب ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی بلبلائی اور روتی ہوئی ادھر ادھر دوڑی۔ آسمانی حوریں خاموش آنسوؤں پر قربان ہو رہی تھیں۔ مگر دنیا کے بسنے والے بے خبر تھے اور جانتے تھے کہ مقدس لبوں کا یہ نالہ عرشِ عظیم تک جا رہا ہے۔

اور کائناتِ سماوی اس کے سامنے آنکھیں بچھا رہی ہے۔ قریشی دل جن کی گودوں میں بچے تھے جن کی انگنائیوں میں لال کھیل رہے تھے، جو ماتا کے درد سے پوری طرح واقف تھے، ایسے پتھر ہوئے کہ آج ایک ایسا انسان نہ تھا جو جنت کی اس حقیقی حور کو کلیجہ سے لگاتا۔ بن ماں کی بچی کو تسکین دیتا اور سر پر ہاتھ رکھتا۔ محلہ اس کی آہوں پر ہنس رہا تھا۔ اور برادری اس کے آنسوؤں کا مضحکہ اڑا رہی تھی، وہ حسرت و یاس کی تصویر بن کر اس دروازہ میں جا کھڑی ہوئی جس میں سے ماں کا جنازہ گیا تھا۔

عورتیں سروں پر رواڈالے ہر سمت پھر رہی تھیں اور خاموش آنکھوں کی ٹکٹکی صرف اس توقع پر بندھی تھی کہ ماں اور ماں کا بچھڑا نصیب ہو جائے اور ان راستہ چلتی عورتوں میں شاید وہ صورت بھی نظر آجائے جو اپنے ہاتھ بڑھا کر میری گردن میں ڈال دے اور کلیجے سے لگائے۔ وقت کا بڑا حصہ گزر گیا۔ ننھے منے دل پر نا امیدی کی گھٹا چھا گئی۔ دفعۃً فاطمہ بنت اسد سامنے سے آتی ہوئی دکھائی دی۔

ایک حسرت نصیب نگاہ معصومانہ انداز سے ادھر اٹھی۔ قدم آگے بڑھے۔ بنت اسد شہزادی کی صورت دیکھ کر تڑپ اٹھی۔ روتی ہوئی آنکھوں سے گود میں اٹھا کر پیار کیا۔ اندر لائی ہچکی بندھی ہوئی تھی کہ فاطمہ بنت زبیر بھی آگئی۔ دونوں کی دونوں سیدہ کو گلے سے لگائے رو رہی تھیں۔ جب بچی سو گئی تو بنت اسد نے کہا:۔

"ام المومنین کو فاطمہ سے اس قدر عشق تھا کہ رحلت سے چند گھنٹے قبل بستر سے اٹھیں اور پیالے میں تھوڑی سی مٹی بھگوئی اور کپڑے درست کئے اور کہا "میری بچی کا سر چکٹ رہا ہے۔ میرے بعد اس کا سر کون دھلائے گا۔ میں اپنے سامنے اس کا سر دھو دوں کہ قریش کی عورتیں میری فاطمہ پر نہ ہنسیں۔ تم دیکھتی ہو کہ اس کے کپڑے میلے ہو گئے۔ میرے بعد اس کے کپڑے کون بدلے گا۔ موت کا گھر ہو گا۔ لوگ آئیں گے اور جائیں گے۔ میں چاہتی ہوں میری شہزادی کسی کی نگاہ میں حقیر نہ ہو۔ میں اپنے ہاتھوں

سے آخری خدمت اپنی بچی کی انجام دے دوں۔"

امّ المومنین کی طبیعت زیادہ بگڑ رہی تھی۔ انہوں نے بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور سینے سے لگا کر روتی رہیں۔ پھر یہ کہہ کر کہ بیوی ماں تجھ سے ہمیشہ کو چھوٹتی ہے۔ میری ننھی سی جان اب تو بن ماں کی ہوتی ہے اور آج خدا کا حکم تجھ کو ماں کی مامتا سے محروم کرتا ہے۔ یہ چاند سا مکھڑا اور یہ بھولی صورت جس پر میں قربان تھی مجھ سے چھوٹ رہا ہے۔" فرمایا "بی بی میں تجھ کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ خاندان تیرا دشمن ہے اور برادری میں کوئی اتنا نہیں کہ شفقت کا ہاتھ سر پر پھیرے۔ آ آ میری بیگم میری گود میں آ۔ میں اپنے ہاتھ سے تیرا منہ دھلا کر اجلے کپڑے پہناؤں۔ ارمان یہ تھا کہ ان ہاتھوں سے دلھن بناؤں۔ مگر تقدیر میں نہ تھا۔

فاطمہ ننھی سی عمر اور چھوٹا سا حافظہ ہے۔ مگر کچھ نصیحت کرتی ہوں یاد رکھنا۔ باپ کے سوا اب کوئی دنیا میں اتنا نہیں کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔ قریش جان کے دشمن اور بنو امیہ خون کے پیاسے ننھی سی جان پر نت نئے ظلم ہونگے اور تکلیفیں بھگتنی پڑیں گی۔ فاقوں میں روٹی کا ٹکڑا میسر نہ ہوگا اور پیاسی ایک قطرے کو ترسوگی ان پیارے پیارے نازک ہاتھوں میں جن پر میں ہزار بار قربان، چکی پیستے پیستے چھالے پڑیں گے۔ دیکھو مرنے والی ماں کے خون پر جو رگ رگ میں دوڑ رہا ہے، حرف نہ آنے پائے۔ بی بی سخت سے سخت مصیبت میں شکایت زبان پر نہ آئے، فاقوں میں پیٹ سے پتھر باندھنا اور ظلموں میں زبان پر مہر لگانا میری بیٹا ماں تیرے آنسوؤں پر نثار۔ تو رو کر اپنا دل بھاری نہ کر۔ تجھے کیا معلوم کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہوگا۔"

امّ المومنین پر سے زیادہ رقت مجھ پر طاری تھی۔ انہوں نے سیدہ کا ہاتھ اپنے منہ پر پھیرا اور کہا جاتی ہوں اس جسم پر نیل پڑیں گے۔ اور دشمن کا پوری طاقت

سے حملہ ہو گا۔

اسماء کا بیان اور یہ فقرہ ختم نہ ہوا تھا کہ رسول اللہ صلعم گھر میں داخل ہوئے تو عجب سماں تھا بچھڑی ہوئی بیٹی جس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا، اٹھ بیٹھی اور باپ کی صورت دیکھتے ہی تڑپ اٹھی۔ دوڑ کر لپٹ گئی سرور کائنات نے سر پر ہاتھ پھیرا تو چہرۂ اقدس پر نظر ڈال کر پوچھا "ماں کہاں ہے" اس سوال نے سب کے کلیجے اڑا دئے سید المرسلین نے فرمایا "خدا کے ہاں" معصوم دل اس کا مطلب نہ سمجھ سکا اور بچی کی خاموش نظریں باپ کے چہرہ پر جمی رہیں سرور عالم نے گود میں اٹھا کر پیار کیا اور تسکین دے کر باہر تشریف لے گئے معصوم و مغموم چہرہ خوشی سے بدل گیا اور شہزادی یہ کہتی ہوئی ہشاش بشاش گھر میں دوڑنے لگی۔

"رسول اللہ (صلعم) میری اماں کو اللہ میاں سے لینے گئے ہیں .... اب میری اماں آتی ہوں گی .... میں ان کا بچھونا صاف کر دوں، سلوٹیں پڑ رہی ہوتی ہیں .... خالہ میں اتنے میں دوا بھگو دوں، آتے ہی پی لیں گی۔ کھانسی کو آرام ہو جائے گا۔ کہیں مجھ سے خفا نہ ہو گئی ہوں .... خالہ جان رسول اللہ (صلعم) سے کہہ دینا مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔ میں اماں جان کو منا لوں گی۔ وہ مجھ ہی سے ناخوش ہیں۔ اٹھو اٹھو اچھی خالہ جان جاؤ کہہ دو مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔ وہ میرے کہنے سے فوراً آجائیں گی .... میں ہاتھ جوڑ کر قصور معاف کرا لوں گی۔ بڑی خالہ جان تم جا کر رسول اللہ (صلعم) سے کہدو کہ وہ اب اپنی ماں سے نہ روٹھے گی کپڑے بھی بدل لوں گی سر بھی دھلوا لوں گی، خالہ اماں! میری اماں جان مجھ سے خفا ہو کر چلی گئیں اب رسول اللہ (صلعم) منا لائیں گے۔ ایسی خفا ہوئیں کہ آج صبح سے مجھے کھانا بھی نہیں دیا۔ اب آتی ہوں گی! .... ایسی بگڑیں کہ سارا دن گذر گیا ایک کھجور بھی منہ میں نہ گئی .... ہاں ہاں مجھے یاد آ گیا۔ کپڑوں پر خفا ہوئیں کہ میں نے کپڑے

نہیں بدلے اچھا اب جلدی سے بدل لوں"۔
تاریکی پردہ دنیا پر چھا چکی۔ قریش جگمگاتی روشنی میں رنگ رلیاں منا رہے تھے
مگر دونوں جہاں کی ملکہ کے پاس چند قطرے تیل کے نہ تھے کہ ماں کی لحد پر جلا دیتی۔ ننھا
سا دل اپنے معصوم جذبات سے آنے کی تیاریاں کر رہا تھا اندھیرے میں منہ دھویا
جلدی جلدی کپڑے بدلے اور دروازہ میں جا کر کھڑی ہوئیں ساعت قیامت سے
وہ وقت کم نہ تھا جب پانچ چھ برس کی ایک جان دروازہ میں کھڑی اس ماں کی راہ
دیکھ رہی تھی جو زمین کا پیوند ہو چکی۔ دفعتہً سلمہ بنت صفیہ رضی اللہ عنہا و ڑھے اور منہ ڈھانکے
ڈیوڑھی میں داخل ہوئی بی بی خوشی کے مارے اچھل پڑی اور لپٹ کر کہا
"آہا میری اماں جان آگئیں"
بنت اسد اور بنت زبیر کے سینوں میں کہرام مچا ہوا تھا سلمہ بی بی کے اس
کہنے سے کہ میری اماں جان آگئیں اور لپٹ جانے سے بالکل بے اختیار ہو گئی۔
منہ چھپائے رکھا اور گود میں اٹھا کر کلیجہ سے لگا لیا۔
شام ہو چکی ہے اور لو کے تھپیڑے کم ہو چلے ہیں، نیند کے ڈورے شہزادی
کی آنکھوں میں نمودار ہو گئے ہیں۔ آنکھیں مچتی ہیں اور کھلتی ہیں اور ام المومنین بی بی
خدیجۃ الکبریٰ کے بعد یہ پہلی رات ہے کہ شہزادی ماں کے پہلو سے بچھڑ کر سلمہ کے
سینے سے چمٹی ہے۔ دونوں ہاتھ گلے میں اور سر گردن سے لگا ہوا نیند کے جھونکوں
میں یہ الفاظ زبان سے نکل رہے ہیں۔
"اماں جان اب میں نہیں جانے دونگی"
روتی ہوئی آنکھوں سے تڑپتے ہوئے دل سے چھپے ہوئے چہرے سے سلمہ بچی کو
لئے کر لیٹی اور آہستہ آہستہ سر پر ہاتھ پھیر کر بال درست کئے سلمہ کا زخمی دل
جو جوان بیٹے کا داغ کھا چکی تھی شہزادی کی حالت سے اتنا بے اختیار ہوا

کر منہ پر منہ رکھکر رونے لگی۔ فرط محبت سے بھینچ بھینچ کر ہچکیاں لے رہی تھی کہ بیوی کی آنکھ کھل گئی اور دیکھ لیا کہ یہ آواز میری ماں کی نہیں ہے۔ روتی ہوئی اُٹھ بیٹھی اور اسی تیندمیں کہا۔

"پھوپی جان تو میری اماں جان کدھر گئیں"

اس کا جواب ایک بے اختیار چیخ تھی جو سلمہ کے منہ سے نکلی اور اس نے کہا خدا کے ہاں گئی ہیں۔ اب شہزادی اُٹھ کھڑی ہوئی اور کہا رسول اللہ صلعم نے بھیج تو دیا تھا۔ شام کو آ گئی تھیں اب پھر چلی گئیں۔ آپ نے بھی نہ روکا۔

عداوت کی ترقی

یہ واقعات صاف بتا رہے ہیں کہ عداوت باہمی کس حد تک پہنچ چکی تھی سنگدلی کی کیا کیفیت تھی، ماں باپ کی عداوت کا بچوں سے بدلہ لینا کسی مذہب میں جائز نہیں۔ مگر کچھ ایسے شقی القلب لوگ تھے کہ ان کی نگاہ میں ہر ظلم جائز اور ہر شرارت درست تھی شیطنیت کا کوئی دقیقہ اور خباثت کا کوئی شائبہ الیسا نہ تھا۔ جو ان سے چھوٹا ہو۔ ان سے یہ توقع تو ہو ہی نہ سکتی تھی کہ وہ ام المومنین کے بعد سیدہ سے کسی قسم کی ہمدردی کریں اگر مظالم ہی میں کمی کر دیتے تو ان کا احسان تھا۔ مگر انہوں نے تو عہد کر لیا تھا کہ مکا رہی پوری طرح ختم کریں گے اسلام جوں جوں ترقی کرتا گیا ان کی آفات بھی اتنی ہی بڑھتی گئیں۔ یہاں تک کہ جناب سیدہ بچپن کے منازل کو ختم کرتی ہوئی شادی کے قابل ہوئیں اور ہر طرف سے پیام نکاح آنے لگے اور بالآخر حضرت علیؓ سے ہو گیا۔

اس عقد نے عداوت کی آگ کو اور دونا کیا۔ گو اب اسلام ابتدائی اسلام نہ تھا۔ اب یہ روز بروز ایسا قوی ہو رہا ہے کہ کٹر سے کٹر دشمن بھی اس کے سامنے جھکتا تھے

کھلے مقابلہ کی تو ہمت اور طاقت دونوں ختم ہو چکی تھیں لیکن دل ہی دل میں انگارون پر لوٹتے تھے۔ اور کوئی موقعہ مل جاتا تو چوری چھپے وار کرنے میں کسر نہ چھوڑتے۔

بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے نکاح نے دلوں پر جو بجلی گرائی وہ اُن کی موت سے بھی ٹھنڈی نہ ہوئی جناب سیدہ کے نکاح نے دوسری قیامت بپا کی۔ اب بدبختوں کو اس کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا کہ راتیں اسی ادھیڑبن میں صبح کرتے اور دن اسی غور و خوض میں شام۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اُس وقت جو کچھ کر رہے تھے۔ کھلے خزانے اور اب جو کچھ ہو رہا تھا چوری چھپے اس وقت دشمن جانی تھے اور اب بغلی گھونسے۔ جب بر سرِ پیکار تھے۔ اور اب در پئے آزار۔

سیدۃ النساء کا درجہ و فضائل

سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کی جو عزت و وقعت سرورِ کائنات کی نگاہ میں تھی اور آپ جو اِس قدر محبت فرماتے تھے اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ سچ مچ کی رسول زادی تھیں صبر و شکر عفو و تحمل ان کو ماں سے اور ایثار و رحم و جود و سخا باپ سے چنانچہ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ فاطمہ جس طرح بہترین عورت تھی۔ اسی طرح بہترین بیوی۔ اور گھر والی گو اس کے گھر میں قاقم و سنجاف نہ تھے مگر انگنائی اور دیواریں ستھری صاف، کچھ شک نہیں کہ اگر اس کی لکھی سونے اور چاندی کی نہ تھی لیکن گرد و غبار سے پاک اور خاک مٹی سے محفوظ ہمارا اچھوتا نتھا معمولی چھپڑے کا گھر صاف اور ستھرا۔ مجھے یاد نہیں کہ فاطمہ نے کبھی میری خواہش کے خلاف کوئی کام کیا ہو، اس کی دلی خواہش اور کوشش مجھ کو خوش اور رضا مند رکھنا تھا وہ نماز فجر کے بعد اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھی اور گھر میں جھاڑو دیتی تھیں اُس کو متواتر فاقے جھیلنے پڑتے تھے لیکن شکایت زبان پر نہ آتی۔ ایثار کی یہ کیفیت تھی کہ

ایک موقعہ پر قبیلہ بنی سلیم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر
ہوا اور نہایت تلخ گفتگو کی۔ آنحضرت نے اس کا جواب اس قدر نرمی سے دیا کہ
وہی شخص جو کاہن اور جادوگر بنا رہا تھا اس نے تصدیق نبوت کی۔ اسلام قبول
کر چکا تو سرور کائناتؐ نے فرمایا تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ اس نے عرض کیا
قبیلہ بنی سلیم میں مجھ سے زیادہ مفلس کوئی شخص نہیں ہے۔ حضور اکرمؐ نے اپنی جماعت
سے فرمایا تم میں کون شخص ایسا ہے جو اس کو ایک اونٹ دے۔ سعد بن
عبادہ اٹھے اور عرض کیا میرے پاس ایک اونٹنی ہے وہ میں اس کو دیتا
ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا "مسلمانو تمہارے ایک بھائی کا سر ننگا ہے
کون ہے جو اس کا سر ڈھانک دے" حضرت علیؓ نے یہ سن کر اپنا عمامہ اس کے سر پر
رکھ دیا۔ اب رسالت مآبؐ نے فرمایا ہے کوئی اللہ کا بندہ جو اس کا پیٹ بھر دے
یہ سن کر سلمان اٹھے اور اس کو ساتھ لے کر باہر نکلے چاروں طرف پھرے مگر کھانا کہیں
موجود نہ تھا دفعتہً جناب سیدہ کا خیال آیا اس کو ہمراہ لے کر دروازہ کھٹکھٹایا اور مفصل
کیفیت بیان کی سیدہ کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور فرمایا "سلمان قسم ہے اس خدائے
بہتر و برتر کی جو کون و مکان کا خالق ہے، کہ میرے پاس آج تیسرا روز ہے کہ رزق کی
قسم سے کوئی چیز نہیں مگر ایک مسلمان جو بھوکا پیغمبر زادی کے گھر پر آیا بھوکا نہیں جا سکتا
میری چادر لے اور شمعون یہودی سے کہہ کہ فاطمہؓ محمد (صلعم) کی بیٹی کی یہ ردا رکھ کر اس
کو جنس دے دے" سلمان پر اس واقعہ سے ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی انہوں نے
چادر کو بوسہ دیا اور روتے ہوئے شمعون کے پاس چلے اعرابی ساتھ تھا اور جناب سیدہ
کے ایثار و کرم پر دل ہی دل میں عش عش کر رہا تھا، کہ سلمان نے شمعون کو چادر دی
اور بی بی فاطمہ کا پیام پہونچا دیا۔

یہودی نے چادر کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور واقعہ پر غور کرنے لگا، دفعتہً اس کی

حالت گزری اور کہا سلمان بی بی فاطمہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں' اے سلمان یہ وہ لوگ ہیں جن کی خبر ہمارے پیغمبر نے توریت میں دے دی ہے میں پہلے جناب سیدہ کے ایثار و کرم کی تصدیق کرتا ہوں' حقیقتاً وہ بنت الرسول ہے اور اس کے بعد اس کے باپ پر ایمان لاتا ہوں لے یہ اناج لے اور جا۔

سلمان اور اعرابی سیدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اناج پیسا اور آٹا گوندھ کر روٹی پکائی تو سلمانؓ نے کہا اس میں سے دو روٹیاں بچوں کے لئے لیجیے سلمان کی اس تجویز پر سیدہ مسکرائیں اور فرمایا یہ میرا مال نہیں ہے۔ خدا کی راہ پر دے چکی سلمان اعرابی کو ساتھ لے روٹی سمیت سرور کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب اعرابی کھانا کھا چکا تو حضور اکرمؐ نے دعا فرمائی اور کہا "الہی فاطمہ تیری لونڈی ہے اس سے راضی رہیو"

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے۔ یہ جابر بن عبداللہ انصاری کا بیان ہے کہ ہم نے حضور اکرم کے ساتھ نماز عصر پڑھی' نماز کے بعد سب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بڈھا شخص جس کی مفلسی اس کے لباس سے اور پریشانی اس کی چال ڈھال سے ٹپک رہی تھی داخل ہوا اور لڑکھڑاتے ہوئے رک رک کر کہا اے پیغمبر اسلام میں بڈھا ہوں فقیر ہوں، بیمار اور کل سے بھوکا ہوں، سن اور میری مشکل کا خاتمہ کر۔ بھوکا ہوں پیٹ بھر ننگا ہوں بدن ڈھانک' محتاج ہوں خرچ دے' آنحضرتؐ نے اس کو بلایا اور پاس بٹھا کر فرمایا میرے پاس اس وقت کچھ موجود نہیں ہے۔ مگر میں تجھ کو ایک ایسے شخص کے پاس بھیجتا ہوں۔ جو خدا کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور یہ فرما کر بلالؓ سے کہا اس سائل کو فاطمہ کے پاس لے جاؤ۔ بلالؓ سائل کو لے کر سیدہ پر آئے اور اس کی کیفیت بیان کی جناب سیدہ نے فرمایا۔ ہمارے ہاں اللہ کا نام ہے مگر سائل نے خدا کا واسطہ دیا ہے اس۔ لئے خالی ہاتھ نہ بھیجوں گی بیٹھے کی ایک کھال

جس پر بچے سوتے ہیں موجود ہے۔ یہ فرما کر کھال لائیں اور سائل کو دیکر فرمایا جس کا واسطہ دے رہا ہے وہی خوب جانتا ہے کہ پیغمبر زادی کے گھر میں دینے کے واسطے اس کے سوا کچھ نہیں۔ اس کو بیچ کر اپنی ضرورت پوری کر۔ سائل نے کہا "میں بھوک کی شکایت کر رہا ہوں اس کے بیچنے میں بہت دقت ہوگی اور اگر بیچ بھی لوں تو تمام ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں۔ سائل کا فقرہ ختم ہوتے ہی سیدہ کو خیال آیا۔ اور کہا مجھے خیال نہیں رہا" یہ لے" اتنا کہہ کر اپنے گلے سے ایک کنٹھی اتار دی۔ یہ وہ کنٹھی تھی جو کہ آج ہی حمزہ بن عبدالمطلب کی بیٹی نے بھیجی تھی اور اُتار کر کہا "لے اس سے تیری تمام شکایتیں رفع ہوگی۔ سائل خوش خوش چلا کنٹھی بیچی اور کھانا کھا کر مسجد میں آیا حضور اکرم خاموش تشریف فرما تھے۔ عرض کیا کہ درحقیقت فاطمہ رضہ خدا کو خوب سمجھتی ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا "فاطمہ رضہ کے واسطے دعا کر۔ سائل نے ہاتھ اٹھائے اور کہا اے اللہ جس طرح محمدؐ (صلعم) کی بیٹی نے مجھ پر رحم کھایا تو قیامت میں اس پر رحم کیجیو"۔

جناب سیدہ کی خصوصیات میں یہ بات سب سے زیادہ قابل ذکر ہے کہ ان کی عبادت میں جو بعض اوقات رات رات بھر ہوتی تھی، انہوں نے دنیوی زندگی کے واسطے کبھی دعا نہ کی۔ بارہا یہ ہُوا ہے کہ عشاء کے بعد سے صبح تک وہ عبادت الٰہی میں مصروف رہیں اور دعا کے وقت ان کے دلی جذبات صرف شوہر اور بچوں یا عامۃ المسلمین کی ذات پر ختم ہوگئے۔ چنانچہ حضرت علی رضہ کا بیان ہے کہ جو بات فاطمہ رضہ کے سوا میں نے دوسری عورتوں میں بہت کم دیکھی وہ یہ تھی کہ اس نے کسی حال میں اور کسی وقت میرے حقوق کی ادائیگی میں ذرہ بھر فرق نہ آنے دیا۔ تیمم کے احکام بھی نازل نہ ہوئے تھے کہ انہوں نے بیماری میں غسل کیا اور نماز کے واسطے تیار ہوئیں۔ میں نے اس موقعہ پر ان کو روکنا چاہا اور کہا اگر تم نے زیادہ محنت کی تو اندیشہ ہے کہ مرض ترقی نہ کر جائے تم نے باوجود طبیعت خراب ہونے کے دن بھر چکی پیستی ہے" انہوں نے مسکرا کر جواب دیا گھر کا کام اور خدا کی

عیادت دونوں باتیں مرض کا علاج ہیں۔ ان سے بجائے فائدہ کے نقصان نہیں ہو سکتا۔

جنابِ سیّدہ کی مشابہت باپ سے

سیر کی قریب قریب تمام کتابیں بتا رہی ہیں کہ جناب سیّدہ عادات و خصائل کے اعتبار سے طبیعت و مزاج کے اعتبار سے رفتار و گفتار کے اعتبار سے، صبر و تحمل کے اعتبار سے، رحم و کرم کے اعتبار سے دوسرا باپ تھیں اور اس کے سوا کہ پیغمبر نہ تھیں، بہت ہی کم فرق تھا۔ سرورِ کائنات بی بی فاطمہؓ کا انتہائی لحاظ فرماتے تھے اور ان کی بات کو بہت کم ٹالتے تھے اور جب مجبور ہو جاتے تھے اور رائے میں اختلاف ہوتا تھا تو اس بات کا خصوصیت سے لحاظ فرماتے تھے کہ بی بی سیّدہ ناخوش نہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایک موقعہ پر اُمہات المومنین میں اختلاف ہوا اور متفقہ کوشش کی گئی کہ کسی طرح معاملہ رفع دفع ہو جائے۔ مگر کامیابی نہ ہو سکی معاملہ رسالت مآب سے متعلق تھا اس لئے سب بیویوں نے فیصلہ کیا کہ ام المومنین بی بی سلمہ حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سب بیبیوں کی طرف سے عرض کریں۔ چنانچہ بی بی سلمہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئیں اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ جناب سیّدہ کو تکلیف دی جائے کیونکہ سب جانتے تھے کہ ان کی بات ٹل نہیں سکتی ادھر حضور اکرمؐ جو فیصلہ فرما چکے تھے وہ اُمہات المومنین کے موافق نہ تھا جس وقت بی بی فاطمہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں تو حضور نے فرمایا "فاطمہ جس چیز کو میں عزیز سمجھتا ہوں کیا وہ تجھ کو عزیز نہیں" بی بی فاطمہ نے فرمایا "کیوں نہیں جو آپ کو عزیز ہے وہ مجھ کو بھی عزیز ہے" جب جناب سیّدہ یہ فرما چکیں تو رسالت مآب نے اپنا خیال ظاہر فرما دیا اور اس طرح جناب سیّدہ کا اطمینان ہو گیا۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جناب سیّدہ کی تجویز یا درخواست کو حضور اکرمؐ نے اس وقت تک رد نہ فرمایا جب تک اپنی رائے سے متفق نہ فرما لیا۔ ان کے اتفاق

کر لینے کے بعد اپنا خیال ظاہر فرمایا۔

اس قسم کے کئی مواقع پیش آئے ہیں کہ جناب سیّدہ کی رائے سے سرورِ کائنات متفق نہ ہو سکے مگر اُن کی دل شکنی کا اس قدر لحاظ تھا کہ اُن کو مطمئن کئے بغیر کبھی اختلاف نہ فرمایا۔

اُمّ المومنین بی بی خدیجہؓ کے بعد کئی عورتوں نے جناب سیّدہ کی تربیت میں حصّہ لیا اور رسول اللہ صلعم کا ہاتھ بٹایا اور گو حضور اکرمؐ کو خدمات و اشاعت اسلام سے بہت ہی کم فرصت ملتی تھی مگر جناب سیّدہ کی محبت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جس قدر وقت ملتا تھا۔ وہ جناب سیّدہ کی تربیت میں صرف فرماتے۔ ظاہر ہے کہ حضور اکرمؐ کی صحبت و تربیت کی پلی ہوئی بچی نزول وحی کے سوا کہ وہ اختیاری نہ تھی مزاج کی دوسری رسول ہو گئی۔

حضرت علیؓ

سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس وقت اسلام کی تلقین شروع فرمائی اُس وقت آپ کے چچا زاد بھائی علی ابن ابی طالبؓ کی عمر دس سال کی تھی اور آپ کو رسول اکرمؐ سے اس درجہ عشق تھا کہ جب آپ نے آلِ غالب سے فرمایا کہ تم میں سے کون خدا کی راہ میں میری مدد کر سکتا ہے تو سیکڑوں آدمیوں میں جس نے اس صدا پر لبیک کی وہ یہی دس سال کا بچہ تھا اور کسی کو نہ معلوم تھا کہ خدا کا شیر اپنے بھائی کے ساتھ دنیا کو زیر و زبر کرنے میں پورا مددگار ہوگا۔ جب رسول اکرمؐ دشمنوں سے تنگ آ کر گھر سے تشریف لے جائیں گے جب اعدا کی پوری جماعت تلواریں ہاتھوں میں لئے خونِ رسالت کی پیاسی گھر سے باہر جمع ہوگی اس وقت یہی بچہ جس کے عہد پر فرشتے بھی متحیر ہیں رسول خدا پر قربان ہونے کو تیار ہوگا اور جو کچھ آج زبان سے کہہ رہا ہے وہ کر کے بھی دکھا دے گا اور منافق و ظالم جب بسترِ رسولؐ

پر قتل کے واسطے آئیں گے تو دیکھ کر اپنا منہ پیٹ لیں گے کہ جس سر کو تن سے جدا کرتے ہیں ۔ وہ عبداللہ کا لخت جگر نہیں ابوطالب کا ہے۔

حضرت علیؑ نے ایک دو مرتبہ نہیں کئی دفعہ سرور کائنات پر قربان ہونے کی کوشش کی اور اپنے الفاظ کو سچا کر دکھا دیا۔ شجاعت صداقت ۔ کرم ایثار خلوص و محبت فطرت نے کوٹ کوٹ کر ان کی ذات میں ودیعت کئے تھے رسول اکرم صلعم کی محبت اور مذہب مقدس کی الفت سونے پر سہاگہ ہو گئی جس نے چمنستان اسلام کے اس شاداب پھول کو سدا بہار بنا دیا۔ یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ فیصلہ خداوندی تھا یا تصفیہ رسالت مگر عقل سلیم اس کے تسلیم کرنے میں متامل نہیں ہو سکتی کہ بی بی فاطمہ کے واسطے ایک ایسے ہی شوہر کی ضرورت تھی جس میں خدا نے فضائل انسانی اپنے ہاتھ سے رکھے ہوں۔ ایک طرف تو حضرت علی کی ہمت وجرات کا ڈنکا تمام عرب میں بج رہا تھا اور دوسری طرف ان کے رحم وانصاف کے گیت بچہ بچہ کی زبان پر تھے۔

میدان جنگ میں جب شجاعان اسلام عاجز آجاتے تھے ۔ دشمن غالب ہونے کے قریب پہونچتے تھے تو سرور کائنات حضرت علی کو مقابلہ کا حکم دیتے تھے سنگین سے سنگین معرکہ میں بھی جب مسلمان پریشان ہو گئے ہیں اور رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کو روانہ کیا ہے تو فتح کا سہرا حضرت علی کے سر رہا ہے۔

غزوہ بدر میں جب فریقین تیار ہو گئے اور لڑائی شروع ہو گئی تو مشرکین و منافقین کا سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ سامنے آیا۔ یہ مشہور جری تھا اور اس کی شجاعت کا سب لوہا مانتے تھے اس نے اسلام کے کئی بہادروں کو جام شہادت پلا کر آواز بلند سرور عالم سے کہا کہ میری تلوار اب قریش کے خون کی پیاسی ہے کوئی میرا ہمسر لشکر اسلام میں موجود ہو تو مقابلہ کے لئے بھیجو۔ اس گستاخانہ فقرہ سے

مسلمان برافروختہ ہوئے اور رسالت مآب نے حضرت حمزہ کو حکم دیا کہ میدان
میں جا کر عتبہ بن ربیعہ کا مقابلہ کریں [illegible] شیر خدا [illegible] کا مقابلہ [illegible]
کیا کرتا شجاعت حیدر پر گھمنڈ کر [illegible]
نے لڑائی کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں کیا۔

جو شخص جرأت و ہمت کے لحاظ سے تمام عرب میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا جس
کی طاقت نے فطرت انسانی کو متحیر کر دیا تھا اس کے ایثار و کرم کی کیفیت یہ تھی
کہ سرور دو عالم کی ہجرت کے بعد حسب دستور کہیں ایک رات ان دونوں
میاں بیوی اور بچوں پر فاقہ کی گذری نماز فجر سے فراغت پا کر خدا کا شیر تلاش معاش
میں باہر نکلا۔ چاروں طرف نظر دوڑائی مگر کوئی ذریعہ یا جگہ میسر نہ آئی رات کا بڑا
حصہ اسی ادھیڑ بن میں بسر ہوا۔ اپنا خیال مطلق نہ تھا۔ مگر معصوم بچوں کی بھوک
پر کلیجہ کٹ رہا تھا۔ بازار کے متواتر پھیرے کئے لیکن کام نہ ملا۔ اور آفتاب کی
روشنی جھلملانی شروع ہوئی۔ اب امیر علیہ السلام کو یقین تھا کہ کل کی طرح آج
کی رات بھی پھول سے لالوں پر صاف گذری اور بنت اکرم رسول پر فاقہ رہا۔ اتفاق
محض سے جب نماز مغرب کے بعد شام کی تاریکی پردہ دنیا پر چھا رہی تھی اور
رات فاقہ زدہ سیدانی اور اس کے لالوں پر سیاہ آنسو گرا رہی تھی کہ ایک تاجر
اپنا سامان لے کر پہنچا اور جن مبارک ہاتھوں نے خیبر کا دروازہ چشم زدن
میں اکھاڑ کر پھینک دیا تھا اور جن کو بوسہ دینا کائنات فلکی کا فخر تھا
وہ اسباب ڈھونے میں مصروف ہو گئے۔ دنیا کی آنکھیں اس سے زیادہ تیرہ و تار
سماں مشکل دیکھیں گی کہ علی ابن طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
داماد فاطمہ کا شوہر حسنین کا باپ اور خدا کا شیر بیوی بچوں کا پیٹ بھرنے
کے واسطے ان کندھوں پر جو حسن حسین کا جھولا تھیں بھاری بھاری اسباب ڈھو رہا ہے

چہرہ خاک آلودہ ہے اور لباس گرد میں اٹ رہا ہے۔ رات کے ابتدائی حصہ نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یہ کیفیت دیکھی اور آسمان اس ایک درم پر جو شیر خدا کے ہاتھ میں رکھا گیا پھوٹ پھوٹ کر رو دیا اور انسانیت کی اس مجسم و مکمل تصویر نے بچوں کا پیٹ بھرنے کی فکر میں جلدی جلدی قدم بڑھائے۔ مدینہ کی گلیاں ان مبارک قدموں کو ذوق و شوق میں بوسے دے رہی تھیں کہ سامنے سے ایک بڑھیا جس کے قدرتی کا انحطاط حیات انسانی کی تفسیر کر رہا تھا۔ لکڑی ٹیکتی ہوئی سامنے آئی اور صورت دیکھ کر آواز بلند کہا۔

علی! میں اور میرا بڈھا بیمار شوہر تین وقت سے بھوکے ہیں۔ خدا کا واسطہ ہمارا پیٹ بھر دے۔"

بڑھیا کے الفاظ زنجیر بن کر امیر علیہ السلام کے پاؤں میں پڑے۔ مقابلہ پورا تھا تین ہی وقت کا فاقہ سیدہؑ اور سیدہؑ کے بچوں پر تھا فطرت انسانی کا تقاضا کچھ اور تھا۔ مگر بڑھیا کی صدا نے جس میں خدا کا نام شامل تھا اس قلب کو جو عبادت الٰہی کے وقت گرم پانی کی طرح جوش کھاتا تھا مسموم کر دیا۔ درم بڑھیا کے حوالہ کیا اور فرمایا "خدا تجھ اور مجھ پر رحم کرے"۔

اب یہ کہنے میں تامل نہیں ہو سکتا کہ سیدہؑ کا جیسی ماں کی گود اور امیر جیسے باپ کی آغوش سے جو بچے پیدا ہوئے ہوں گے ان کی طبیعتیں کیسے کیسے انسانی جواہرات سے مالا مال ہوں گی اور مال و منال کے بجائے ان کو ورثہ میں ماں باپ سے کس قسم کی فضائل و خصائل ہاتھ آئی ہوں گی۔

حسنین علیہم السلام کی پیدائش

حضور اکرمؐ کی ہجرت کو ڈھائی سال ہو چکے تھے اسلام ابتدائی حالت

سے آگے بڑھ چکا تھا مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور ان ترقی
کے ساتھ ہی رسول اللہ اور خاندانِ رسالت کی ذاتی تکالیف بھی زیادہ ہو رہی تھیں جب
بی بی فاطمہؓ کے گھر پر افلاس نے ڈیرے ڈال دیئے تھے کہ ۳ ہجری کو
رمضان المبارک کا مہینہ اور روزہ اپنے ساتھ ایک نعمت غیر مترقبہ لایا صبح صادق کے
وقت مدینہ میں اس خبر نے کہ بی بی فاطمہؓ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ گھر گھر
خوشی کے سامان پیدا کر دیئے۔ یہ اُن ماں باپ کا بچہ تھا جن سے رسول خدا کو
کو غایت درجہ محبت تھی اس لئے جس قدر تعلق اس بچے سے سرور عالم کو ہوتا کم تھا
آپ نے صورت دیکھ کر فرطِ محبت سے بوسہ دیا گود میں لیا اور حسنؓ نام رکھا۔
ایک سال بعد ۴ ہجری میں جناب سیدہ کے ہاں دوسرا بچہ پیدا ہوا جس کا نام
حضور اکرمؐ نے حسینؑ رکھا اور ان دونوں بچوں کو سرور کائنات نے اپنے بچوں
کی طرح پالا اور تربیت فرمائی۔

اسماء بنت عمیس جو دایۂ سیدہ کے وقت میکے سے ساتھ آئی تھیں بچوں
کی پرورش میں مدد دے رہی تھیں ان بچوں کی تربیت مقدس ماں نے زیادہ تر کلام اللہ
سے کی۔ وہ بچوں کو لوری بھی دیتی تھیں تو آیات ربانی سے خفا ہوتی تھیں تو ان ہی سے
اور سمجھاتی تو ان ہی سے، چنانچہ ایک موقع پر جب دونوں بچوں میں کسی بات پر جھگڑا
ہوا ماں نے پاس بٹھا کر لڑائی جھگڑے اور فتنہ وفساد کی آیات اس خوبی سے
پڑھیں اور درد سے سمجھائیں کہ دونوں اصل بات کو بھول کر خدا کے خوف سے
رونے لگے اور وعدہ کیا کہ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہ کریں گے۔ بی بی زینب
صلوٰۃ اللہ علیہا جو میدان کربلا میں سید الشہداءؑ کے ہمراہ تھیں اور جنھوں نے
اپنے دو بچے عون ومحمد بھائی پر قربان کئے، بی بی فاطمہؓ کی پانچویں صاحبزادی ہیں
اور گو عمر میں خاصی چھوٹی تھیں مگر چھوٹے بھائی سے ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ

کسی وقت بھی ان کے پاس سے جدا نہ ہوتیں اور کھیل کود میں بھی زیادہ تر ان ہی کے پاس وقت گذارتیں۔

ماں کے فیض صحبت اور باپ کے اثر تربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلام الٰہی ان بچوں کی نوک زبان تھا۔ اور چونکہ ماں اور باپ دونوں عامل تھے۔ اس واسطے بچے بھی اٹھتے بیٹھتے ہر فعل کو اسی دائرہ میں محدود رکھتے۔ بچوں کی پیدائش کے بعد سرور عالم باوجود امہات المومنین کی موجودگی کے اکثر وقت بی بی سیدہؓ کے ہاں بسر فرماتے بچوں کو بھی اس قدر تعلق ہوگیا تھا کہ وہ بھی گھر میں بہت کم رہتے اور مسجد نبوی میں حضور اکرم ہی کے پاس کھیلتے کئی دفعہ یہاں تک ہوا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں اور سجدہ میں ہیں کہ حسنؓ یا حسینؓ پشت پر سوار ہوگئے یہ بھی عجیب لطف ہوتا تھا کہ دونوں جہان کا بادشاہ سجدہ میں ہے شہزادے گھوڑا بنائے پشت پر سوار ہیں اور رسالت مآب بچوں کی دلشکنی کے خیال سے سر نہیں اٹھاتے۔

حضور اکرم کی رحلت

بنو امیہ اور بنو ہاشم کے باہمی تنازعات بدستور تھے۔ اور گو اسلام ہر اعتبار سے ترقی کر رہا تھا مگر دلی کدورتیں کسی طرح ختم نہ ہوتی تھیں، یہاں تک کہ سرور عالم کی رحلت کا وقت آگیا۔ جب طبیعت زیادہ بگڑی تو آپ نے فرمایا کاغذ قلم دوات لاؤ کہ میں کچھ لکھوا دوں۔ تاکہ میرے بعد تم لوگوں میں کوئی جھگڑا نہ ہو۔

حضرت عمرؓ نے جو بعد میں خلیفہ دوم ہوئے رسول اللہ کے یہ الفاظ سن کر کہا کہ اس وقت سرور کائنات ﷺ کا مزاج صحیح نہیں اس لئے تکلیف دینے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ خدا کی کتاب ہمارے واسطے کافی ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور رسالت

آپ صلعم جو کچھ لکھوانا چاہتے تھے وہ نہ لکھا گیا۔

اسی جگہ سے مسلمانوں میں دو فریق ہو گئے۔ ایک سُنّی اور دوسرا شیعہ عداوت رنجش باہمی کدورت تو پہلے ہی سے موجود تھی اس واقعہ نے ایک نیا اختلاف پیدا کر دیا بعض کا خیال تھا کہ سرورِ عالم حضرت علیؓ کے حق میں وصیت فرماتے اور خلافت کا فیصلہ ان ہی کے حق میں ہوتا بعض کا خیال تھا کہ ایسا نہ ہوتا اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کہا درست کہا۔

اس وقت رسول اللہ صلعم کے چچا حضرت عباس نے حضرت علیؓ کو خصوصیت سے اس طرف متوجہ کیا اور صلاح دی کہ وہ آنحضرت سے خلافت کے مسئلہ کو طے کریں اور دریافت کریں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا اور یہ منصب کس کو ملنا چاہیئے۔ مگر انہوں نے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ مجھ کو اپنے خاندان کا حال معلوم ہے۔ اور موت کے وقت جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یہ سوال کس منہ سے اور کس دل سے کروں جو خدا کو منظور ہوگا وہ ہوگا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال نہیں کر سکتا،

حضور اکرم کی طبیعت اور زیادہ بگڑی تو آپ نے اُمّ المومنین بی بی عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکر صدیقؓ سے کہو کہ وہ میری جگہ امامت کریں، اور نماز پڑھائیں اُمّ المومنین نے جواب میں کہا کہ میرے باپ بہت رقیق القلب آدمی ہیں وہ ضبط نہ کر سکیں گے اور آپ کی جگہ خالی دیکھ کر ان کا دل بھر آئے گا۔

اختلاف کا ایک قصہ یہاں بھی پیدا ہو رہا ہے بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ اُم المومنین کا یہ جواب دل سے نہ تھا۔ ان کا مقصد اس حکم کو یہ کہہ کر مضبوط کرنا اور اپنے باپ کی محبت کو جھلکانا تھا۔ اُم المومنین نے یہ بھی کہا کہ آپ امامت کے

واسطے کسی اور شخص کو مقرر کیجئے۔ مگر سرور عالم نے بار بار اسی پر اصرار فرمایا اور
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے پر مجبور ہوئے چنانچہ پانچ وقت
حضرت ابوبکر نے نماز پڑھائی مگر جب وہ آخری مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے تو رسول صلعم
حضرت علیؓ کے سہارے سے مسجد میں تشریف لائے نمازیوں نے جب حضور اکرم کی
آواز سنی تو کھنکارنے لگے کہ ابوبکر صدیق پیچھے ہٹ جائیں اور حضور رسالت مآب
امامت کریں لیکن حضور نے آگے بڑھ کر ان کی پشت پر ہاتھ رکھا کہ وہ ہٹنے نہ پائیں
اور بدستور امامت میں مصروف رہیں۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس وقت ام المومنین نے اپنی رائے پر اصرار کیا
اور فرمایا کہ میرے باپ نماز پڑھا سکیں گے تو سرور عالم کے چہرہ پر شکن پڑ گئی۔
بہرحال یہ وہ نماز تھی جس میں حضرت ابوبکر نے امامت کی اور رسول اللہ صلعم نے ان
کے پیچھے نماز پڑھی اور داہنے ہاتھ پر کھڑے ہوئے بخار تیز تھا کھڑے نہ رہ سکے
اس لئے نماز بیٹھ کر ادا فرمائی۔ جماعت کے ساتھ رسالت مآب کی یہ آخری نماز
تھی اس کے بعد باہر تشریف نہ لا سکے۔"

بیماری میں اہل بیت نے ہر ممکن خدمت کی جناب سیدہؑ حضرت علی اور
حسنین علیہم السلام ہر وقت خدمت اقدس میں حاضر تھے حضور کی زبان مبارک سے
اللھم رفیق الاعلیٰ نکل رہا تھا۔ اب بی بی سیدہؑ کو یقین کامل ہو گیا کہ باپ کی
مفارقت کا وقت آن پہنچا۔ اس یقین نے باپ کی رحلت کے ساتھ ماں کی موت
بھی یاد دلا دی مگر اس خیال سے کہ حضور اکرمؐ ملاحظہ نہ فرمائیں علیحدہ جاکر خاموشی سے
روئیں۔ اور آنسو پوچھ کر سامنے تشریف لائیں حضرت علیؓ کا بھی یہی حال اور بچوں
کی بھی یہی کیفیت تھی مگر سرور عالمؐ کی حالت چونکہ لحظہ بہ لحظہ بگڑ رہی تھی اس لئے
سب سمجھ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند گھڑیوں کے جہان میں بی بی

فاطمہؓ کی حالت بہت ہی نازک ہو رہی تھی۔ ماں کی موت اور سر لو زندہ ہو گئی۔ وہ
رہ رہ کر اٹھتی تھیں باپ کے مبارک قدموں سے آنکھیں ملتی تھیں اور روتی تھیں
جب حالت زیادہ خراب ہو جاتی اور ہچکی بندھ جاتی تو دور چلی جاتیں اور کھڑی ہو کر
دیکھتیں اور سوچتیں کہ باپ کی صورت تھوڑی دیر بعد آنکھ سے اوجھل ہو گی اور خدا
کا رسول دنیا سے رخصت ہو گا۔ دنیا آج مجھ بن ماں کی بچی کو باپ کے سایہ سے
محروم کرتی ہے اور وہ باپ جو میرا اور میرے بچوں کا عاشق زار تھا ہمیشہ کو مجھ
سے چھٹتا ہے۔ زندگی موت کی پناہ میں میرے باپ کو مجھ سے چھینتی ہے اور میرا
حقیقی وارث مجھ سے جدا ہوتا ہے جس باپ نے ماں کے بعد ماں اور باپ دونوں
کے فرائض ادا کئے جس نے ماں کی طرح پال پوس کر جوان کیا یہ اس کی وداع کا
وقت ہے۔ جب دماغ اس قسم کے خیالات کو جمع کرتا اور دل صدا دیتا آج ماتا کے
دروازہ بند ہوتے ہیں اور جن آنکھوں سے محبت کے چشمے پھوٹتے تھے اور جو
دل ہی دل میں باغ باغ ہوتی تھیں اب ابدی نیند سوئیں گی اور باپ کا سایہ ہمیشہ
سے اٹھتا ہے۔ خدا کی وحی میرے گھر سے وداع ہوتی ہے۔ میرے بچے نانا کی شفقت
سے محروم ہوتے ہیں تو۔ بیتاب ہو کر دوڑ کر لپٹ جاتیں۔ مقدس ہاتھ آنکھوں سے
لگاتیں۔ گردن میں ہاتھ ڈال کر چمٹتیں اور بھینچ بھینچ کر رہ جاتیں۔ مگر پھر خیال آتا کہ
اس اضطراب سے رسول اللہ صلعم آگاہ نہ ہو جائیں تو چھوڑ کر دور کھڑی ہوتیں۔
دیکھتیں۔ روتیں۔ بلبلاتیں اور پھر آ کر چمٹ جاتیں۔ بخار بہت تیز تھا اور اس قدر
تیز کہ ہاتھ آسانی سے نہ رکھا جاتا تھا۔ اس حالت میں جب سیدۃ نساء اقدس
سے لپٹی ہوئی تھیں سرور عالم نے آنکھ کھولی۔ بات نہ کی مگر ہاتھ بچی کے سر پر
رکھ کر خاموش ہو گئے اور آنکھیں بند کر لیں شفقت پدری کے اس جوش نے
جناب سیدہ کو اور بھی بےچین کر دیا انہوں نے ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگائے منہ پر

چہرے اور ہونٹوں پر رکھ لیے۔

جب حالت اور زیادہ نازک ہوئی تو دونوں بچوں کو گلے سے لگا کر کہا کہ حسنین
تم سے میرا باپ جدا ہوتا ہے۔ پیارے بچو! آج تمہاری ماں یتیم ہوتی ہے اور
شفیق باپ کا سایہ اس کے سر سے اُٹھتا ہے نانا کا پسینہ گرا دو نانا کی صورت آج دل
بھر کر دیکھ لو اب یہ مبارک چہرہ نظر آنے والا نہیں۔ تم دیکھ لو کہ میں خُدا کے
رسول کو دنیا سے اس طرح وداع کر رہی ہوں کہ گھر میں جلانے کا تیل میسر نہیں
دین و دنیا کے بادشاہ میرے مقدس باپ کی رُوح اندھیرے گھر میں رخصت
ہو رہی ہے حسنین بابا کو دُنیا سے رخصت کرنے میں میرا ہاتھ بٹاؤ اور ماں کی مصیبت
میں شریک ہو، ان ہاتھوں کو بوسے دو۔ ان قدموں سے آنکھیں ملو اور یاد رکھو
کہ آج وہ پہاڑ ٹوٹتا ہے اور وہ باپ چھوٹتا ہے جس کو عمر بھر روؤ گے۔

جناب سیدہ کی تقریر سے باوجودیکہ شیر خدا ضبط سے کام لے رہے
تھے اس قدر متاثر ہوئے کہ آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے بچوں کا ہاتھ پکڑ کر کہا
فاطمہ میرے بچے تیرے اور تیرے باپ کے غلام ہیں۔ یہ اور ان کے ساتھ
ہیں اگر اختیار میں ہوتا تو رسول اللہ صلعم پر قربان ہو جاتے۔

اس گفتگو سے حضور اکرم صلعم کی آنکھ کھلی تو ملاحظہ فرمایا کہ سیدہ مچھلی کی طرح
تڑپ رہی ہیں۔ اشارہ سے پاس بلایا اور کلیجہ سے لگا کر فرمایا۔ فاطمہ اہل بیت
میں سب سے پہلے مجھ سے تم ہی ملو گی۔ اس ارشاد سے کچھ تسکین ہوئی۔ مگر اس کے
بعد سردار دو جہاں پر آثار سکرات نمودار ہوئے تو بے اختیار ہو کر اٹھیں۔ گلے
میں ہاتھ ڈال کر رخ انور کو بوسہ دیا لیکن اب وہ دماغ جس نے ایک اشارہ میں
عرب کی کایا پلٹ دی۔ بچی کا اضطراب بھی محسوس نہ کر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ مبارک
روح نے عالم بالا کو پرواز کیا۔

اس وقت یوں تو ہر مسلمان متفکر و پریشان تھا مگر سیدہ کی حالت بیان نہیں کی جا سکتی تھی۔ معصوم بچے جسد خاکی کے قدموں میں لپٹے ہوئے تھے اور حضرت علی لپٹ لپٹ کر رو رہے تھے۔ جناب سیدہ الگ بیٹھی دیکھ رہی تھیں جب مفارقت ابدی کا خیال آتا تو دوڑ کر لپٹ جاتیں۔ اس وقت حضرت علی نے جناب سیدہ کو سمجھایا اور تلقین کی تو بی بی فاطمہ نے حضرت علیؓ سے کہا۔

علیؓ سمجھ رہی ہوں جو کہہ رہے ہو اور جانتی ہوں جو سمجھا رہے ہو مگر دل کی کیفیت زبان پر نہیں آسکتی۔ یہ رحلت رسولؐ ہی کی نہیں میرے ماں اور باپ دونوں کی مفارقت ابدی کا وقت ہے آج وہ باپ دنیا سے اٹھ رہا ہے جس کی شفقت میں انتہا شامل تھی جس کی آغوش محبت ہر وقت فاطمہ کے واسطے کھلی ہوئی تھی وہ باپ چھوٹ رہا ہے جو میری صورت کا پروانہ تھا کس کس محبت اور احسان کو یاد کروں۔ میرے سر سے اور گھر سے وہ سایہ اٹھتا اور رحمت ختم ہوتی ہے جس نے مجھ کو پھول کی طرح پالا اور موتی کی طرح رکھا۔ دنیا اور دنیا کے بسنے والے اس سے زیادہ نازک وقت نہ دیکھیں گے جس کے قدموں میں تاج شاہی گر رہے تھے جو فقیروں کو بادشاہ بنا گیا جس نے عرب کی متمول ترین عورت میری ماں خدیجۃ الکبریٰ کی تمام دولت خدا کی راہ میں لٹا دی وہ آج دنیا سے اس طرح رخصت ہو رہا ہے کہ ہم سب پر دو روز سے فاقہ ہے اور میرے دونوں لال بھوکے پیاسے میرے باپ کو رخصت کر رہے ہیں۔ میرا باپ اس دنیا میں چند روز کا مہمان تھا۔ مگر دنیا نے اس کی مہمان نوازی کس طرح کی اس لئے قریش کے ساتھ کیا کیا اور قریش نے کیا جواب دیا اس کا فیصلہ خود ان کے ایمان کریں گے۔ یہ گردہ جو اس وقت موجود ہے شاہد ہے کہ ہمارا گھر جس سے رحمت و برکت کے سمندر جاری

ہوئے جس نے فقیروں کے پیٹ بھرے اور ننگوں کے بدن ڈھانکے کبھی دو وقت بھی ہمارا پیٹ نہ بھر سکا۔ میرے باپ نے دشمنوں کے ہاتھ سے جو جو اذیتیں بھگتیں اس کا نتیجہ قیامت کے روز ہوگا۔ کونسی اذیت تھی جو نہ دی اور کونسی تکلیف تھی جو نہ پہنچائی۔ بھوکا رکھا۔ پیاسا رکھا۔ پتھر مارے سر پھوڑا۔ دانت توڑے اور وہ پاک مبارک اور پیارا جسم جس پر میں ایک بار نہیں ہزار بار قربان ہو جاؤں جس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں ان سنگ دل ظالموں کے ہاتھوں زخموں سے چکنا چور ہوا۔ میرا گھر اور خاندان میرا کنبہ میری قوم میرا وطن یتیم ہو رہا ہے یتیموں کا سہارا، بیکسوں کا گذارہ، رانڈوں کا وارث، اپاہجوں کا والی، دوستوں کا عاشق، دشمنوں کا دوست، مدینہ سے نہیں، عرب اور حجاز سے نہیں دنیا سے جا رہا ہے۔ نبوت نہیں جوہر انسانیت بھی اور رسالت ہی نہیں شرافت طبیعت بھی اس دور کے ساتھ ختم ہوتی ہے۔ علی! ہمارا جہان سدھارتا ہے۔ خدا اپنی امانت واپس لیتا ہے اور اس کا رسول اپنا کام ختم کرنے کے بعد منزل مقصود پر پہونچتا ہے۔

اپنے پیٹ سے پتھر باندھ کر دوسروں کے پیٹ بھرنے والا اور خود پیوند لگا کر دوسروں کے جسم ڈھانک دینے والا انسان گڑھوں میں گر کر چوٹیں اور ماریں کھا کر خدا کی راہ پر ثابت قدم رہنے والا رسول اب دنیا میں نہیں ہے قربان جاؤں اس جسد خاکی کے جس کی جہان نوازی پوری نہ ہوئی اور جس کی خاطر مدارات ہمارے گنہ گار ہاتھ نہ کر سکے دل کا ارمان دل میں رہا فانی جسم اپنے شفیق باپ کی خدمت کرتا، روؤں اور چھوؤں نثار ہوں اور قربان ہوں مگر اب باپ کی صورت نظر آنے والی نہیں علی آؤ اور میرے بچوں کو لاؤ ان قدموں میں سر رکھیں۔ اور باپ کے چہرہ اقدس کی آخری زیارت کریں۔ ان کو بتا دو کہ رسول اللہ صلعم کی رحلت تمہارے

چمنستان حیات میں ایک خزاں کی خبر لا رہی ہے۔ باپ کا فراق تجھ کو زندہ درگور
کر دے گا۔ میں باپ کی ملاقات کو تمنا پر قربان کر دوں گی اور جب تک زندہ
رہوں گی دعا کروں گی کہ موت مجھ کو باپ کے پاس پہونچا دے۔ مگر دیکھ رہی
ہوں کہ دشمنوں کی متفقہ طاقت حسینؑ کے خلاف ختم نہ ہوگی اور جس طرح تکالیف
کا کوئی ذرہ سنگ دِل گروہ نے میرے باپ کے واسطے نہ چھوڑا اسی طرح مصائب
کے کسی شائبہ سے یہ جماعت میرے بچوں کو محفوظ نہ رکھ سکے گی۔ اور جب وہ وقت
آئے گا کہ رحلت رسولؐ کے بعد فاطمہؓ اور علیؓ دنیا میں نہ ہوں گے اس وقت
ان بچوں کا بہترین وارث خدا کی ذات ہوگی۔ علیؓ! رسول اللہ صلعم کی زندگی
کا خاتمہ حسینؑ کی مصائب کا آغاز ہے۔ باپ کا صدمہ مجھ کو زندہ نہ چھوڑے گا
اور میرے بعد تم تیار رہو جاؤ اس وقت کے واسطے جو پہلے تم کو اور میرے بچوں کو
زندگی وبال کر دے گا۔

شیعہ سُنّی کا اختلاف

رسالت مآب صلعم کی وفات کے وقت بھی فریقین کا اختلاف ہے اور وہ
اسی طرح کہ اہل تسنن کا یقین یہ ہے کہ رحلت کے وقت سرور کائنات کا سر
ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی گود میں تھا اور وہ اس پر فخر کرتی تھیں کہ آنحضرت
صلعم میری ہی باری گود میں اور میرے ہی حجرہ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔
اہل تشیع کا دعویٰ ہے کہ حضور اکرمؐ نے شیر خدا حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی گود میں وفات
پائی۔ اور دم واپسیں میں شیر خدا نے ٹھوڑی کو سہارا دیا۔

بعد وفات

رسول خدا کے انتقال کی خبر آناً فاناً سب جگہ پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق آنے
شروع ہوئے تھوڑی دیر میں تمام محلہ آدمیوں سے پٹ گیا۔ اختلاف کی آگ

سلگ رہی تھی اور ہر گروہ اپنی اپنی جدا رائے رکھتا تھا اس موقعہ پر مسلمانوں کا یہ رنگ دیکھکر حضرت ابوبکر صدیق رضہ ممبر پر چڑھے اور فرمایا تم میں سے وہ لوگ جو رسول اللہ صلعم کی عبادت کرتے تھے اور صرف ان کی وجہ سے خدا کو مانتے تھے سن لیں کہ حضور اکرم کا انتقال ہوگیا مگر وہ لوگ جو خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے معترف تھے اور محمد صلعم کو رسول خدا سمجھتے تھے۔ بدستور اپنے خدا کی عبادت کریں۔ کیونکہ وہ زندہ ہے اور زندہ رہیگا اس کے سوا ہر شے اور ہر شخص خواہ رسول ہو یا پیغمبر انسان یا حیوان فانی ہے، آج سرور کائنات صلعم ہم میں موجود نہیں وہ اپنا کام پورا کرگئے اور جس مقصد کے لئے تشریف لائے تھے اس کی تکمیل ہوگئی۔ خدا کی مقدس کتاب تکمیل دین کی شاہد ہے اور اسی طرف سردار دو عالم صلعم نے اشارہ فرمادیا تھا اور خدا کے احکام نازل ہوچکے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اصلاح کے واسطے پیدا ہوئے تھے اور اب وہ تشریف لے گئے، تم باہمی فیصلہ کرو کہ کیا کرنا ہے۔

حضرت عمر رضہ جو اسلام کے دوسرے خلیفہ ہیں رسول اللہ صلعم کی وفات سنتے ہی تلوار ہاتھ میں لے کر باہر نکلے اور کہا کہ اگر کسی شخص کی زبان سے یہ سنا کہ رسول اللہ صلعم کا انتقال ہوگیا تو اس تلوار سے گردن اُڑا دونگا وہ اپنی رائے پر ایسے قائم ہوئے کہ تلوار لئے چاروں طرف ٹہلنے لگے حضرت ابوبکر صدیق رضہ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر قریب پہونچے اور کہا جب رسول اللہ کا انتقال ہوگیا تو اس کے چھپانے کی کیا ضرورت ہے اور لوگوں کو کیوں منع کرتے ہو۔ اس کے ساتھ ہی تمہارا یہ خیال کہ سرور کائنات واپس تشریف لائیں گے صحیح نہیں ہے مرنے کے بعد اس دنیا میں کوئی زندہ نہیں رہتا اور یہ خدا کا حکم ہے۔

دنیا کے رُخ روشن پر مصائب و آلام کی سیاہ گھٹائیں اکثر چھائیں جس کی

ابتدا جنت الفردوس میں حضرت آدمؑ سے ہوئی۔ کائنات میں زندگی نے
موت کا بارہا سختی سے مقابلہ کیا جس کا تماشا حضرت ابراہیمؑ کی چھری نے اسمٰعیلؑ
کی گردن پر دیکھا ہے۔ انسان فراق ابدی کے منظر سے بارہا دوچار ہوا۔ [illegible] کا آغاز
ہابیل قابیل کے فانی اجسام سے کیا۔ چشم انبیاء نے اکثر آنسوؤں کے بدلے خون
گرائے۔ قلب حزیں نے بارہا [illegible]
دنیا سے وہ انسان رخصت ہوا [illegible] اور اس کے [illegible]
زمین دیکھ سکی نہ آسمان، ملائکہ اس کے گھر کے غلام تھے اور انسان اس کی [illegible] کے
گرویدہ اس کے رونے والے فاطمہؓ اور علیؓ۔ ابوبکرؓ و عمرؓ ہی نہیں یتیم اور
بیوہ ہیں، لنگڑے اور اپاہج ہیں۔ اس کا دربار انسانی نہیں خدائی دربار تھا۔ فریادیں
اس کے حضور میں کامیاب ہوتیں اور آنسو اس کی سرکار میں قبول [illegible] ہوتے
قدرت نے اپنی ہر اذیت کا اس کی انسانیت پر تجربہ کیا [illegible] کوئی ذرہ ایسا
نہ تھا جس کا واسطہ اس انسان کامل سے [illegible] مصائب کی خوفناک گھٹائیاں نہ
آئیں اور گئیں، افکار کے خطرناک آفتاب نکلے اور ڈھلے تکالیف کی کالی بھنور راتیں
نمودار ہوئیں اور گذریں مگر حیات مقدس کی مبارک آنکھوں نے ہر کیفیت فانی اور
ہر حالت عارضی سمجھی، ناکامی کے خوفناک بھوت ہر گوشے سے برآمد ہوئے اور
مایوسی کی سیاہ گھٹائیں جھوم جھوم کر آئیں۔ مگر زبان جو الفاظ ادا کر چکی تھی اس کی
گونج لمحہ بہ لمحہ ترقی کرتی گئی، تیر و تفنگ اس استقامت پر قربان ہوئے اور تیغ و خنجر نے
اس استقلال کو سجدہ کیا جس کی دشمنی پر پاؤں تلے کی چیونٹی بھی کمربستہ تھی۔ اس کی صداقت
کا کلمہ شجر و حجر کی زبان سے ادا ہونے لگا۔

آج وہ زندگی ختم ہو گئی جس کا ہر سانس اپنوں سے زیادہ اغیار کے واسطے مفید
ثابت ہوا۔ موت آج مسلمانوں سے وہ دولت چھینتی ہے جس پر وہ ہمیشہ فخر

کر گئے مسلمانوں کا قبرستان آج اس جسم کو آغوش میں لیتا ہے جس کی روح پاک، ملائکہ
عالم بالا پر لے گئے۔ آسمان اس وقت اپنوں سے زیادہ غیروں کے نالے سنے گا
اور زمین اس وقت دوستوں سے بڑھ کر دشمنوں کے آنسو کو دیکھے گی۔ یہ وہ
موت ہے جس کے جواب میں تاریخ کے صفحات کائنات کے اوراق اور انسان
کی زبان ششدر اور حیران ہے۔ انتقال کے بعد آنسوؤں کی فوج انسانی آنکھوں
سے امنڈ امنڈ کر برس رہی تھی حارث بن نعم کا بیان ہے کہ میں نے ایک شخص کو
مسجد نبوی کی دیواروں سے سر پھوڑتے دیکھا۔ زبان اس کے دل کی کیفیت کا آئینہ
تھی جس سے یا محمد یا محمد کے نعرے لگا رہا تھا۔ میں اس کے قریب پہنچا اور صبر
کی تلقین کی۔ میرے سمجھانے سے اس کی حالت اور زیادہ بگڑ گئی اور کہنے لگا۔

مدینہ کے مہان کے کس کس احسان کو یاد کروں اور کون کون سی ادا کو
روؤں جس کی گود میں مدینہ نے اپنے جواہرات ڈالے جس کے سر پر سے
مکہ نے اپنا مال و زر قربان کیا جس کی زبان پر حکومتوں کے فیصلے اور بادشاہوں
کے تغیر تھے اس نے کبھی دو وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نہ کھائی جس نے اپنا راحت و
آرام اور ہماری دنیا کا عیش و عشرت حرام سمجھا جس نے بن ماں کے بچوں کو کلیجے سے
لگایا ان کے رخساروں کو بوسے دئے اور سر پر ہاتھ پھیر کر پیٹ بھرے جس نے دوسروں
کے فاقے توڑے، وہ خود دو دو تین تین وقت کے فاقے کرتا ہوا دنیا سے گیا۔ اس نے
اندھوں کی مدارات کی اپاہجوں کی خدمت کی، غریبوں کے کام آیا۔ حاجت مندوں
کو مدد دی۔ لڑائیوں کو ختم کیا۔ جھگڑوں کا تصفیہ کیا۔ شراب کو غارت کیا اور جوئے
کو فنا کیا اور ریگستان عرب کو چمن بنا کر رحلت کی اس کے احسانات کا بدلہ اور
اس کے کرم کا معاوضہ ہم نے یہ دیا کہ اس کا سر پھوڑا اس کے دانت توڑے اس
کو زخمی اور لہو لہان کیا۔ اونٹوں کی اوجھڑیاں اس کے گلے میں ڈالیں اور

ببول کے کانٹے اس کے راستے میں بچھائے، راہ میں روڑے اٹکائے اور اس کے قتل کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ مگر اس نے ہم کو اپنے دامن رحمت اور اپنے رحم و کرم سے عفو و درگزر سے ہمارے دل فتح کئے اور ہم کو اپنا غلام بنا گیا۔

وہ رسول تھا مگر انوکھا نہ تھا، پیغمبر تھا لیکن نرالا نہیں۔ اس سے پہلے بھی دنیا نے پیغمبر اور رسول دیکھے ہیں مگر نوح کی بد دعا، داؤد کی ... موسیٰ کا غصہ ہم کو یاد ہے۔ وہ انسان تھا مگر کیسا، انسانیت کی مجسم تصویر اور بشریت کا مکمل نمونہ۔ وہ نبی تھا لیکن کیسا، جس کی چوکھٹ کو فرشتے سجدہ کرتے تھے اور جبریل جس کا ادنیٰ غلام تھا۔

عرب کا انسان، مکہ کا سلطان، مدینہ کا مہمان، دنیا کا ہادی، نبی، پیغمبر، رسول پھر کہتا ہوں کس دل سے روؤں اور کس منہ سے کہوں کہ کیا تھا۔ میرا باپ عبداللہ بن ابی پکا منافق اور پورا دشمن جس کی عمر کا بڑا حصہ اس کے خلاف سازش میں بسر ہوا۔ وہ شخص تھا جس نے ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے اتہام میں سب سے زیادہ حصہ لیا جس نے بارہا مجھ کو میرے اسلام قبول کرنے پر مارا۔ جب اس کا وقت آخر ہوا اور موت سر پر آ پہنچی تو اس نے مجھ سے جو اپنے رسول کا عاشق زار تھا خواہش کی کہ میری خدمت کے معاوضہ میں ہادی برحق اس کے جنازہ کی نماز پڑھائیں اور پیراہن مبارک کا ایک ٹکڑا اس کے ساتھ قبر میں دفن ہو تاکہ دوزخ کی آگ اس کو گزند نہ پہنچا سکے۔ میں جانور نہیں ہوں، جانتا تھا کہ میرا باپ ناموس اسلام کا دشمن ہے مگر پھر بھی میرا باپ تھا اور اس دربار میں جا رہا تھا جہاں ایسے گنہگار کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ سفارش کرتا، درخواست کرتا، التجا کرتا تو کس منہ سے مگر یہ بھی جانتا تھا کہ خدا کا سچا رسول انسانیت کے اس نقطہ سے جہاں کدورت و رنجش کی آمیزش ہوتی ہے بہت آگے ہے اور اس کا

قلب ان تنازعات سے بالکل پاک ہے جب وہ وقت آیا کہ میں بمنت و ادب
عرض کردوں تو فطرت انسانی نے میری آنکھیں نیچی کردیں۔ ندامت نے سر جھکادیا
تاہم جس طرح بھی ممکن ہوا میں نے اپنے الفاظ ادا کردیئے۔
ہائے کس طرح کہوں کس منہ سے بیان کروں صحابہ کا تمام گروہ حیرت سے
میرا منہ تکنے لگا عمر فاروق نے اس کے افعال پر لعن طعن کی اور ایک متفقہ قہقہہ
نے میری درخواست کی ہنسی اڑائی، مگر مدینہ کا مہمان، انسانیت اور ملکوتیت
کے مدارج طے کرنے کے بعد اب اِس مقام پر تھا جہاں خدائی کے ڈنکے بج رہے
تھے، دہن مبارک پر مسکراہٹ کھیلی اور میری التجا بارگاہ رسالت میں منظوری
کے خلعت سے سرفراز ہوئی۔
آخر وہ وقت آگیا کہ میرا باپ دنیا سے رخصت ہو کر اپنے اعمال کی سزا
بھگتے اِس وقت میری عجیب کیفیت تھی۔ باپ کی مفارقت ابدی نے میری جان
پر بنادی۔ میں روتا بیٹھتا سرورِ عالم کی خدمت میں حاضر ہوا۔
اللہ اللہ میں نے کیا دیکھا کس طرح کہوں ذات پاک نے مجھ کو تسکین
دی اور قمیص کا ایک ٹکڑا مجھ کو دے کر میرے ہمراہ ہوگئے۔
درود ہزار ہا اور لاکھ مرتبہ۔ قربان میں اور میرا خاندان۔
خدا کا محبوب اور میرا آقا میرے ساتھ اس کے جنازہ پر آیا اور نماز پڑھا کر اسکی
دعائے مغفرت کی دفن کے بعد جب صحابہ کو خبر ہوئی تو خشم آلود آنکھوں سے
دوڑتے ہوئے آئے، اور غصہ سے بھرے ہوئے شکایتیں کرنے لگے لیکن
قربان میں میرا خاندان ایک بار نہیں ہزار بار۔
چہرہ مقدس پر ہنسی کھیل رہی تھی اور میرے منافق باپ کے اعمال کا کوئی
ذرہ یاد نہ تھا۔

درود ہزار لاکھ بار اس ذات پر جو بے مثل تھی۔

ہم نے اپنے آقا کی قدر نہ کی۔ ہائے وہ مبارک چہرہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوا۔ ہمارا مہمان بھوکا پیاسا اس دنیا سے اندھیرے گھپ میں رخصت ہوا اور ہم اس کے بعد پیٹ بھر کر کھانا کھائیں۔

وہ جس نے دوسروں کے سر تاج شاہی رکھ دیئے ہماری دنیا میں اتنا آرام بھی نہ پاسکا کہ کمبل اس کے واسطے دوہرا ہو جائے۔ ہائے ہائے چٹائی کے نشان اس کے جسم پر پڑیں وہ ہمارے واسطے بھوکا رہے اور ہم اس کو گوشت میں زہر دیں۔

کس طرح روؤں کیا کروں، میں زندہ رہوں اور خدا کا رسول جدا ہو جائے۔

اختلافات کی اور ترقیاں

انصار یعنی اس گروہ نے جس کی خدمات کا رسول اللہ صلعم نے اعتراف فرمایا اور جس نے حضورؐ کے مدینہ تشریف لانے اور ہجرت کرنے پر اپنی جانیں اور مال قربان کئے تھے اپنا ایک علیحدہ جلسہ کیا تاکہ وہ فیصلہ کریں کہ آئندہ ان کا کیا رویہ ہوگا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جب یہ خبر ہوئی تو وہ حضرت عمرؓ اور چند دوسرے آدمیوں کو ساتھ لے کر جلسہ [illegible] پہنچے انصار نے ان کی صورتیں دیکھ کر کہا کہ ہم سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور یہی اسلام کے خلیفہ سمجھے جائیں گے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی اجازت سے اس وقت ایک تقریر کی اور ان لوگوں کو اس طرح مخاطب کیا کہ تمہارے احسانات رسول اللہ صلعم پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے حضورؐ کے ساتھ ہجرت کی اس قدر وسیع ہیں کہ خود سرور عالم نے اس کا اعتراف فرمایا ہے مگر میں تم کو اب رسولؐ کے الفاظ پر متوجہ کرتا ہوں تم

تم نے اپنے آقا کی زبان سے یہ الفاظ سنے ہوں گے کہ امامت قریش کا حق ہے
پس میں اس بھرے مجمع میں تمہارے احسانات کا شکریہ ادا کرنے کے بعد تم سے
درخواست کرتا ہوں کہ ارشاد رسول کی تعمیل میں خلافت و امامت کا حق ان کے
واسطے چھوڑ دو۔ تاکہ کسی قسم کا جھگڑا یا کدورت پیش نہ آئے۔ انصار کے
دل میں کوئی خرابی نہ تھی وہ سچے دل سے اسلام کی خدمت گذاری پر کمربستہ
تھے، ارشاد رسول سے ان کی گردنیں جھک گئیں اور انہوں نے کہا ہمارا مقصد
تفریق نہیں ہے اگر تمہاری یہی خواہش ہے۔ تو ہم ہر طرح تمہارے فیصلہ پر رضامند
ہیں، مگر اتنا ضرور چاہتے ہیں کہ باہمی جنگ و جدل نہ ہونے پائے حضرت ابوبکرؓ
نے سرور کائنات کا یہ قول بھی نقل کیا کہ میں مسلمانوں میں قرآن مجید اور اہل بیت
کو چھوڑتا ہوں اگر ان کو مضبوطی سے پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، چنانچہ ابوبکرؓ کی
کوشش بار آور ہوئی اور انصار مع اپنے سردار سعد بن عبادہ کے دست بردار
ہوگئے۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ قریش میں سب سے
بزرگ آپ ہیں آپ سے زیادہ خلافت کا مستحق کون ہو سکتا ہے۔ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے
کہ سب سے پہلے میں بیعت کر دوں جب حضرت ابوبکرؓ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور
حضرت عمرؓ بیعت کر چکے تو تمام انصار و مہاجر نے بیعت کی اور سوا حضرت
علیؓ کے کوئی مسلمان باقی نہ رہا جس نے بیعت نہ کی ہو۔ حضرت علیؓ کے متعلق دو
روایتیں ہیں ایک یہ کہ انہوں نے چھ مہینہ بعد بیعت کی اور دوسری یہ کہ چالیس روز بعد۔

اسی بحث و مباحثہ میں ایک دن اور ایک رات گذر گئے حضور اکرم یہ
وصیت فرما گئے تھے کہ میری تجہیز و تدفین اہل بیت کریں، چنانچہ خاندان رسالت
کے افراد اس تمام وقت میں جسد خاکی کے پاس بیٹھے رہے اور جب مسلمانوں کو
نزاع سے فرصت ہوئی تو تدفین کی نوبت آئی، ارشاد نبوی کے بموجب اہل بیت نے

تمام خدمات انجام دیں جن میں بڑا حصہ حضرت علیؓ کا ہے۔

جس طرح مرض الموت میں مسلمانوں کے دو فریق ہو گئے تھے اسی طرح اس وقت بھی دو گروہ ہو گئے شیعہ کہتے ہیں کہ خلفاء دنیا کے پیچھے ایسے پڑے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ چوبیس گھنٹے پڑا رہا۔ اور ان کو دفن کی فرصت نہ ہوئی سُنّی کہتے ہیں کہ اگر یہ نہ کیا جاتا تو نہ معلوم کس قدر گروہ ہو جاتے اور ہر گروہ اپنے اپنے مُربیوں کے ہاتھ پر بیعت کر کے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا لیتا۔

شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی ملی بھگت تھی، اگر خلیفہ کا انتخاب رائے عامہ سے ہوتا تو حضرت علیؓ ہوتے شیخین نے اسی واسطے کہ اہل بیت رسول اللہ کا جنازہ نہیں چھوڑ سکتے یہ تمام تدبیریں کیں۔ برخلاف اس کے اہل تسنن کا عقیدہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اسلام چوپٹ ہو جاتا اور چند دن بھی باقی نہ رہتا۔ اہل شیعہ کہتے ہیں کہ جس طرح حضرت عمرؓ نے حضور اکرم کی وصیت کو قلمبند نہ ہونے . . . . دیا اسی طرح انتخاب کی بھی نوبت نہ آنے دی۔ اور جلدی حضرت ابوبکرؓ کو خلافت دلوا دی۔ سُنّی کہتے ہیں کہ اگر خلافت کسی طرح بھی حضرت علیؓ کو مل جاتی تو بنو امیہ جو بنو ہاشم کے قدیمی دشمن تھے ایک دن بھی خلافت کو نہ چلنے دیتے اور وہ لوگ جو لڑائیوں میں حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے ان کی اولادیں جن کے دلوں میں کینے بھرے ہوئے تھے اپنے بزرگوں کا بدلہ لیتے اور اس طرح مفاد اسلام کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔

بہر حال یہ وہ اختلافات ہیں جو اس وقت تک قائم ہیں اور بیخ اسلام کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے اور سچ پوچھو تو کر چکے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سوا دو برس خلافت کی اور ان کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے، ان کی خلافت کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوا ایک فریق

اِن کی سخت گیری سے خائف تھا اور جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے بعد حضرت عمرؓ کو تجویز کر رہے ہیں تو سخت مخالفت کی اور کہا ایسے شخص کو خلیفہ بنا کر آپ خدا کو کیا منہ دکھائیں گے حضرت صدیقؓ نے فرمایا یہ کہدوں گا کہ مسلمانوں میں جو شخص میری رائے میں سب سے بہتر تھا اسی کو سب کا خلیفہ بنا کر آیا ہوں۔

مخالفین میں عبدالرحمٰن بن عوف اور طلحہ کی شخصیت بڑی تھی اِس جواب سے وہ دونوں بھی خاموش ہو گئے اور مسلمانوں کے متفقہ فیصلہ سے خلافت حضرت عمرؓ کو ملی، بحث صرف یہ ہے کہ اختلافات قدم قدم پہ ترقی کر رہے تھے اور دلی رنجشوں کا پودا لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا۔

حضرت عمرؓ نے قریب قریب ساڑھے دس سال خلافت کی مگر ہیبت فاروقی بھی اِس آگ کو نہ بجھا سکی۔

جنابِ سیّدہؓ کی رحلت

یہ تذکرہ محض اس لئے تھا کہ پڑھنے والوں کو تنازعات کی کیفیت اچھی طرح معلوم ہو جائے۔ اب ہم کو پھر اسی جگہ آجانا چاہیئے۔ حضور اکرمؐ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں مُسلمان رو دھو اور لڑ جھگڑ دُنیا کے دھندوں میں لگ گئے مگر ایک انسان، ایک عورت تھی ایک بیٹی تھی جو باپ کو نہ بھولی اور زندگی کا کوئی کارنامہ گھر کی کوئی خوشی، شوہر کی کوئی محبت، بچوں کی کوئی تمنا، مرجھایا ہوا کنول نہ کھلا سکی اس کی رات باپ کی یاد میں بسر ہوتی اور دن اسی صورت کو سامنے لئے ختم ہوتا شام اُسی خیال میں صبح اُسی دُھن میں اپنے رنگ بدلتی۔ نظام عالم کے تحت میں تغیر ہر ذی روح وغیر ذی روح پہ جاری وساری ہوتا۔ مگر فراق پدری کی ماری

دیوانہ وار رو تی اور ماہی بے آب کی طرح شب و روز تڑپتی رہی ایک عورت، ایک بیٹی۔ ایک بچی، سیدہ، فاطمہ زہراؑ!

جنت کی یاد میں آدم علیہ السلام کا اضطراب دُنیا دیکھ چکی، یوسف کی تلاش میں یعقوب کا نالہ کارخانۂ حیات میں گونج چکا۔ مگر حوا نے مل کر آدم کے آنسو پونچھ دیے۔ یوسف نے باپ کے سینہ سے چمٹ کر ارمان پورا کر دیا۔ اب فضائے آسمانی اور کائنات ارضی سیدہ کی فریاد سُن رہی ہے۔ کوشش کرتی ہیں کل من علیہا فان کی تسبیح پڑھتی مگر دل کی لگی نہیں بجھتی اور بچھڑنے والے باپ کی یاد رہ رہ کر کلیجہ بر ما رہی ہے چاہتی ہیں کہ زندگی کی ضرورتیں رحمۃ للعالمین کی یاد دل سے بھلا دیں مگر کسی طرح نہیں مانتا۔ دن کی گھڑیاں اور رات کی ساعتیں یادِ حبیب میں ختم ہوتی ہیں، دن کا کوئی لمحہ اور رات کی کوئی کروٹ چین نہیں لینے دیتی ایک تصور ہے۔ ایک خیال ہے۔ ایک یاد ہے جو ہر وقت آنکھ کے سامنے ہر ساعت دماغ میں اور ہر لمحہ دل میں موجود ہے۔ جب کھانا لے کر بیٹھتی ہیں، علیؑ جیسا دل سوز شوہر اور حسنینؑ جیسے چاند کے ٹکڑے کچھ کھلانے کی کوشش کرتے ہیں تو قلب حزیں ایک دوسرا سماں سامنے لے آتا ہے اور خیال آتا ہے کہ محمدؐ جیسا باپ جس کی محبت نے یعقوب کی شفقت پدری کے معنے بتا دئے۔ اس دنیا سے فاقے کرتا ہوا سدھارا آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں نوالہ حلق میں اٹک جاتا ہے اور آسمان کی طرف دیکھ کر خاموش ہو جاتی ہیں۔ رات کو لیٹتی ہیں۔ کروٹیں لیتی ہیں مگر نیند کسی پہلو نہیں آتی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید اب دروازہ کھلے اور وہ آواز سنائی دے جس کو کان ترس رہے ہیں اور وہ صورت دیکھوں جس کو دل تڑپ رہا ہے۔

شیر خدا نے ہر ممکن کوشش کی اور بچوں نے دل جوئی میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر

صدمہ نازل ہونے والا تھا۔ زخم ناسور رہوا اور ناسور بھی ایسا جو ہر وقت رس رہا ہو۔ اس حالت پر قیامت مسلمانوں کی مخالفت تھی جس نے جناب سیدہؓ کی رہی سہی ہمت توڑ دی، روتے روتے بیہوش ہوجاتی تھیں اور جب ہوش آتا تھا تو روضہ اقدس پر جا بیٹھتی تھیں اور اس قدر روتی تھیں کہ زمین تر ہوجاتی تھی بچے پٹ لپٹا کر اور چمٹ چمٹا کر گلے میں ہاتھ ڈالے لیے حضرت علیؓ سمجھا بجھا کر اور کہہ سن کر گھر لاتے لیکن یہاں پہنچکر وہ تسکین بھی ختم ہوجاتی جو مزار مبارک کو سامنے رکھ کر میسر ہوجاتی تھی۔ یاد پدر پھر پریشان کرتی اور چاروں طرف ٹکریں مار مار کر روتیں، اور اس درد سے کہ بچے اور شیر خدا بھی اسی کیفیت میں غرق ہوجاتے۔

باپ کی یاد زندگی کا بہترین مشغلہ تھا، خوراک تھی تو باپ کے فراق کا نالہ اور لباس تھا تو باپ کے مزار کی خاک۔ پندرہ پندرہ دن سر دھوتیں نہ کپڑے بدلتیں رات رات بھر اور دن دن بھر روضہ اقدس پر حاضر رہتیں جب نیند کا غلبہ ہوتا تو قبر اطہر کو سینہ سے چمٹا کر وہیں سو رہتیں حسنین اور شیر خدا کھانا لیکر جاتے، التجا کرتے، منت کرتے مگر بھوک کچھ ایسی اڑی کہ دو دو تین تین دن دانا اڑ کر منھ میں نہ جاتا بعض دفعہ ایسا ہوا کہ بچے رو رو کر مزار مبارک سے ہمراہ لاتے اور سلا دیتے۔ مگر آنکھ کھلی اور وہیں پہنچ گئیں ایک رات ہے کہ بخار شدت سے چڑھا ہوا تھا عصر کے وقت سے عشا کے بعد تک بیہوش پڑی رہیں فاقے سے بچوں پر بھی تین دن گذر گئے اور حضرت علیؓ پر بھی۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی کہ شیر خدا کی آنکھ کھلی دیکھا تو حضرت سیدہؓ موجود نہ تھیں بچوں کو جگایا اور سب نے مل کر ہر طرف دیکھا کہیں پتہ نہ چلا۔ سیدھے روضہ اقدس پر پہنچے تو دیکھا کہ تمام بدن خاک میں اٹ رہا ہے۔ اور باپ کے نام کی رٹ لگا رہی ہیں بخار اب بھی تیز تھا بچے قدموں میں گرے اور پاؤں سے آنکھیں ملیں،

حضرت علیؓ نے کہا۔

فاطمہؓ بخار شدت کا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو یہ کیفیت دیکھ کر خوش نہ ہوتے شیر خدا کے اس فقرے نے دبی ہوئی چنگاری کو ابھار دیا چیخ اٹھیں اور رو کر کہا۔

باپ کے بعد یہ پہلی رات ہے کہ دل میں تسکین پاتی ہوں اس وقت کوئی تکلیف نہیں ہے۔ میں روتے روتے سو گئی تو حضور اکرمؐ کو خواب میں دیکھا کہ مجھ کو کلیجہ سے لگائے فرماتے ہیں۔

جدائی کا وقت ختم ہو چکا اب میرے پاس آ رہی ہو۔

اتنا کہہ کر سیدہؓ حضرت علیؓ کے قدموں کی طرف جھکیں تو شیر خدا نے ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگائے اور کہا سیدہؓ کیا کرتی ہو۔ آنکھوں میں آنسو تھے کہنے لگیں

باپ نے میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے کر دین و دنیا کا وارث بنا دیا تھا میری مغفرت تمہارے ہاتھ میں ہے علی! زندگی کی بعض گھڑیاں ایسی گذری ہوں گی کہ مزاج میری طرف سے مکدر ہوا ہوگا۔ ایسے کام بھی کئے ہوں گے جو طبیعت کے خلاف ہوئے ہوں۔ ممکن ہے کہ کسی جواب سے دل شکنی بھی ہوئی ہو، اب میری زندگی ختم ہو رہی ہے اس دنیا سے رخصت ہو کر خدا کے حضور میں جاتی ہوں کہ باپ سے ملوں لیکن جانتی ہوں کہ سب سے پہلے اعمال کی باز پرس ہوگی۔ ایسا نہ ہو کہ رسولؐ زادی آپ کی کسی نافرمانی میں پکڑی جائے۔ علیؓ اپنے بچوں کے سامنے ان کو گواہ کر کے میرے قصور معاف کر دو، جس طرح رسول خدا نے اپنے گھر سے وداع کیا تھا اسی طرح ہنسی خوشی اپنے گھر سے خدا کے ہاں رخصت کر دو۔ ایک التجا کرتی ہوں کہ میرے دونوں بچے جواب بن ماں کے ہو جائیں گے اور ممتا سے محروم ہو کر دیواروں سے ٹکریں لگائیں گے اپنے پاس فاطمہ کی امانت سمجھنا۔

ابن ماں کے بچوں کے دل تھوڑے ہوتے ہیں میرے معصوم اگر غلطی
بھی کریں تو ان کی ماں کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ معاف کر دینا امیری آنکھوں
کے تارے میرے کلیجہ کی ٹھنڈک، میری دونوں آنکھیں جو نانا سے چھوٹ کر
اب ماں سے بھی چھوٹتے ہیں، تمہاری محبت کے محتاج ہیں، ان کے دل ہاتھ
میں لینا اور خوش رکھنا۔

یہ کہہ کر شہزادی نے بچوں کو کلیجہ سے لگایا اور کہا پیارے بچوں ماں ہمیشہ
کو جدا ہوتی ہے۔ نانا کا سایہ تمہارے سر سے اٹھ چکا ماں کی شفقت بھی آج ختم ہوتی ہے
اور اس دنیا میں ایک باپ کے سوا کوئی اتنا نہیں کہ تم کو محبت کی نظر سے دیکھ لے
میرے بعد زندگی کی مصیبتیں تمہارے سروں پر پہاڑ بن کر ٹوٹیں گی، ماں کی نصیحت
یاد رکھنا، باپ کی شجاعت، نانا کی رسالت اور بدنصیب ماں کی غربت پر حرف نہ
آنے پائے۔ میرے کلیجے کے ٹکڑے حسین تیرا بچپن کچھ بتا رہا ہے اور یہ پیش خیمہ
ہے ایک ایسے انقلاب کا جو دنیا والوں کو زندگی کے معنے بتلائے گا وہ وقت آئیگا
کہ ماں کی طرح باپ کی آنکھیں بند ہوں گی اور اس سر پر خدا کے سوا کوئی وارث
نہ ہوگا قدرت کا ہاتھ جس نے مصیبت کی کسوٹی پر ہمیشہ ماں اور نانا کو پرکھا۔ اس
ننھی سی جان کی آزمائش کو آگے بڑھے گا اور طرح طرح اذیتیں پہونچائے گا! حسین زندگی
کی اس تاریک گھڑیوں میں جب خدا کے سوا کوئی وارث نہ ہو، باپ کی شان اور
نانا کی نبوت میں فرق نہ آنے پائے، فاقہ زدہ ماں کا خون ان رگوں میں دوڑ رہا ہے
اس کی لاج رکھنا اور یاد رکھنا کہ نانا اور باپ اور ان دونوں کی کنیزاں نے زندگی
بھر عیش کو حرام سمجھا ہے۔ اور ہر حال میں خدا کا شکریہ ادا کیا ہے۔

حسنؑ! میرے گلے میں ننھے ننھے ہاتھ ڈال کر ممتا کی آگ ٹھنڈی کر اور ماں
سے گلے مل کہ یہ آخری ملاقات ہے! خدا تیرے سر پر باپ کو زندہ رکھے شفقت بھرے

ہاتھ اور ماتا بھری نگاہیں اب ختم ہوتی ہیں میرے پاس دولت نہیں کہ دنیا کی طرح تقسیم کروں۔ البتہ تم دونوں کو وصیت کرتی ہوں کہ سخت سے سخت ساعت میں بھی کسی غلط راستے پر قدم نہ دھرنا۔ توحید و رسالت کے خلاف زبان کسی لفظ سے آشنا نہ ہو، خدا کے نام پر مجھ جیسی ماں بھی قربان کرنی پڑے اور نانا کے نام پر علیؓ جیسا باپ نثار کرنے کا وقت آئے تو قدم نہ ڈگمگائیں، افلاس میں نانا کے فاقے اور نانا کی بھوک یاد رکھنا اور میدان جنگ میں باپ کی تصویر پیش نظر"

اس کے بعد سیدہ نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر باپ کے مزار کو دیکھا آنسو کے چند قطرے گرے" ہائے میرا باپ" کی ایک آواز کے ساتھ زمین پر گرنے کی آواز آئی، اس وقت بیہوش بنت الرسول کو بچے اور شوہر گود میں لیکر گھر آئے بخار تمام رات تیز رہا یہاں تک کہ مؤذن نے صدائے اللہ اکبر بلند کی حضرت علیؓ نماز کو جا چکے تھے اور معصوم بچے اپنی آنکھیں ماں کے قدموں سے مل رہے تھے کہ آنکھ کھولی تو مؤذن اشھد ان محمد رسول اللہ کہہ رہا تھا۔

صبح صادق کے سہانے وقت میں بچھڑے ہوئے باپ کا نام فضائے بسیط میں گونجتا ہوا صورت کو ترستی ہوئی بیٹی کے کلیجے سے کچھ اس درد سے پار ہوا کہ ایک چیخ مار کر یہی الفاظ خود دوہرائے اور بچوں سے کہا کہ دیکھو صبح کی گھڑیاں میرے باپ کے نام کی تسبیح پڑھ رہی ہیں۔ رات یہ نام لے کر اپنی تاریکی اور سیاہی وداع کرتی ہے اور آفتاب بھی کلمہ پڑھتا ہوا نمودار ہوتا ہے یہ مقدس نام ورد زبان رکھنا حسنین پاؤں چھوڑ دو اور دونوں رخساروں پر اپنے منہ رکھ دو کہ دل کو فرحت ہو۔

دن کا پہلا پہر گذر چکا تھا اور شیر خدا باہر چلے گئے تھے، اس وقت بخار کچھ ہلکا ہوا اٹھیں، خانہ داری کے کچھ کام انجام دئے۔ دوپہر کے وقت جب

حضرت علیؓ واپس آئے تو انہوں نے دیکھا روٹی پکا رہی ہیں حضرت علیؓ متحیر ہوئے اور کہا "بنت رسولؐ یہ کیا کر رہی ہو؟" وہ روئیں اور کہا میں نے تھوڑی سی روٹی پکالی ہے بچے پیٹ بھرلیں اور میرے بعد بھوک کے مارے بلو بلو نہ کرتے پھریں۔"

اب دوپہر کا وقت ہو چکا تھا اور گو بخار شدت سے چڑھ رہا تھا مگر دماغ صحیح تھا حضرت علیؓ سے کہا کہ "بچوں کو بلاؤ" دونوں صاحبزادیاں زینب اور ام کلثوم آکر قدموں میں گریں ان کے سر اٹھا کر اپنے سینہ سے لگائے اور فرمایا "یہ رونے کا وقت نہیں ہے۔ ہنسی خوشی ماں کو باپ کے گھر سے رخصت کردو سنو جو کہتی ہوں اور یاد رکھو جو الفاظ زبان سے نکلیں دونوں بھائی اب ماں کی آغوش سے چھوٹتے ہیں اور قدرت ان کو بن ماں کا کرتی ہے مگر میرے دل کو اطمینان ہے کہ میں حسنین کو اچھی بہنوں کے سپرد کرتی ہوں۔ ان کی ماں بھی تم ہو اور بہن بھی تم یہ ہنس مکھ چہرے اور پیاری پیاری صورتیں جن کو میں نے خدا کو سونپا قیامت کے روز بھی مجھ سے سرخرو ملیں، ایسا نہ ہو کہ ماں کے بعد بھائیوں کے کسی ہیں کسر رہ جائے میں اب تمہارے باپ سمیت تم سب کو خدا کے حوالہ کرتی ہوں کہ وہی بہتر وارث ہے۔"

بچوں کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں اور حضرت علیؓ کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے، آج دوسرا روز تھا اس سیدہ کو جو چند گھنٹوں کی دنیا میں مہمان تھی سحری وافطاری تو درکنار دوا تک بھی میسر نہ تھی۔ کمزوری بڑھ رہی تھی حضرت علیؓ کو پاس بلا کر کہا۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ علیؓ خدا کی رحمت ہمارے گھر پر ہمیشہ نازل رہی افلاس اور صعوبت نے کبھی ہماری مسرت کو مجروح نہیں کیا۔ ہم اس دنیا میں ہر وقت خوش و

خرم رہے۔ حمد کے قابل ہے وہی ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ جس نے ہم کو توفیق نیک بخشی اور ہم پر برکت کی بارش فرمائی۔ میں خوش نصیب ہوں کہ علیؓ جیسا انسان مجھے شوہر ملا حسنین جیسے بچے کلثوم و زینب جیسی لڑکیاں میری گود سے پیدا ہوئیں میں نے بچوں کے متعلق جو کچھ تم سے کہا وہ یاد ہوگا۔ اور مجھے پورا یقین ہے کہ تمہاری شفقت ماں کی موت کو میرے پیاروں کے دل سے بھلا دے گی" اچھا میں تم سے التجا کرتی ہوں کہ میں نے آج اجلے کپڑے اس لئے بدلے ہیں کہ ان ہی کپڑوں میں مجھ کو دفن کرنا میرا جنازہ رات کے وقت اٹھانا کسی نامحرم کا ہاتھ میرے جسم یا جنازہ کو نہ لگنے پائے گہوارہ کی یہ شکل جو میں تم کو دکھاتی ہوں اچھی طرح دیکھ لو۔ اسی طرح خاموشی کے ساتھ گہوارہ میں میری میت لیجانا اور راتوں رات پیوند زمین کر دینا علیؓ میں خوش نصیب ہوں کہ تمہارے ہاتھ سے زیر زمین پہنچتی ہوں اور تمہاری زندگی میں دنیا کو الوداع کہتی ہوں "

رمضان المبارک کی تیسری تاریخ کو پانی کے گھونٹ سے روزہ افطار کیا بخار اس وقت موجود تھا۔ مگر پانی کے پیتے ہی پسینے آنے لگے اور بخار اتر گیا اس وقت بچوں سے کہا جاؤ "نانا جان کے مزار پر جاؤ۔ آج میں بھی تمام دن حاضر نہیں ہوئی اور اس وقت اتنی ہمت نہیں کہ دو قدم بھی چل سکوں جاؤ اور جس طرح میرے سامنے حاضری دیتے ہو اسی طرح روزانہ قدمبوس ہونا۔ ناغہ نہ ہونے پائے "

بچے باہر گئے اور شیر خدا نماز کی تیاری میں مصروف ہوئے، بی بی سیدہ نے قبلہ رو ہو کر کلام اللہ پڑھنا شروع کیا دفعتہً آواز خاموش ہوگئی اور خاتونِ جنت دنیا سے رخصت ہوئیں۔

سیدۃ النساءؑ کی وصیت کے موافق جنازہ رات کے وقت اٹھا اور خاص خاص آدمیوں کے سوا جو سب خاندان رسالت سے تعلق رکھتے تھے کوئی

مسلمان شریک نہ ہوا۔
اختلافات کی جڑ اب اور بھی زیادہ مستحکم ہو رہی ہے۔ اہل تشیعہ کہتے ہیں کہ فدک اور خلافت کے مسائل نے سیدۃ النساء کو اس قدر مضمحل مایوس اور دل برداشتہ کر دیا تھا کہ انھوں نے یہ بھی جائز نہ سمجھا کہ ان کے جنازہ کو یہ لوگ کندھا دیں۔ اہل تسنن یہ کہہ کر الزام دور کرتے ہیں کہ انھوں نے اس قسم کی کوئی وصیت نہیں کی جناب سیدہ کے انتقال کے بعد اس اختلاف نے اور بھی زور پکڑا اور بنو فاطمہ و بنو امیہ کے دلوں میں جو کدورت اندر ہی اندر تھی اب وہ زبان پر آنے لگی اور کھلم کھلا عداوت شروع ہو گئی۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت میں مشہور آدمی

طوفان نوح تمام دنیا کو ڈبو دے۔ نار نمرود زمین و آسمان کو جلا کر خاک سیاہ کر دے، قدرت کے قانون اپنی جگہ سے سرکنے والے نہیں، کائنات کی بہترین ہستی رسول اکرم صلعم، اٹھ گئی۔ مگر طلوع و غروب آفتاب کا عمل بدستور رہا سیدۃ النسآء انسانی دنیا سے رخصت ہو کر خدا کے ہاں جا پہونچیں لیکن نظام عالم میں فرق نہ آیا جاڑا اسی طرح رہا اور گرمی حسب سابق پڑ رہی ہے، بنو امیہ اور بنو ھاشم کی کدورتیں عداوت قلبی سے آگے بڑھ گئیں مگر دنیا کے تغیرات اپنی عادت سے باز نہ آئے اور قوانین الٰہی اپنی جگہ سے نہ سرکے۔ پہلی اور دوسری خلافت کا زمانہ گذر گیا حضرت صدیق اکبر کو قبر میں پہنچے دس سال سے زیادہ ہو گئے۔ مگر دنیا کے سلسلے اسی طرح چل رہے ہیں حضرت عمرؓ کی خلافت بھی ختم کے قریب ہے ابو لولو نے خنجر گھونپ دیا۔ اور اب تیسری خلافت کے جھگڑے ہو رہے ہیں۔ اس کتاب کے موضوع کو دونوں ابتدائی خلافتوں کے واقعات سے تعلق نہیں ہے۔ تیسری خلافت کا

حال اس لئے ضروری ہے کہ بحثیں اور عداوتیں کھیل کھیلیں اور بنوامیہ اور ہاشم اپنی اپنی کامیابی کی کوششوں میں مصروف ہیں سب سے پہلے ان حضرات کی تفصیلی کیفیت سمجھ لینی چاہئے جو خلافت سوم میں سرگرم سعی ہیں۔

(۱) حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز حضرت عثمانؓ بنوامیہ میں اور حضرت علیؓ بنوہاشم میں (۲) عبدالرحمٰن بن عوف صحابہ رسول اللہ (۳) زبیر بن العوام رسول اللہ صلعم کے چچازاد بھائی (۴) حضرت طلحہ جن کو سرور عالم نے طلحۃ الخیر فرمایا (۵) سعد بن زید قبیلہ بن عدی سے ہیں اور اس قبیلہ سے حضرت عمرو بن العاص حضرت عثمانؓ کے عزیز سعد بن ابی وقاص، عمار بن یاسر عبداللہ بن سعد بن سرح عثمانؓ کا بھانجہ، نائلہ حضرت عثمانؓ کی بیوی، مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام۔

تیسری خلافت کا فیصلہ

جب حضرت عمرؓ کو اپنی موت کا یقین ہوگیا تو ان کو خلافت کا فکر ہوا اس وقت ان کے پاس عبدالرحمٰن بن عوف موجود تھے چنانچہ انھوں نے تنہائی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ "میں تم کو اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتا ہوں" بن عوف نے کہا کہ آپ مجھ کو مشورہ دیجئے کہ "میں یہ عہدہ قبول کروں"؟ یہ سن کر حضرت عمرؓ ابن عوف کا مطلب سمجھ گئے اور کہا اچھا اس سلسلہ میں تمہاری دوسری خدمات لگاتا ہوں مگر یہ یاد رکھو کہ اسی پر اسلام کی ترقی کا انحصار ہے اگر خلافت کسی نا اہل شخص کو دیدی جائے تو اسلام کو سخت نقصان پہونچے گا اور جنگ وجدل شروع ہو جائیگا جہاں تک میں نے اس معاملہ پر نظر دوڑائی پانچ آدمی میری نگاہ میں آتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرا جانشین اور اسلام کا تیسرا خلیفہ ان پانچ میں سے ایک ہو۔ تم بلا رورعایت مجھے بتاؤ اور اگر

کوئی نام رہ گیا ہو تو بتا دو۔
دیکھو عثمانؓ اور علیؓ سب سے پہلے مستحق ہیں عثمانؓ کی خدمات علیؓ سے اور علیؓ کی عثمانؓ سے زیادہ ہیں اور یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں تیسرے زبیر بن العوام، چوتھے سعد بن ابی وقاص، پانچویں طلحہ بن عبدالرحمٰن تم جاؤ اور ان پانچوں کو میرے پاس لاؤ عبدالرحمٰن گئے اور چاروں کو ہمراہ لے آئے طلحہ بن عبدالرحمٰن کی بابت کہا کہ وہ موجود نہیں ہیں حضرت عمرؓ نے ان چاروں کو بٹھا کر کہا۔
"میری حالت لمحہ بہ لمحہ بگڑ رہی ہے اور میں بہت تھوڑی دیر کا مہمان ہوں میری خواہش ہے کہ خلیفہ کا انتخاب میرے سامنے ہو جائے تاکہ میرے بعد جھگڑا نہ ہو اور اسلام کو باہمی تنازعات سے نقصان نہ پہونچے۔ میں نے تم پانچ آدمیوں کو منتخب کیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ سرورِ عالم تم سے بہت خوش تھے اتفاق سے عبدالرحمٰن موجود نہیں ہیں۔ اب تم پانچوں آدمی ایک شخص کے متعلق فیصلہ کرو اور مجھے بتا دو تاکہ یہ معاملہ میری زندگی میں طے ہو جائے اور میں باطمینان مروں۔ میں تم سے اس قدر اور کہوں گا کہ انتخاب خلافت کے بعد تم میں جو خلیفہ ہو اس کو انصار کی دلجوئی کا ہر لمحہ لحاظ رکھنا چاہیئے یہ ہی الفاظ حضور اکرمؐ کے ہیں یہی خلیفہ اوّل کے۔ ایک اور ضروری بات بتائے دیتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ رعیت خلافت کی جڑ ہے اور رعیت میں مسلم و غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔ میں نے اپنی خلافت میں کوشش کی کہ مسلمان کی رعایت نہ کروں اور انصاف کے معاملہ میں مسلم و غیر مسلم کو ایک آنکھ سے دیکھا یہی وصیت تم کو کرتا ہوں۔ اب دو باتیں مجھے علیؓ اور عثمانؓ سے اور دو زبیر اور سعد سے کہنی ہیں عثمانؓ اگر مسلمان تم کو منتخب کریں تو گو تمہارے احسانات کا یہ صحیح معاوضہ ہو گا۔

مگر تمہارے مزاج میں رعایت اور مروت ضرورت سے زیادہ ہے ایسا نہ ہو کہ بنو امیہ کو بنو ہاشم اور انصار کے مقابلہ میں ترجیح دو اور مسلمانوں کی نضا ر اطمینان کو مکدر کردو، علیؓ سے بھی یہی کہنا ہے کہ ان کا انتخاب ان کی تمدیات کے مقابلہ میں جایز ہوگا لیکن ایسا نہ ہو کہ ہاشم کو امیہ انصار پر غلبہ حاصل ہوجا زبیر و سعد سے بھی یہی کہتا ہوں کہ اگر وہ خلیفہ ہوں تو بنی زہرہ کو خاص مراعات نہ دیں" اس وقت ایک شخص نے کہا کہ آپ خلافت کا فیصلہ اپنے صاحبزادے عبد اللہ کے حق میں کیوں نہیں کرتے؟ اس پر حضرت عمرؓ کو غصہ آیا اور جواب دیا "تجھے ایسا کہتے ہوئے شرم نہیں آتی مجھ کو خوش کرنا چاہتا ہے اور ایسی بات کہتا ہے جو اسلام کے واسطے انتہائی مضر ہو، وہ شخص جو اپنی بیوی کی طلاق کے بارے میں فیصلہ نہ کرسکا بھلا وہ مسلمان کے حقوق اور اسلام کے تنازعات کا کیا فیصلہ کرے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ جلد فیصلہ کرلو۔ میں تم کو تین گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔ اگر زندہ رہا تو انتخاب کا نتیجہ اپنے کانوں سے سن لوں" اس کے بعد اور سب نے مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہماری رائے میں اگر سعد بن زید بھی شریک ہوجائیں تو بہتر ہے" حضرت عمرؓ نے کہا ہر قبیلہ سے ایک آدمی کی ضرورت ہے قبیلہ عدی سے میں خود شریک ہوں اور اگر ضرورت ہوگی تو اپنی رائے پیش کروں گا۔ اس لئے تم لوگ جلد فیصلہ کردو یہاں چاروں نے متفقہ طور پر یہ تجویز پیش کی کہ امیر المومنین خود ہی فیصلہ کردیں۔ حضرت عمرؓ نے اس سے انکار کردیا اور کہا کہ تم چاروں کے حقوق میری رائے میں مساوی ہیں کسی ایک کے خلاف دوسرے کو رائے نہیں دے سکتا۔ بہتر ہوگا کہ مفاد اسلام کے واسطے تم آپس ہی میں فیصلہ کردو، میں تم کو تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اس عرصے میں مجھ کو موت آگئی اور میں یہ فیصلہ نہ دیکھ سکا تو خدا کی

مرضی سب سے بہتر ہے اور وہی اسلام کا حقیقی وارث ہے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے آنکھیں بند کر لیں اور درد کی تکلیف زیادہ ہونے لگی تو آپ نے کہا "اب تم لوگ جاؤ اور جو کام کرنا ہے وہ جس قدر جلد ممکن ہو ختم کرو ایک بات اور کہتا ہوں کہ اگر تم تین شخص ایک کے حق میں فیصلہ کر لو۔ اور باقی ایک آدمی الگ رہے اور متفق نہ ہو تو اس کو قتل کر دینا کہ اس کی وجہ سے فساد کا اندیشہ نہ ہو" اپنے صاحبزادے عبد اللہ سے کہا کہ "مشورہ میں تم بھی شریک ہو سکتے ہو مگر خلافت کے اُمیدوار نہیں ہو سکتے" دو روز بعد حضرت عمرؓ نے ان چاروں کو بلایا۔ اس وقت حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ سے مشورہ کیا کہ میرا جانا مناسب ہے یا نہیں" حضرت عباسؓ نے کہا کہ میں نے شروع میں بھی تم سے کہا تھا کہ رسول اللہ صلعم سے خلافت کے متعلق رائے لے لو۔ مگر تم نے رونے پیٹنے میں میری بات رد کر دی۔ اب بھی میری رائے یہ ہے کہ عمرؓ ہرگز بنو ہاشم میں سے کسی کو خلافت نہ دیں گے اگر تم نہ گئے اور خلافت کا مسئلہ طے ہو گیا تو ہم آسانی یہ کہہ سکیں گے کہ ہم اس فیصلہ سے متفق نہیں ہیں کیونکہ بنو ہاشم کا کوئی نمایندہ موجود نہ تھا" حضرت علیؓ نے اس رائے کو تسلیم نہ کیا اور حضرت عائشہؓ کے مکان میں جلسہ ہوا۔

دن بھر جلسہ رہا۔ رات بھر گفتگوئیں رہیں دوسرے دن اور دوسری رات بھی یوں ہی گذری مجبوراً عبد الرحمن بن عوف نے تیسرے دن یہ فیصلہ کیا کہ اب جبکہ تم میں سے ہر شخص اپنا حق فائق سمجھتا ہے تو فیصلہ کی ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ جو میں حکم دوں اس کی تعمیل کرو۔ چونکہ معاملہ بہت زیادہ اُلجھ گیا تھا اس لئے سب سے پہلے حضرت علیؓ نے اس رائے سے اتفاق کیا مگر یہ کہہ دیا کہ صرف اس شرط پر کہ تم حلف اُٹھاؤ اور وعدہ کرو کہ کسی کی رُو رعایت نہ کرو گے۔

جب ابن عوف نے عہد کر لیا تو وہ ایک علیحدہ جگہ جا کر بیٹھ گئے اور باری

باری سے ایک ایک کو بلانا شروع کیا سب سے پہلے حضرت علیؓ کو طلب کیا اور کہا "تمہارے حقوق اور بنو ہاشم کی طاقت تسلیم لیکن اگر میں یہ فیصلہ کردوں کہ تم کو خلافت نہ ملے گی تو بتاؤ تمہاری رائے کس کی طرف ہوگی" حضرت علیؓ نے کہا حضرت عثمانؓ کی" اسی طرح حضرت عثمانؓ سے بلا کر کہا تو انہوں نے جواب دیا حضرت علیؓ کی جب حضرت زبیر اور حضرت سعد سے پوچھا تو ان کی رائے بھی حضرت عثمانؓ کی طرف گئی۔ اس کے بعد کھلی مجلس میں عبدالرحمٰن بن عوف نے اعلان کیا کہ "اب تک کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہے کہ خلافت عثمانؓ یا علیؓ دونوں میں سے ایک کو ملنی چاہیئے، اب میں مسلمانوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ آج رات کی اجازت اور دیں کل میں اس کا فیصلہ کردوں گا اور سب سے پہلے خود ہی بیعت کا ہاتھ ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف بڑھا دوں گا۔

ہمارا قلم اب بھی اس کے واسطے تیار نہیں ہے کہ اپنی رائے کا اظہار کرے ہم صرف واقعات لکھے دیتے ہیں اب یہ پڑھنے والوں کا کام ہے کہ وہ نتیجہ نکالیں، یہ مدت جس کی صبح کو تیسری خلافت کا فیصلہ ہونے والا تھا اشخاص متعلق پر عجیب طرح سے گذری عبدالرحمٰن بن عوف نے رات کو بہت سے آدمی جمع کئے اور مفصل کیفیت بیان کی، ان لوگوں میں معاویہ کے باپ ابوسفیان جو یزید کے دادا تھے موجود تھے وہ یہ سنتے ہی کہ انتخاب حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے حق میں ہے اور ممکن ہے کہ خلافت حضرت علیؓ کو مل جائے سیدھے عمرو بن عاص کے پاس پہنچے اور حقیقت سنائی۔ انہوں نے ابوسفیان سے وعدہ کیا کہ میں ابھی اس کا انتظام کرتا ہوں کہ علیؓ خلیفہ نہ ہونے پائے اور سیدھے حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور کہا قریب قریب سب کی رائے تمہارے ساتھ ہے۔ اب تم وہ کرو جو میں کہوں "حضرت علیؓ کو کیا معلوم کہ عمرو بن عاص کی نیت کیا ہے

انہوں نے جب وعدہ کر لیا تو اس نے کہا کہ عبد الرحمن نے اگر تم کو خلیفہ مقرر کیا تو وہ یہ وعدہ لیں گے کہ رسول اللہ اور ہر دو خلفاء کی پیروی کرنا۔ تم اس کے جواب میں خاموش رہنا تاکہ لوگ یہ سمجھ کر کہ علیؓ خلافت کے شیدا ہیں بد دل نہ ہوں اور شان رسالت میں فرق نہ آئے۔ تم کہنا وعدہ تو نہیں کرتا۔ کوشش کروں گا۔ حضرت علیؓ کو یہ مشورہ دے کر عمرو سیدھے حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے اور کہا کل جب تم کو خلافت ملنے کا وقت آئے اور عبد الرحمن رسول اللہ صلعم اور خلفاء کی پیروی کا عہد لیں تو فوراً منظور کر لینا۔ حضرت عثمانؓ نے شکریہ ادا کیا اور عمرو بن العاص نے یزید کے دادا ابوسفیان کو اپنی کوشش اور کامیابی کا یقین دلا دیا۔

رات ختم ہوئی اور نماز فجر کے بعد عبد الرحمن بن عوف نے زبیر اور سعد کو طلب کیا اور ان سے کہا اب تمہاری کیا رائے ہے۔ سوچ سمجھ کر جواب دو کیونکہ آج فیصلہ کا دن ہے"۔ ان دونوں نے جواب تک حضرت عثمانؓ کے حق میں رائے دے رہے تھے اس وقت حضرت علیؓ کے حق میں رائے دی مسلمانوں کا جم غفیر خلافت کے فیصلہ کا منتظر ہے اور مسجد نبوی میں چھوٹے بڑے سب جمع۔ عبد الرحمن ابن عوف جو خود خلافت کے حقوق سے دست بردار ہو چکے ہیں قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں۔ مگر نہ صرف اپنی رائے سے بلکہ عامہ مسلمین کی۔ انہوں نے اب آخری فیصلہ کے واسطے کھڑے ہو کر کہا "خلافت کے سلسلہ میں اس وقت جو کچھ ہوا وہ یہ ہے کہ عثمانؓ اور علیؓ پر نظریں ہیں، اب ان دو میں فیصلہ مشورہ عام سے ہوگا۔ آپ لوگ تصفیہ کیجئے اور عام رائے سے انتخاب کیجئے"۔

ابن عوف جب اپنی تقریر کر چکے تو عمار بن یاسر نے حضرت علیؓ کے حق میں رائے دی اور ایک شخص حضرت مقداد نے اس کی تائید کی۔ ان دونوں کی رائے ہو چکی تو عبد اللہ ابن سرح نے جو حضرت عثمانؓ کے بھانجے تھے اپنے ماموں کو منتخب کیا

عبداللہ مرتد ہو چکا تھا اور اس کے قتل کا فیصلہ کر دیا گیا تھا اور ایک عرصہ سے بھاگا ہوا تھا اس کی رائے سے عمار بن یاسر رنجیدہ ہوئے اور سخت کلامی سے پیش آئے بات بڑھ گئی اور نوبت سخت کلامی سے گالی گلوچ تک اور پھر ہاتھا پائی تک پہنچی۔

مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف پریشان ہوئے اور ابن عوف نے باآواز بلند کہا جھگڑا موقوف کرو میں فیصلہ کرتا ہوں"۔ لوگ ادھر متوجہ ہوئے تو انہوں نے حضرت علیؓ کو پاس بلا کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا وعدہ کرو کہ ارشاد نبوی کی تعمیل کروں گا۔ اسوۂ رسول کو ایمان سمجھوں گا اور ہر دو خلفاء کے نقش قدم پر چلوں گا"۔ یہ خلافت کا فیصلہ تھا اور حضرت علیؓ کا انتخاب ہو چکا تھا مگر شب گذشتہ کو عمرو بن عاص نے حضرت علیؓ کو جو پٹی پڑھائی تھی وہ خالی جانے والی نہ تھی حضرت علیؓ نے اس وعدہ کے موافق جو ابن عاص سے کیا تھا حضرت عبدالرحمن بن عوف کے الفاظ دوہرانے میں تامل کیا اور فرمایا کہ میں وعدہ تو نہیں کرتا البتہ کوشش کروں گا کہ اسوۂ رسول (صلعم) اور دونوں خلفا کے طرز عمل کو پیش نظر رکھوں"۔ اس جواب سے مجمع دم بخود رہ گیا اور وہ گروہ جو حضرت علیؓ کے حق میں تھا حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگا۔ عبدالرحمن بن عوف جن کو اندرونی سازش کا پتہ نہ تھا اور عمرو بن العاص اور خاندان یزید کی کوشش سے بے خبر تھے حضرت علیؓ کے اس جواب سے برہم ہوئے اور کہا ہم کو ایسے بزدل خلیفہ کی ضرورت نہیں" یہ کہہ کر حضرت عثمانؓ کو اپنے پاس بلایا اور یہی الفاظ ان کے سامنے پیش کئے۔ انہوں نے فوراً قبول کر لیا اور سب سے پہلے حضرت ابن عوف نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اس کے بعد ہر طرف سے ہاتھ بڑھے اور حضرت عثمانؓ خلیفہ ہو گئے۔ جب حضرت علیؓ وہاں سے جانے لگے تو بن عوف نے ان سے کہا تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میرے حکم کی تعمیل کرو گے اور میری رائے سے اتفاق کرو گے؟ اب جبکہ حضرت عثمانؓ خلیفہ منتخب

ہوئے تم کو ان کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہئے ورنہ تم کو معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے ہے کہ جو شخص اختلاف کرے اس کو قتل کر دینا۔ حضرت علیؓ نے یہ سن کر بیعت کی اور اس طرح تیسری خلافت کا فیصلہ ہوا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت

اسلامی تنازعات میں حضرت عمرؓ کی شہادت سے بہت بڑا اضافہ ہوا اس لئے ایک مختصر کیفیت حضرت عمرؓ کی شہادت کی اس لئے بیان کرنی ضروری ہے کہ یہ تمام جھگڑے مسلمانوں کی سمجھ میں اچھی طرح آجائیں اور وہ خود ہی فیصلہ کریں کہ اسلام کی ابتدائی تاریخ کیسی کیسی کاوشوں کا مرکز بنی اور حالات نے کس طرح زیادتی پیدا کر دی مغیرہ بن شعبہ ایک متمول آدمی تھے اور ان کے غلام کا نام ابو لولو تھا اس غلام نے کوشش کی کہ وہ مالک کے پنجہ سے نکلے اور آزاد ہو جائے مگر وہ کسی طرح کامیاب نہ ہو سکا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے ان کے پاس رہنے سے انکار کر دیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ فیروز عرف ابو لولو دو درم روزانہ اپنے آقا مغیرہ کو دیا کرے اور آزاد رہے فیروز اپنی شکایت لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا آپ خلیفہ وقت ہیں میرا فیصلہ فرمایئے۔ دو درم جو مجھ پر مقرر کئے گئے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں اور میں بآسانی ادا نہیں کر سکتا حضرت عمرؓ نے اس سے دریافت کیا کہ اس کے پاس کسب معاش کے کیا ذرائع ہیں۔ اور کون کون سے کام کر سکتا ہے فیروز نے کہا میں کئی کام جانتا ہوں لیکن لوہار کا کام اچھی طرح کر سکتا ہوں ضرورت ہو تو نقاشی بھی کر سکتا ہوں اور قصاب کا کام بھی جانتا ہوں، حضرت عمرؓ نے کہا پھر تجھ کو دو درم دینے مشکل نہیں ہیں۔

یہ فیصلہ فیروز کو بہت ناگوار ہوا اور اس نے وہیں کھڑے کھڑے طے کر لیا کہ خلیفہ کے قتل سے اس فیصلہ کا بدلہ لوں گا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا تو چکی

بھی بنا سکتا ہے اس نے کہا ایسی اچھی کہ دنیا میں ایسی نہ نکلے حضرت عمرؓ نے کہا کہ بس تو ایک میرے واسطے بنا دے اس نے وعدہ کیا کہ ہاں بنا دوں گا۔ اور بات ختم ہو گئی۔

اسی سلسلہ میں جو نام ہیں ان کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے فیروز عرف ابو لولو مغیرہ کا غلام حضرت عمرؓ کا قاتل عبد الرحمٰن بن ابی بکر خلیفہ اول کا صاحبزادہ ہرمزان حضرت عباس کا غلام جبہ سعد ابن ابی وقاص کا آزاد کیا ہوا غلام حضرت عثمانؓ خلیفہ وقت حضرت علیؓ۔

فیروز کے خلاف عمرؓ کے فیصلہ کا تیسرا روز تھا کہ نماز فجر میں فیروز آکر پہلی صف میں شریک ہوا اور جس وقت حضرت عمرؓ نماز کے واسطے داخل ہوئے اس نے آگے بڑھ کر اپنا خنجر کمر میں زور سے بھونکا۔ حضرت عمرؓ پلٹے مگر اس سے پہلے کہ کچھ کر سکیں اس نے کئی وار کئے اور ایک وار زیر ناف اس قدر سخت تھا کہ تمام جسم لہولہان ہو گیا اس کے بعد فیروز صفیں چیرتا ہوا بھاگا۔ مگر نمازیوں میں سے ایک شخص نے اسے پکڑا اور اسی کا خنجر اس کے زور سے بھونکا۔ وہ جانبر نہ ہو سکا اور مر گیا

حضرت عمرؓ فیروز کے وار سے زخمی ہو کر گر پڑے اور ان کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے عبد اللہ سے خلیفہ اول کے صاحبزادے عبد الرحمٰن نے کہا یہ قتل صرف ایک شخص کا کام نہیں ہے بلکہ پوری سازش کا نتیجہ ہے اور میں سمجھتا ہوں اس میں ہرمزان اور جبہ بھی شریک ہیں اور یہ میں اس وجہ سے کہتا ہوں کہ ایک روز میں نماز فجر کے بعد جب اپنے گھر جا رہا تھا تو میں نے راستہ میں ان تینوں غلاموں کو اکڑوں بیٹھے اور کانا پھوسی کرتے دیکھا مجھے مطلق شبہ نہ تھا مگر فیروز میری صورت دیکھ کر بھاگا اور اس کے اٹھتے ہی یہ دونوں بھی اٹھے اور بھاگنے لگے فیروز کی کمر سے یہی خنجر جو اس وقت اس کے پاس تھا گرا اور اس نے اٹھا کر ان دونوں سمیت راہ فرار اختیار کی میں معاملہ کو بالکل سمجھ نہ سکا اور میرا ذہن اس طرف منتقل نہ ہوا۔

لیکن اب میں دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس قتل میں فیروز کے ساتھ ھرمزان اور جبینہ شریک ہیں اور اگر زیادہ نہیں تو ان دونوں کا سازش سے گہرا تعلق ہے" عبداللہ ابن عمرؓ یہ بیان سنتے ہی آپے سے باہر ہوگئے اور تلوار لئے ہوئے سب سے پہلے ھرمزان کے پاس پہونچے جو اس وقت گھر پر موجود تھا آواز سنتے ہی باہر نکلا تو ابن عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو میرے باپ کی شہادت میں شریک ہے" ھرمزان بجائے اس کے کہ کوئی جواب دیتا خاموش ہوگیا اور اس کی خاموشی کو عبداللہ بن عمرؓ نے اقرار سمجھ کر قتل کر دیا۔ ھرمزان کے قتل کے بعد عبداللہ ابن عمرؓ جبینہ کی تلاش میں سعد بن ابی وقاص کے گھر پہونچے اور اس کو آواز دی اس سے بھی یہی سوال کیا اور جب اس نے بھی کوئی معقول جواب نہ دیا تو اس کو بھی قتل کیا۔ غلام کی آواز سن کر سعد باہر نکلے اور دیکھا کہ ان کا غلام جبینہ زمین پر تڑپ رہا ہے سعد بن ابی وقاص معمولی آدمی نہ تھے۔ غلام کو دیکھ کر ان کو غصہ آیا اور عبداللہ سے کہا کہ "تو نے میرے غلام کو کس جرم میں قتل کیا" عبداللہ غصہ میں سرخ تھے۔ کہنے لگے" میرے باپ کے خون کی بو تجھ میں بھی آرہی ہے اور تجھ کو بھی قتل کرونگا اتنا سنتے ہی سعد نے عبداللہ کو پکڑ کر تلوار چھین لی اور لوگوں کو آواز دی آناً فاناً بہت سے آدمی جمع ہوگئے اور عبداللہ کی مشکیں باندھ لیں۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کا پہلا مقدمہ

معاملہ اگر یہیں تک ختم ہوجاتا تو مضائقہ نہ تھا اس کے بعد مقدمہ نے جو صورت اختیار کی اس نے رنجشوں کے تودے لگا دیئے اور جو حالتیں اب تک دل میں چھپی ہوئی تھیں وہ سامنے آگئیں۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ تھے اور ان کے سامنے سب سے پہلا معاملہ یا مقدمہ وہ پیش ہوا جس میں عبداللہ ابن عمرؓ بحیثیت قاتل کے

گرفتار تھے حضرت علیؓ کی رائے ہوئی کہ عبداللہ بن عمرؓ پر قصاص واجب ہے
اسلام میں امیر اور غریب آقا اور غلام کی کوئی تخصیص نہیں اگر عبداللہ امیرالمومنین عمرؓ
کا لڑکا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ غلام کے مقابلہ میں انصاف ہاتھ سے چھوڑا جائے۔
مسلمانوں کا بڑا فریق اس رائے کے ساتھ تھا۔ مگر چند آدمیوں کی رائے یہ تھی کہ
عبداللہ بن عمرؓ کی شہادت اسلام میں رخنہ پیدا کرے گی اور لوگ سمجھیں گے کہ حضرت
عمرؓ کے بعد مسلمانوں نے اپنی ناخوشی کا اظہار اس طرح کیا حضرت عثمانؓ نے فیصلہ یہ کیا
عبداللہ بن عمرؓ کی طرف سے غلام کا خونبہا بیت المال سے دلایا جائے۔ حضرت
علیؓ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا بیت المال سے اور عبداللہ بن عمرؓ
سے کیا واسطہ قوم کو ایک شخص کے ذاتی فعل سے کیا غرض۔ حضرت علیؓ کی رائے سے
بہت سے مسلمانوں نے اتفاق کیا۔ مگر وہ چند آدمی جو ابن عمر کے ساتھ تھے بدستور
اڑے رہے۔ اس جھگڑے کا فیصلہ حضرت عثمانؓ نے اس طرح کیا کہ میں بیت المال
کی بجائے۔ اپنے پاس سے خونبہا دیدوں گا۔ بظاہر یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا لیکن مسلمانوں
کے دل جو کدورتوں سے بھرے تھے اس واقعہ سے اندر ہی اندر اور بگڑنے لگے۔
حضرت عثمانؓ کی خلافت کو اس کتاب سے بظاہر کوئی واسطہ نہیں مگر ان کی شہادت
اس لئے متعلق ہے کہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ بنو امیہ اور بنو ہاشم کے آگ کے
شعلے کس سرعت سے بڑھ رہے تھے اور پیش خیمہ تھے اس جنگ عظیم کا یعنی ظلم یزید کا جو کربلا میں لوٹا

حضرت عثمانؓ کی دردانگیز شہادت

شہادت عثمانؓ غنی میں جو نام آ رہے ہیں ان کو اس طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے
مروان بن الحکم (بنی امیہ میں ایک شخص چھوٹی حیثیت کا) عبداللہ بن سعد بن سرح
(حضرت عثمانؓ کا بھانجا) ابوذر غفاری (صحابی رسول اللہ) امیر معاویہ (صحابی اور

یزید کے باپ حضرت نائلہ (حضرت عثمانؓ کی بیوی) امام حسنؑ (حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے) امام حسینؑ (حضرت علیؓ کے چھوٹے صاحبزادے) کنانہ (ایک مصری کیسرہ اور سودان (معمولی مسلمان) ابن ابی مکاہل (جس کے باپ کو حضرت عثمانؓ نے قید کیا تھا) محمد بن ابوبکرؓ (خلیفہ اول کے صاحبزادے)

حضرت عثمانؓ کی نرمی سے مسلمان پہلے ہی باخبر تھے عبداللہ بن عمرؓ کے چھوڑ دینے پر اور بھی بدعقیدہ ہوگئے اور باوجود اس کے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو خصوصیت سے سمجھا دیا تھا ان کی خلافت میں بعض نا اہل امور خلافت پر قابض ہوگئے عبداللہ بن سعد حضرت عثمانؓ کا بھانجہ جس کی بابت حضرت اکرم نے قتل کا حکم دیا تھا اور وہ اپنی تدابیر اور مکر سے فرار ہوگیا تھا۔ اس وقت مصر کا گورنر یعنی حاکم اعلیٰ مقرر ہوا اور اپنی شرارتوں کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ قریب قریب تمام صوبوں کی حکومت بنو امیہ کے ہاتھ میں آگئی اور یہ لوگ جو جی چاہتا کرتے تھے۔ اگر حضرت عثمانؓ تک شکایت پہنچتی تھی تو وہ اپنے حاکموں کی حمایت کرتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ بنو ہاشم بنو امیہ کی طرف سے اور بددل ہوگئے اور جن لوگوں کو فریقین سے کوئی تعلق نہ تھا وہ بھی خلافت کو وبال سمجھنے لگے حضرت عثمانؓ نے ایک شریر النفس شخص مروان کو سپید وسیاہ کا مالک مقرر کر معتمد خاص بنا دیا۔ جو کچھ وہ کہتا تھا وہی کرتے تھے اور اس کی ہر تجویز سے متفق ہوتے تھے۔

ابوذر غفاری ایک جلیل القدر صحابی تھے اور حضور اکرمؐ کو ان کی ذات پر اس قدر اعتماد تھا کہ باوجودیکہ ہر وقت اللہ اللہ کے سوا کچھ نہ کرتے تھے ان کو ایک موقعہ پر میدان جنگ کا سپہ سالار مقرر فرما دیا اور خدا کی قدرت کہ فتح ہوئی وہ شام میں موجود تھے اور معاویہ وہاں کے حاکم انھوں نے جب امیر معاویہ کی لغزشیں دیکھیں تو ٹوک دیا اور چھپ چھپاتے نہیں بڑی بڑی مجلسوں میں معاویہ بہت پریشان

ہوئے اور یہ دیکھ کر کہ ابوذر غفاری میرے مرتبہ کا مطلق لحاظ نہیں کرتے مجبور ہوئے کہ ان کے خلاف حضرت عثمانؓ کو لکھیں، حالانکہ امیر معاویہ اور حضرت عثمانؓ دونوں کو معلوم تھا کہ ابوذر خلاف مذہب کوئی بات خواہ کسی کی ہو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور سنت رسول اللہ سے دور کسی کو دیکھنا پسند ہی نہیں کرتے تھے یہ وہ عادت یا طریقہ تھا جس کی سرور عالمؐ نے ہمیشہ عزت کی اور ابوذر غفاری کا احترام کیا مگر معاویہ کی شکایت پر حکم دیا گیا کہ ابوذر غفاری کو یہاں بھیجو۔ وہ سامنے آئے تو جو کچھ معاویہ سے کہتے تھے اس سے زیادہ امیر المومنین کو سنائیں اور کہا حضورؐ نے فرمایا تھا کہ ابوذر غفاری تنہا رہے گا۔ اور تنہا مرے گا۔ اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں کسی طرف نکل جاؤں۔" ابوذر غفاری بات کے ایسے دھنی تھے کہ شام سے پیدل چلے اور مدینہ پہنچ کر اسی حالت میں امیر المومنین کے سامنے جا کھڑے ہوئے حضرت عثمانؓ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور وہ ایک معمولی گاؤں میں چلے گئے۔ صحابہ کو حضرت عثمانؓ کا یہ طرز عمل شاق گذرا بلکہ بعض نے تو ان کے منہ پر رکھ دیا کہ جس شخص کی رسول خدا نے عزت کی اس کی تم نے اہانت کی"۔

بنو امیہ اور بنو فاطمہ تو الگ رہے ان رنجشوں نے مسلمانوں کا ایک اچھا خاصہ دنگل تیار کر دیا۔ اس سے بھی زیادہ تلخ واقعہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلعم نے ہمیشہ منا میں نماز کی دو رکعتیں پڑھیں مگر حضرت عثمانؓ نے چار پڑھیں مسلمان سنت رسول کے عاشق تھے بگڑ گئے اور کہا حضور نے ہمیشہ یہاں دو پڑھیں تم امیر المومنین ہو کر ان کے خلاف کرتے ہو۔ حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کو یہ کہہ کر مطمئن کرنا چاہا کہ وہ قصر فرماتے تھے میں نے قصر نہیں کیا۔ مگر مسلمان تو اپنے آقا کے نام پر پروانے تھے ان کی سمجھ میں یہ عذر نہ آیا اور ان کا غصہ بڑھ گیا۔

ان اختلافات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں بدامنی پھیل گئی اور رعیت بغاوت پہ

کمربستہ ہوگئی۔ کوفہ ان بانیان فساد کا مرکز قرار پایا مختلف گروہوں کے ساتھ نمائندے بنائے گئے جب ان کی شرارت اور بغاوت کا علم حاکم کوفہ کو ہوا تو اس نے فوراً حضرت عثمان رضؓ کو اطلاع دی جہاں سے یہ حکم نافذ ہوا ان لوگوں کو شام میں معاویہ کے پاس بھیجدو یہ لوگ حکومت کا تختہ الٹ دینے کا بیڑا اٹھا چکے تھے، امیر معاویہ کے ہاں پہنچے تو وہاں بھی اپنے خیالات کی اشاعت کی اور چند ہی روز میں اتنے کامیاب ہوئے کہ ایک بڑا فریق ان کے ساتھ ہو گیا امیر معاویہ نے اس کیفیت کی اطلاع حضرت عثمان رضؓ کو دی۔ اس وقت حمص کی گورنری عاص ہی کے ہاتھ میں تھی اور وہ نہایت جابر اور سخت آدمی تھا حضرت عثمان رضؓ نے معاویہ کو لکھا کہ ان سانوں آدمیوں کو حراست میں حمص روانہ کرو حمص پہنچکر انھوں نے شام کی طرح رعیت کو ہم خیال بنانا شروع کیا مگر عاص نے اس کو سخت سزائیں دیں اور اتنے درے لگوائے کہ پریشان ہو گئے اور حمص سے بھاگ کر پھر کوفہ پہونچے۔

خلافت کے کاغذات پر اب تک حضور اکرمؐ کی مہر ہوتی تھی یہ مہر رسول اللہ صلعم کی انگوٹھی میں تھی جو شیخین کے پاس رہی اور اب خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضؓ کے پاس تھی، وہ ایک روز کنوئیں پر کھڑے تھے۔ انگوٹھی جس میں مہر تھی انگلی سے اتاری تو قدرت کی بات تھی کہ انگوٹھی ہاتھ سے چھوٹ کر کنوئیں میں گری۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کیں اور وہ فریق جو حضرت عثمان رضؓ کے خلاف تھا علی الاعلان کہنے لگا کہ امیر المومنین نے جان بوجھ کر یہ انگوٹھی کنوئیں میں پھینکی اور جس طرح نماز کی رکعتوں میں انھوں نے سنت رسول کی توہین کی اسی طرح اس انگوٹھی کی بھی بے عزتی کی حضرت عثمان رضؓ نے کنوئیں کا تمام پانی نکلوایا اور کونہ کونہ چپہ چپہ ڈھونڈھ ڈالا مٹی چھنوائی گارا دھلوایا لیکن انگوٹھی نہ ملنی تھی نہ ملی۔ البتہ اس کی یادگار یہ باقی رہ گئی کہ جو مسلمان خلافت کے مخالف تھے ان کو اور تقویت پہنچی سانوں باغی اور سرکش

عبداللہ بن سرح کی تقریر خالی نہ گئی اور عام طور پر مصر میں خلافت عثمانؓ کے
خلاف جلسے ہونے لگے اور یہ فیصلہ ہوا کہ مدینے چل کر حضرت عثمانؓ کو معزول کرو اور
حضرت علیؓ کو خلافت دلواؤ حضرت علیؓ نے اس موقعہ پر باغیوں کو اچھی طرح سمجھایا اور
ان سے کہا جو خلافت انتخاب سے عمل میں آئی اب اس میں تم لوگوں کو رخنہ اندازی نہ کرنی
چاہئیے اور اس طرح اسلام کو کمزور کرنا مسلمانوں کی بڑی غلطی ہوگی۔ مگر یہ لوگ جو بنوہاشم پر
حمدود نہ تھے رضامند نہ ہوئے اور مدینہ روانہ ہوگئے حضرت علیؓ بھی یہ سمجھ کر کہ کہیں یہ بدبخت
فتنہ نہ برپا کریں مدینے آئے۔ جب حضرت عثمانؓ کو یہ خبر پہونچی تو انھوں نے مسلمانوں سے
مدد مانگی ان مسلمانوں میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے چنانچہ ان میں سے تین شخص گفتگو کیواسطے
تیار ہوگئے حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ ان تینوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپنے یہ کیا کیا بیت المال کا روپیہ اُنکو دیا جو اسکے اہل نہ تھے
اور اپنے بھانجے کو پندرہ ہزار درہم دیدیئے حضرت عثمانؓ نے اسکو غلط تسلیم کرلیا اور
یہ کہا کہ روپیہ میں خود لاکر دوں گا۔ یہ تینوں بزرگ خلافت کے درپے نہ تھے جب ان کو
اطمینان ہوگیا تو انھوں نے وعدہ کیا کہ اب ہم آپ کے ساتھ ہیں مگر فتنہ پرداز رضامند نہ ہوئے
اور اپنی شرائط پر اڑے رہے۔ اور خلافت کا تختہ الٹ دینے کی تمام کوششیں کام میں لائے
اب مسجد نبویؐ میں ایک جلسہ عام ہوا اور حضرت عثمانؓ نے تقریر کی کہ یہ لوگ فتنہ برپا
کرنے آئے ہیں حضرت علیؓ نے رائے دی کہ مفسدوں کو قتل کردینا چاہئیے کیونکہ خلافت کے
خلاف یہ جو کچھ کر رہے ہیں۔ یہ اسلام کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔

عبداللہ بن سبا نے اپنے مذہب کی اشاعت کا بہترین ذریعہ یہی سمجھ رہا تھا کہ
کسی طرح مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کردے۔ اسنے چالاکی کی کہ بظاہر مسلمان ہوگیا اور اسلامی
معاملات میں ایسی غیر معمولی دلچسپی لینی شروع کی کہ مسلمان اس کی شرارت کو صداقت
سمجھنے لگے۔ اس وقت جو حضرت علیؓ کا رویہ اس نے دیکھا کہ وہ حضرت

عثمانؓ کے ساتھ ہو کر فتنہ پردازوں کے قتل کی رائے دیتے رہتے ہیں تو وہ دنگ رہ گیا اور اسکے سوا چارہ نہ دیکھا کہ تمام مفسدوں کو لے کر کوفہ چلا جانے مگر تھوڑے ہی روز بعد حج کے موقع پر ایک بڑی جمعیت کو ساتھ لے کر اس غرض سے آیا کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کرے اور جب اسلام کی طاقت فنا ہو جائے تو جو فریق اس کا ہمنوا ہو اسکو اپنا حلقہ بگوش کرلے۔ یہ گروہ مسلح تھا اور حج کے بہانے سے آیا تھا جو تین ساڑھے تین ہزار آدمیوں سے کم نہ تھا۔ انہوں نے مدینہ سے تین میل ادھر قیام کیا اور یہاں پہنچتے ہی پہلا کام یہ کیا اور اعلان کر دیا کہ ہم حضرت عثمانؓ کے معاملات کی جانچ پڑتال کرنے آئے ہیں انکی وجہ سے اسلام کو کافی نقصان پہنچ چکا اور پہنچ رہا ہے ہم انکو معزول کریں گے۔ اور اگر حضرت علیؓ خلافت منظور نہیں کرتے تو دوسرا خلیفہ منتخب کریں گے۔ یہ پیام جس وقت طلحہ اور زبیر کو پہنچا تو وہ پریشان ہو گئے۔ دشمن کی جمعیت خاصی تھی اور اس میں کوفہ، بصرہ، اور مصر تک کے لوگ شامل تھے حضرت عثمانؓ نے یہ کیفیت دیکھ کر معاملہ طلحہ زبیر اور علیؓ کے سپرد کر دیا۔ ان لوگوں نے باہمی فیصلہ کیا کہ معاملہ اس طرح طے کرو کہ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے۔ اگر دب گئے اور انکی توقعات پوری کر دیں تو اسلام فنا ہو جائیگا اور مقابلہ کیا تو سینکڑوں مسلمانوں کا خون گرے گا اور مفت کی خون ریزی ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ ان سے گفتگو کیجائے چنانچہ ان تینوں کے مشورے سے یہ معاملہ سلجھ گیا اور باقی اپنے اپنے گھر چلے گئے صرف شرط یہ قرار پائی کہ مصر کا گورنر معزول کر دیا جائے۔

ان تینوں بزرگوں کے فیصلے سے معاملہ طے ہو گیا تھا مگر وہی کمبخت مروان اس موقع پر پھر رنگ لایا اور جب دیکھا کہ فتنہ فرو ہو گیا تو اس نے حضرت عثمانؓ کو بھڑکایا اور کہا کہ آپ کی طاقت خاک میں مل گئی اور خلافت آپکی نہیں ہے۔ علیؓ، طلحہ اور زبیر کی ہے۔ یہ نہ معلوم آپ کی کیا کیا مٹی پلید کرینگے۔ مناسب یہ کہ آپ مسلمانوں کا ایک

عام جلسہ کیجئے اور صاف صاف کہہ دیجئے کہ میں تلوار کے زور سے فتنہ فرو کر سکتا ہوں اور اگر تم لوگ اس پر آمادہ نہ ہوں تو میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ حضرت عثمان رضؓ نے اس بدبخت کے کہنے سے ایک جلسہ منعقد کر کے یہی مفہوم ادا کر دیا۔ لوگ پہلے ہی بددل ہو رہے تھے۔ بنو ہاشم حضرت علی رضؓ کے کہنے سننے سے دب تو گئے تھے مگر دل صاف نہ تھے اس تقریر نے زخموں پر نمک چھڑک دیا اور جلسہ میں ایک متفقہ آواز بلند ہوئی کہ

"عثمان توبہ کر اور اسلام کو فنا نہ کر"

باغی بھی آ موجود ہوئے تھے۔ انکا سرغنہ ابن سبا مجمع کو بھڑکا رہا تھا، اتنی شہ پاتے ہی ابی عمرو بن عاص جن کا ہاتھ خلافت میں پوری طرح کام کر رہا تھا۔ اپنے الفاظ کو بار بار دہرانے لگے "عثمان رضؓ توبہ کر اور اسلام کو فنا نہ کر"

ان کے ساتھ تمام مسلمانوں کی یہی صدا بلند ہوئی تو حضرت عثمان رضؓ کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے مگر امیر المومنین کے آنسو مسلمانوں کی اس آگ کو نہ بجھا سکے۔ حضرت علی رضؓ یہ رنگ دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور حضرت عثمان رضؓ سے کہا آپ نے یہ کیا کیا، آپ سے کس نے یہ تقریر کرنے کو کہا تھا۔ اپنے بھانجے عبداللہ کو پروانہ لکھنے کی جو شرط تھی وہ ابتک پوری نہیں ہوئی اور وہ بدستور کام کر رہا ہے۔ بیت المال کا روپیہ آپ نے بے جا صرف کیا۔ مروان دو دن کا لڑکا کل کا غلام آج اس قابل ہو گیا کہ امور خلافت میں دخل دے معاویہ صرف آپ کی وجہ سے میرے خلاف ہے"

حضرت عثمان رضؓ روتے ہوئے طلحہ رضؓ زبیر رضؓ اور حضرت علی رضؓ تینوں کی طرف بڑھے اور کہا "اب جو آپ فرمائے وہ کروں گا" حضرت علی رضؓ نے کہا غلطیوں کا اقرار کیجئے اور کہئے کہ میں بشر ہوں سہو و خطا سے مرکب، مسلمانو! معاف کرو۔ میں اس کا تدارک کرتا ہوں۔ حضرت عثمان رضؓ نے اس مشورہ پر عمل کیا ادھر حضرت علی رضؓ کی تحریک پر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضؓ نے مسلمانوں کو سمجھایا اور کسی نہ کسی طرح بات ختم ہو گئی۔ مگر اب

سب سے بڑا مطالبہ عبداللہ کا تھا جس پر صلح مشروط تھی اور جس کی تعمیل اب تک نہ ہوئی تھی چنانچہ ایک حکم امیر المومنین کی طرف سے اس کے نام جاری کیا گیا کہ فوراً اپنے عہدہ سے دست بردار ہو کر گورنری محمدؐ بن ابوبکر کے حوالے کرے، یہاں تک معاملہ رو براہ تھا سب کام مرضی کے موافق ہو گئے حضرت عثمانؓ بھی خوش اور مسلمان بھی، مگر اب ایک اور گل کھلا اور وہ یہ کہ قاصدین چار ہی منزل گیا تھا کہ ایک ناقہ سوار جاتا نظر آیا۔ محمدؐ بن ابوبکر کے ہمراہیوں نے پوچھا کم بھاگ عبداللہ کو معطل کرنے جا رہے تھے اس کو دیکھ کر روکا اور جب یہ معلوم ہوا کہ امیر المومنین کے غلام کا اسوقت جانا کوئی معنیٰ رکھتا ہے تو تلاشی لی اس کے پاس سے امیر المومنین کا ایک خط نکالا جو عبداللہ کے نام تھا اور اس میں لکھا تھا کہ محمدؐ بن ابوبکر کو فوراً قتل کرے۔ اور جن لوگوں نے بغاوت کی ہے ان کو پوری سزا دے۔ یہ خط پڑھ کر مسلمان آگ بگولا ہو گئے اور قاصد کو پکڑ کر گالیاں دیتے برا کہتے اور چیختے چلاتے مدینے لوٹے، حضرت عثمانؓ نے قسم کھائی کہ مجھے اس خط کا علم نہیں اور مجھے مہر کی بھی خبر نہیں کہ کسنے لگائی اور کب لگائی مسلمان آپے سے باہر تھے اور تلواریں نیام سے باہر نکال لی تھیں مگر حضور اکرم کی صحبت میں وقت گزار چکے تھے، اس لئے جوہر انسانیت بھی ایسا معدوم نہ ہوا تھا کہ کھرے کھوٹے کی تمیز نہ کر سکیں۔ انہوں حضرت عثمانؓ کی قسم کا یقین کر لیا اور فیصلہ کیا کہ یہ تمام کارستانی نمک حرام مروان کی ہے اور وہ انگوٹھی جو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے گم ہوئی وہ اسی کے قبضہ میں ہے اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ امیر المومنین اگر بے گناہ ہیں تو ہم کو پرخاش نہیں مگر مروان کی شرارتیں اب اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ برداشت کی قوت باقی نہیں، اس لئے مروان کو ہمارے حوالے کیجئے کہ ہم اس کی بدمعاشیوں کی سزا دے کر اپنا دل ٹھنڈا کریں اور اسلام کو ایسے مکار سے پاک کر دیں۔

ہم اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ حضرت عثمانؓ کا وہ تامل جو انہوں نے مروان کے حوالے کرنے میں کیا۔ کیوں تھا اور کیا تھا۔ رحم و کرم تھا یا خوف و کمزوری بہرحال باوجود تقدس طلحہ اور شجاعت علیؓ سے پوری طرح باخبر ہونیکے عامۃ المسلمین حضرت عثمانؓ کے قتل پر کمربستہ ہو گئے۔ طلحہؓ اور علیؓ دونوں نے اپنے اثر سے کام لیا۔ سمجھایا بھی اور ڈرایا بھی۔ مگر اب یہ سیلاب رکنے والا نہ تھا۔ حضرت علیؓ جو کچھ کر سکتے تھے وہ یہ کہ امام حسن کو ان کی مدد کے واسطے چھوڑ کر باغیوں کی طرف متوجہ ہوئے کہ شاید راہ راست پر آجائیں۔ مگر وقت آپہنچا تھا۔ حضرت زبیر کی اعانت کام آئی نہ حضرت علیؓ کی۔ حضرت طلحہؓ کی تلقین کا اثر ہوا نہ حضرت سعد کی فہمائیش کا۔ باغی مقابلہ پر اڑ گئے اور اعلان کر دیا کہ جانیں رہیں یا جائیں ہمکو اب اسلام کا بدلہ لینا ہے۔ مروان جیسے بے ایمان کا قتل ہمارا فرض اور حضرت عثمانؓ کو معطل کرنا ہمارا ایمان۔

میدان کارزار گرم ہونے والا تھا۔ حضرت علی کی علمیت اور حضرت طلحہ کی فراست باغیوںکا منہ تک رہی تھی اور باغی اللہ اکبر کے نعروں میں امیرالمومنین کی خلافت پر طعن کر رہے تھے۔ جب انہوں نے باواز بلند کہہ دیا کہ تلواریں مروان اور عثمانؓ کی گردنیں جدا کرنیکے بعد میان میں ہونگی تو سیدہ کا لال جس کی سواری خدا کا رسولؐ تھا اور شباب جس کی صورت پر قربان ہو رہا تھا اپنے نانا کے محسن کی حمایت پر آگے بڑھا۔ اور تلوار کی چھاؤں میں امیرالمومنین کو انکے گھر لے چلا۔ امام حسنؓ کی صورت دیکھ کر باغیوںکا چہرہ سرخ تو ہو گیا۔ مگر جانتے تھے کہ اس باپ کا بیٹا ہے جس کا ایک نعرہ زمین و آسمان کے ٹکڑے اڑا دے گا۔ خاموش حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچے۔ جہاں تینوں بزرگوں نے انکو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا۔ حضرت عثمانؓ نے گھر پہنچکر امام کی پیشانی کو بوسہ دیا اور دعا دی۔ دوسرے روز جمعہ تھا اور امیرالمومنین کی شرکت ضروری، بعد نماز امیرالمومنین نے تقریر کا قصد کیا۔ مگر باغی فیصلہ کر چکے تھے۔

کہ اگر آج مروان کو نہ دیا تو اس کے ساتھ حضرت عثمانؓ کا بھی خاتمہ کر دینگے۔ چنانچہ ایک شخص کلیم نے کھڑے ہو کر کہا کہ "جان کی خیر ہے تو مروان کو سر راہ قتل کر دو۔ امیر المومنین نے جواب دیا کہ "تم میرے مخالف ہو جاؤ ناتم کو معلوم ہے کہ میری خلافت کے ساتھ صحابہ رسول اللہ ہیں" اب مسلمانوں کو تاب نہ تھی اور وہ یہ کہہ کر آگے بڑھے کہ عثمان تیرے ساتھ صحابہ میں سے کوئی نہیں۔ ہاں عبداللہ، معاویہ اور مروان تیرے ساتھ ہیں" قریب تھا کہ بلوائی حضرت عثمانؓ کا خاتمہ کر دیں کہ آج پھر تیغ حسنی بلند ہوئی اور مسجد نبوی میں یہ الفاظ گونجے "کس کی مجال ہے کہ خلیفۂ وقت کے خلاف تلوار اٹھا سکے، جب تک حسنؓ کے سر پر سر اور اس کے ہاتھ میں تلوار موجود ہے تم کچھ نہیں کر سکتے۔

باغی دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور امیر المومنین امام حسن کی پناہ میں اپنے گھر پہنچ گئے اب باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا اور دانہ پانی بالکل بند کر دیا لڑائی ہوئی ادھر ادھر کے آدمی مارے گئے مروان باغیوں سے لڑا اور انکی جمعیت نے کئی دن تک مقابلہ کیا لیکن باغیوں کی تعداد زیادہ تھی اسلئے غالب آئے اور اندر گھس گئے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے حالات اس قدر درد انگیز ہیں کہ بیان سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جس وقت یہ جماعت اندر داخل ہوئی تو وہ تلاوت کلام اللہ میں مصروف تھے، پہلے مروان کے غلاموں اور باغیوں میں لڑائی ہوئی اور طرفین کے بہت سے آدمی قتل ہوئے مگر جب باغی غالب آئے تو اس طرف رخ کیا جہاں مسلمانوں کا تیسرا خلیفہ خدا کی مقدس کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا محمد ابن ابی بکرؓ نے امیر المومنین کی ڈاڑھی پکڑ کر نہایت نازیبا الفاظ استعمال کئے جسکے جواب میں انہوں نے صرف اتنا کہا کہ اگر تیرا باپ یہ کیفیت دیکھتا تو ناخوش ہوتا۔ محمد نے ڈاڑھی چھوڑ کر نیچی گردن کرلی اور باہر آگئے اس وقت ایک شخص کنانہ نامی تلوار نکال کر آگے بڑھا، مگر نعض

مسلمانوں نے منع کیا اور کہا ہم کو خلافت کی ضرورت ہے، ان کے خون کی ضرورت نہیں،، جب کنانہ نے ہاتھ روکا تو انہیں لوگوں نے کہا اب آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں" مگر حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "خدا کی دی ہوئی چیز کون لے سکتا ہے۔ اب مفسدوں کو تاب ضبط نہ رہی اور کنانہ نے تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ کلائی کٹ گیا اور اس کے بعد دوسرے آدمیوں نے پے درپے وار کئے۔ حضرت عثمانؓ کا خون قرآن کے ان الفاظ پر پڑا ہے۔

"خدا ہی کفایت کریگا اور وہی بہتر جاننے والا اور سننے والا ہے"

حضرت عثمانؓ کی بی بی نائلہ شوہر کی حمایت کو اٹھیں اور ان کے اوپر چھا گئیں کہ بچالیں مگر ان کے ہاتھ زخمی ہوئے اور اس طرح بارہ سال خلافت کرنیکے بعد ۸۲ سال کی عمر میں ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ شہید ہوئے۔

جس گھر میں خدا کا کلام جمع ہو رہا تھا جس سرزمین پر کلام اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں اسی گھر میں اور اسی سرزمین پر اسی شخص کا خون گرا ہوا ہے جو قرآن کو جمع کر رہا تھا جمعہ کا دن ہے آفتاب کی حرارت کم ہو چکی ہے عصر کی نماز سے فراغت پانے والے مسلمانوں نے جو کیفیت دیکھی اس نے دل ہلا دئے۔ مسلمانوں کا تیسرا خلیفہ عثمانؓ غنی روزہ کی حالت میں شہید ہوا پڑا ہے اسکے برابر خدا کی کتاب کھلی ہوئی ہے اور ورق خون میں لتھڑے ہوئے ہیں ایک طرف خلیفۂ وقت کی بیوی نائلہ بیہوش پڑی ہیں مسلمانوں کی تاریخ کی زبان اور میرے قلم سے اپنی داستان سنو اور یہ بپتا پڑھو۔ ابھی آفتاب غروب نہ ہوا تھا کہ بی بی نائلہ نے آنکھ کھولی۔ کٹی ہوئی انگلیوں سے خون بہ رہا تھا اور برابر میں کلام الٰہی رکھا ہوا تھا۔ اٹھیں تو ایک خونخوار شخص ہالی تلوار ہاتھ میں لئے اندر داخل ہوا، کلام الٰہی کو بوسہ دیکر اوپر رکھا تو روزہ دار شوہر کی خون میں لتھڑی ہوئی لاش پر نظر پڑی

بیتاب ہو کر منہ پر ہاتھ پھیرا تو بانی کی یہ آواز کان میں آئی ہٹ جا کہ عثمانؓ کی لاش سے بدلہ لے کر دل ٹھنڈا کر لوں۔ تو کون ہے تیری انگلیاں کہاں گئیں" بی بی نائلہؓ شوہر کی لاش پر جھک گئیں اور کہا امیر المومنین کی بیوی نائلہؓ ہوں تو مسلمان ہے رحم کر اور رہ دے کو اذیت نہ دے بیگناہ امیر المومنین کو مسلمان شہید کر چکے اور جسوقت مفسدوں کا گروہ تلواریں لیکر لوٹا ہے اس وقت میرے پاس اسکے سوا کچھ نہ تھا کہ تلواروں کے وار اپنے ہاتھوں پر روکوں، میں نے ہر چند ان سے کہا، منت سماجت کی مگر انکے سر پر شیطان سوار تھا باز نہ آئے۔ تو غور سے دیکھ یہ روزہ دار لاش اس کی ہے جسکے احسانات کا میرے اور تیرے مولا نے اقرار کیا ہے۔ تو نے دیکھا یا سنا ہو گا کہ جب مسجد نبوی میں جماعت کے واسطے جگہ تنگ ہوئی تو رحمتہ للعٰلمین نے باآواز بلند فرمایا کہ وہ کون اللہ کا بندہ ہے جو اس مسجد کو وسیع کر دے۔ اسوقت جس شخص نے زمین خرید کر وقف کی اور نمازیوں کے لئے مسجد بنوا دی وہ یہی امیر المومنین تھا جو آج افطار کے وقت مسلمانوں کے ہاتھ سے بیگناہ شہید ہوا۔ تیرے کان آشنا ہوں گے یا آنکھوں نے دیکھا ہو گا کہ جب حضور اکرم یہاں تشریف لائے تو صرف ایک کنواں بیر رومیہ یہودیوں کی ملکیت تھا۔ جس سے مسلمان پانی پیتے تھے جب وہ کنواں یہودیوں نے مسلمانوں کے واسطے بند کر دیا تو مسجد نبوی کی دیواریں صدائے رحمتہ للعٰلمین کی شاہد ہیں۔ جب حضور کی یہ آواز میں فضا میں گونجی کہ کون ہے جو بیر رومیہ مسلمانوں کیواسطے وقف کر دے اور صبح سے پیاسے مسلمانوں کو پانی سے سیراب کرے تو ارشاد نبوی کی تعمیل جس شخص نے کی اور کنواں خرید کر مسلمانوں کے حوالہ کیا وہ یہی امیر المومنین تھا جس کی لاش خون آلودہ تیری آنکھیں دیکھ رہی ہیں جس شخص کی پنڈلی کبھی فرشتوں نے نہ دیکھی وہ آج بے گور و کفن ننگا دھڑنگا اس گھر میں پڑا ہوا ہے۔

خدا کے بندو! انصاف سے کام لو اور ارشاد رسول کو اس قدر جلد فراموش نہ کرو۔ یاد رکھو عثمانؓ بیگناہ کا خون رنگ لائے گا اور ایسی آگ لگا جائیگا جو قیامت تک فرو نہ ہوگی" ہانی کی آنکھوں سے خون ابل رہا تھا اس نے بیوی نائلہ کو دھکا دیکر الگ پھینک دیا اور کہا میں نے عہد کیا ہے کہ امیرالمومنین کا چہرہ طمانچے مار کر مسخ کر دوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے طمانچے مارنے شروع کئے۔ پاک دامن نائلہ کی محبت یہ ظلم برداشت نہ کر سکی وہ اٹھیں اور کہا میرے کٹتے ہوئے ہاتھ تن سے جدا کر دے، مگر للہ اس بیگناہ لاش کی بےحرمتی نہ کر" ہانی نے کڑک کر جواب دیا میرے باپ ہانی کو عثمانؓ نے قید کیا میرے دل میں رحم نہیں ہے یہ کہہ کر اس نے گرز اٹھایا۔ ہڈیاں پسلیاں ایک کر دی۔ نائلہ بی بی ہائے کہہ کر اس کے قدموں پر گریں مگر اس نے ٹھکرا دیا اور یہی کہتا رہا " تیرا شوہر اس سے بھی زیادہ سزا کا مستوجب ہے" مغرب کی اذان بلند ہوئی تو ہانی نے کہا۔ جی یہ چاہتا ہے کہ اس لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا مگر نماز کا وقت ہے اسلئے چھوڑ دیتا ہوں

تین دن اور تین رات حضرت عثمانؓ کا جنازہ بےگور و کفن پڑا رہا۔ چوتھے روز حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے تجہیز و تکفین کی تو باغیوں نے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا اور جو شخص جامع القرآن، سب سے پہلے حافظ، اسلام کا محسن اور امیرالمومنین تھا۔ یہودیوں کے قبرستان میں دفن ہوا۔

چوتھی خلافت کا انتخاب

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اب پھر خلافت کا مسئلہ درپیش تھا حضرت علیؓ کے سوا اکثر کی خواہش اور کوشش تھی کہ خلافت ہمارے ہاتھ آئے مگر اس افراتفری میں کیا خاک فیصلہ ہوتا، نتیجہ یہ ہوا کہ سات روز تک کوئی خلیفہ نہ ہوا اور مسند خلافت خالی پڑی رہی، اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ

مسلمانوں کا ایک گروہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ خلافت قبول فرمایئے۔ حضرت علیؓ آپ کی طبیعت سے پوری طرح واقف تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ اب خلافت نصیب کی چنگی ہے جس کو جاہلوں کی طرح مسلمان ڈال کر دور سے تماشہ دیکھیں گے، اس لئے انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کوفہ حضرت زبیرؓ کا اور بصرہ حضرت طلحہ کا خواستگار ہے اور ادھر معاویہ بھی مساعی ہیں ان حالات میں مسلمانوں کی خلافت مصیبت ہے۔ مجھے یہ منظور نہیں جماعت جسکے حق میں فیصلہ کرے گی میں بھی اس کی بیعت کر لوں گا۔

حضرت علیؓ کے اس جواب پر مسلمان ابھی خاموش بیٹھے تھے اور سوچ رہے تھے کہ کس طرح حضرت علیؓ کو خلافت قبول کرنے پر مجبور کریں کہ قریب تمام مدینہ امنڈ پڑا اور سر بر آوردہ حضرات نے حضرت علیؓ سے کھلم کھلا کہدیا کہ آپکو خلافت قبول کرنی پڑے گی کیونکہ اب کوئی اس کا اہل نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ تم کوئی اور آدمی منتخب کر لو۔ پہلا شخص جو اس کے ہاتھ پر بیعت کرے گا وہ میں ہونگا۔ اب یہ ہوا کہ مسلمان تین حصوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک حصہ حضرت طلحہ کے پاس گیا، ایک حضرت زبیرؓ کے پاس اور ایک انصار کے پاس۔ مگر ہر جگہ سے یہی جواب ملا کہ خلافت کا اہل حضرت علیؓ کے سوا کوئی نہیں چنانچہ سب ملکر حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا "اگر آپ منظور نہیں کرتے تو اور کوئی خلیفہ نہیں ہوسکتا اور قیامت کے روز تمام ذمہ داری آپ کی ذات پر ہوگی۔ اسپر حضرت علی خاموش ہوئے اور فرمایا اچھا مسجد میں چل کر مشورہ کریں شاید کوئی اللہ کا بندہ اس بار کو اٹھالے۔ یہاں حضرت علیؓ نے تقریر کی اور کہا میں خلافت کے واسطے تیار نہیں ہوں۔ بہتر ہوگا کہ تم خلیفہ منتخب کر و میں بیعت کے واسطے تیار ہوں۔ اصحاب رسول اللہ کی رائے پر عمل کرو۔ اور میری خواہش انکی خدمت میں پہنچا دو۔ وہ ضرور میری اس تجویز سے

متفق ہوں گے اور تجھ کو معاف کریں گے چنانچہ سب نے سعد بن وقاص سعد بن زید عبد اللہ بن عمرؓ سے فرداً فرداً درخواست کی مگر بے سود، یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے دوبارہ تقریر کی اور حکیم بن جبلہ اور حضرت طلحہؓ سے کہا آپ خلافت قبول کیجئے،، ان دونوں نے انکار کر دیا اور طلحہؓ نے یہ الفاظ کہے۔

معاذ اللہ ابوالحسن کی موجودگی میں میری خلافت

اس پر مالک بن اشتر نے آواز دی،، علیؓ ہاتھ بڑھائیے،، چنانچہ حضرت علیؓ نے ہاتھ بڑھایا تو سب سے پہلے حضرت طلحہؓ نے پھر سعید، سعد، عبد اللہ وغیرہ نے بیعت کی اور یہ سلسلہ جاری رہا لیکن بنی امیہ کا ایک گروہ بغیر بیعت کئے معاویہ کے پاس شام چلا گیا۔

حضرت علیؓ کی خلافت کا بنو امیہ پر اثر

حضرت علیؓ کی خلافت کے بیان سے پہلے چار باتیں سمجھ لینی ضروری ہیں۔ تاکہ کربلا کے خونیں واقعہ کی تہ میں جو راز کام کر رہا ہے وہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے

(۱) مسلمانوں کا ایک گروہ (بنی امیہ) حضرت علیؓ کے خلاف ہوتے ہی شام میں امیر معاویہ کے پاس چلا گیا۔

(۲) امیر معاویہ نے ہر جمعہ میں حضرت عثمانؓ کا خون آلود کرتہ مسلمانوں کو دکھانا شروع کیا جس نے بنو ہاشم کے خلاف بنو امیہ کو جنگ وجدال کی پوری ترغیب دی۔ جس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ امیر معاویہ کی دلی خواہش تھی کہ حضرت علیؓ معزول ہوں اور خود خلیفہ ہوں۔

(۳) حضرت طلحہ وحضرت زبیر نے بظاہر بیعت کر لی مگر دل میں کدورت موجود رہی۔

(۴) بنو ہاشم اور بنو امیہ کی دیرینہ عداوت کو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے اس لئے اور ترقی ہوئی کہ مفسدوں نے واقعات سے بنو امیہ کو یقین دلایا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت حضرت بنو ہاشم کی کوشش سے ہوئی۔ حالانکہ حضرت علیؓ نے ان کی خلافت

کو تقویت دینے میں ہر ممکن کوشش سے کام لیا۔ یہاں تک کہ اس موقعہ پر انہوں نے امام حسنؓ کو یہ کہہ کر طمانچہ مارا کہ بلوائیوں کو مارنے اور حضرت عثمانؓ کو بچانے میں پوری کوشش نہ کی، یہ چاروں موٹی موٹی باتیں معلوم ہونے کے بعد واقعات پر اچھی طرح غور کر سکتا ہے، اور اب صرف ایک بات باقی رہتی ہے اور چونکہ وہ بھی اس نزاع سے متعلق ہے اور حضرت علیؓ کی ذات کو اس سے خاص تعلق ہے اس لئے ان کی خلافت پر بحث کرنے سے پہلے اس کا ذکر بھی ضروری ہے۔

جنگ جمل

ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ ایک سفر میں حضور اکرم کے ساتھ تھیں واپسی میں مدینہ ایک پڑاؤ رہ گیا تھا کہ رات کو قیام ہوا اور صبح کو کوچ اس وقت چونکہ پردہ کے متعلق احکام نازل ہو چکے تھے جسم یا چہرہ چھپانے کی غرض سے یا کچھ پردہ کی وجہ سے کچھ اندھیرے کی وجہ سے ساربان یہ نہ سمجھ سکا کہ ام المومنین سوار ہو گئیں چل پڑا لیکن ام المومنین اس وجہ سے کہ جو ہار ان کے گلے میں تھا اور مانگے کا تھا وہ گر پڑا تھا اسکے ڈھونڈھنے میں رہیں، اور جب صفوان بن المعطل اسلمی جو قافلہ کا چوکیدار تھا اور جس کا کام یہ تھا کہ روانگی کے بعد گری پڑی چیزوں کو اٹھائے آیا تو دیکھا ام المومنین رہ گئیں۔ وہ یہ ہی کر سکتا تھا کہ اپنے اونٹ پر سوار کیا اور خود مہار ہاتھ میں لئے پیدل روانہ ہوا جب وہ ام المومنین کو لے کر پڑاؤ پر پہنچا اور لوگوں نے یہ کیفیت دیکھی تو ام المومنین کے رہ جانے پر اور تنہا آنے پر چہ می گوئیاں شروع ہو گئیں اور مختلف آدمیوں نے مختلف رائے کا اظہار کیا۔ منافقین کے ایک گروہ نے جو بظاہر مسلمان تھے اور بہ باطن منافق۔ اس واقعہ کا چرچا شروع کر دیا اور اس خبر کو خوب نمک مرچیں لگا کر پھیلا دیا دو شخص عبداللہ بن سلول اور مسطح بن اثاثہ اس الزام کے قائم کرنے میں

منافقین کے سرتاج تھے۔ رفتہ رفتہ یہ خبر حضور کے کان میں پہنچی اور آنحضرتؐ نے تمام احباب و اصحاب سے اس معاملہ میں مشورہ کیا۔ ام المومنین کی بریت میں ہر متنفس نے شہادت دی اور ہر شخص کی رائے یہ تھی کہ بی بی عائشہ کا دامن الزام سے پاک ہے۔ مگر مسلمانوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اس صفائی میں یہ الفاظ اور کہے کہ اگر آپ ام المومنین کو چھوڑنا چاہیں تو یہ کچھ مشکل نہیں۔ جب معاملہ طے ہو چکا اور بات ختم ہو گئی تو حضرت علیؓ کے یہ الفاظ ام المومنین کو ناگوار ہوئے اور دل میں گرہ پڑ گئی۔

معاملہ پر نظر ڈالنے سے پہلے ان چار باتوں کے سوا جو اوپر بیان کیگئیں پانچویں بات بھی نظر انداز کرنیکے قابل نہیں اور اس کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے جس وقت حضرت عثمانؓ شہید ہوئے ہیں تو ام المومنین حج کو تشریف لیگئی تھیں۔ ان کی واپسی کے وقت بنی امیہ کے کچھ آدمی پہلے ہی سے آگے جا پہنچے۔ اور انہوں نے کہا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت صرف حضرت علیؓ کی وجہ سے ہوئی اور انکے قتل کا تمام بار حضرت علیؓ کے ذمہ ہے یہ سنتے ہی حضرت عائشہ بجائے مدینہ آنیکے مکہ چلی گئیں اور انکو خیال ہوا کہ حضرت علیؓ کی خلافت مجھ کو مدینہ میں خوش نہ رکھ سکیگی۔ ام المومنین کے مکہ چلے جانے پر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے دل بھی اکھڑ گئے۔ اور انہوں نے بھی مکہ چلے جانیکا قصد کیا اور حضرت علیؓ سے اجازت چاہی تو حضرت علیؓ چونکہ حقیقت سے بے خبر تھے اجازت دے دی۔

مروان جس کی بابت خیال تھا کہ شہادت خلیفہ ثالث کے موقعہ پر مر گیا تھا زخم سے جانبر ہوا۔ اور اپنا ایک علحدہ فریق حضرت علیؓ کے خلاف تیار کیا اور سبکو ام المومنین کے پاس لیکر مکہ پہنچا جنہوں نے شہادت حضرت عثمانؓ کے حالات اس درد انگیز طور پر بیان کئے کہ ام المومنین کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور ان کو یقین

ہو گیا کہ اس شہادت میں حضرت علیؓ کا پورا ہاتھ ہے۔
حقیقتاً ان لوگوں نے ام المومنین کی آڑ میں دل کے جلے پھپھولے پھوڑے اور انکو لڑائی پر آمادہ کیا۔ چونکہ عرب میں اونٹ کو جمل کہتے ہیں اور بی بی عائشہ اس لڑائی میں جو حضرت علیؓ کے خلاف ہوئیں اونٹ پر سوار تھیں اسلئے تاریخ اسلامی اس جنگ کو جمل لکھتی ہے جس میں چمنستان اسلام کے تر و تازہ پھول روندے اور چوٹی کے پھل گاجر مولی کی طرح کاٹے گئے۔ ایسے ایسے بزرگ اور صحابہ جن کے جنتی ہونے کی خبر حضور اکرم نے دی دونوں طرف سے اس لڑائی میں کام آئے فیصلہ حضرت علیؓ کے حق میں ہوا۔ اور سولہ سترہ ہزار مسلمانوں کا خون جنگ جمل پر قربان ہوا حضرت طلحہ اور زبیر جیسے مقدس افراد جن کو صحبت رسول میں شریک ہونیکا فخر تھا رخصت ہوئے۔
جنگ کے بعد جب حضرت علیؓ ام المومنین کے سامنے آئے تو فرمایا در خدا تمہارے ہمارے گناہوں کو معاف کرے۔ اس کے جواب میں ام المومنین نے بھی یہی فرمایا۔ اور حضرت علیؓ نے ام المومنین کو عورتوں کے ایک رسالہ کے ساتھ جو مردانہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ مدینہ روانہ کر دیا۔
جنگ جمل کے متعلق ہر مسلمان کو واقعات پڑھنے کے بعد رائے قائم کرنیکا حق حاصل ہے لیکن ہم کو اس سلسلہ میں سب سے پہلے ایک بات لکھنی ہے اور وہ یہ کہ جس وقت ام المومنین مع اپنے لشکر کے تشریف لے جا رہی تھیں تو ایک گاؤں کے قریب کتوں نے بھونکنا شروع کیا۔ اس وقت آپ نے پوچھا کہ اس گاؤں کا کیا نام ہے لوگوں نے کہا حوّاب ام المومنین نے فرمایا ٹھیر جاؤ مجھے رسول اللہ کی ایک حدیث یاد آگئی کہ میری بیویوں میں سے ایک پر حوّاب کے کتے بھونکیں گے اور وہ غلطی پر ہوگی ۔"

سرپر آور دگان لشکر نے کہا یہ جواب نہیں ہے اور اپنے جواب میں بعض آدمیوں کی شہادت بھی پیش کی مگر آپ نے ایک نہ سنی اور یہ کہا کہ مجھے لڑائی سے واسطہ کیا۔ مجھے گھر جانے دو۔ مگر ایک نہ چلی اور طبل جنگ بجنے لگا۔

اس سلسلے میں ایک اور خیال ہے جس کا بیان کرنا ضروری ہے اور وہ اس طرح کہ جب حضرت علیؓ کی کوئی کوشش لڑائی کو نہ روک سکی اور انہوں نے دیکھا کہ فریقین میں سچے اور پکے مسلمان بھی ہیں اور یہ جنگ اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا دے گی تو ام المومنین کی خدمت میں ایک پیام بھیجا جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ مفسدوں کے پھندے میں پھنس گئی ہیں میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ شہادت عثمانؓ سے میرا کوئی تعلق نہیں مگر یہ پیغام ان تک نہ پہنچ سکا اور پیامبر ناکام واپس ہوا۔ اب حضرت علی عجیب پریشانی میں تھے اور اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ اگر مجھے فتح بھی ہوئی تو نہایت قیمتی ہوگی اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابیوں کا خون صرف غلط فہمی کی تلوار سے بہے گا مگر حضرت علیؓ کو اب مقابلہ کے سوا چارہ نہ تھا ۳۶ھ میں جب لڑائی شروع ہوئی اور بہت سے مسلمان شہید ہو گئے اور لڑائی ختم نہ ہوئی تو ام المومنین نے باآواز بلند کہا میں صرف عثمان کے خون کا بدلہ چاہتی ہوں میرا مقصد مسلمانوں کے خون سے پورا نہیں ہوتا۔ مگر اب ام المومنین کی سنتا کون تھا۔ لڑائی زور و شور سے شروع ہوئی اور دوسرے دن سینکڑوں مسلمان دونوں طرف کے شہید ہوئے اور حضور اکرم کے اس ارشاد کا کہ عثمانؓ کی شہادت پر مسلمانوں کا خون بہے گا، ایک ایک حرف پورا ہوا۔

حضرت علیؓ کو سب سے زیادہ تعجب حضرت طلحہ اور حضرت زبیر پر تھا کہ ایسے ذی مرتبت لوگ جو برسوں صحبت رسول میں رہے کس طرح خلاف ہو گئے اور جب انکو یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے دل سے بیعت نہ کی تھی بلکہ مصلحتاً یا خوف زدہ ہو کر لی اور بھی متحیر

ہوئے ام المومنین نے فریقین کی یہ کیفیت دیکھ کر جب واپسی کا قصد کیا تو بصرہ کا حاکم عثمانؓ بن حنیف بہت برہم ہوا اور کہا جب تک طلحہؓ اور زبیر میدان جنگ سے نہیں گئے آپ نہیں ہٹ سکتیں پہلے انکی بیعت کا فیصلہ کیجئے کہ کیوں کی؟

چنانچہ جب ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ مالک اشتریہ کے خوف سے ہم نے بیعت کی تھی کہ وہ حضرت علیؓ کا طرفدار تھا۔ ام المومنین اس جواب سے مطمئن نہ ہوئیں اور ایک شخص قاصد کی حیثیت سے بھیجا گیا۔ کہ وہ معلوم کرے کہ ان دونوں نے بیعت کس طرح کی اور وہ کیوں برگشتہ ہوتے ہیں۔ اس قاصد کے سامنے ان دونوں نے کوئی جواب نہ دیا مگر دوسرے لوگوں نے کہا کہ بیعت مجبوری تھی۔ اس پر مسجد میں لڑائی شروع ہوئی۔ اور اس معاملہ میں بھی کچھ مسلمان ضائع ہوے۔ ان میں بھی نہایت بزرگ صحابہ تھے عثمانؓ بن حنیفہ حاکم بصرہ کا دستہ قتل ہوا اور وہ خود گرفتار ہوکر آیا تو سب کا فیصلہ یہی ہوا کہ اسکو قتل کردو۔ اس موقع پر ام المومنین نے روکا اور کہا بڈھے آدمی کو قتل کرنیسے کیا فائدہ عثمانؓ چھوڑ دیا گیا مگر اسکی تمام ڈاڑھی نوچ لیگئی۔

عثمان بن حنیف باوجودیکہ ایک طرح حضرت علیؓ کا باغی تھا اور جس وقت ام المومنین نے قصد جنگ کیا ہے تو انکی خدمت میں حاضر ہوکر کہا تھا کہ میں آپ کے ساتھ ہوں مگر حضرت علی کو اسکی یہ توہین اچھی نہ معلوم ہوئی اور جب یہ دیکھا کہ لڑائی ٹلنے والی نہیں تو انہوں نے بھی احکام جنگ جاری کردئے۔ اس موقعہ پر ابوموسیٰ اشعری عامل کوفہ نے جنگ کی تیاری سے انکار کردیا اور لکھ بھیجا کہ حضرت عثمانؓ کا انتقام جسکے واسطے ام المومنین آمادہ ہوئیں نہایت ضروری ہے کہ ہرچند کوشش کی کہ ابوموسیٰ اپنے خیال سے باز آجائیں مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر عمار بن یاسر اور مالک بن اشتر روانہ کئے گئے کہ وہ راہ راست پر آجائیں۔ مگر ان کی بھی کچھ نہ چلی اور ابوموسیٰ نے ان دونوں کی تجاویز کو بھی نامنظور کردیا۔ مجبوراً مالک نے سختی سے کام لیا۔ اور تھوڑی جمعیت ساتھ

لیکر ابوموسیٰ کے مکان پر قبضہ کرلیا اور کہا تیری ملکیت کوئی شئے نہیں ہے۔ ہر چیز خلیفہ کی ہے اور جب تو منحرف ہوا تو تیرے حقوق زائل ہو گئے۔ ابوموسیٰ کے زیر ہوتے ہی کوفہ اور کوفہ والے حمایتیوں کا شور ختم ہوا۔ طلحہؓ اور زبیرؓ اور ان کے ہمراہی میدان میں آئے۔ ادھر سے حضرت علی کی فوج بھی مقابلہ کو نکلی اور گھمسان کا رن پڑا۔

جب لڑائی شروع ہونیکا وقت آیا تو حضرت علیؓ نے پہلا حکم یہ دیا کہ وہ گروہ جسنے حضرت عثمانؓ کے خون میں کسی طرح بھی کوئی حصہ لیا میدان جنگ سے ہٹ جائے۔ تاکہ مسلمانوں کو بدگمانی کا موقع نہ ملے اور فریق مخالف کا یہ دعویٰ کہ حضرت عثمان کی شہادت میں میرا ہاتھ تھا اور یہ لڑائی اس خون کا بدلہ ہے صحیح نہ ہو جائے۔ حضرت عثمانؓ کے قاتل اور قتل کے حمایتی یہ سن کر دنگ رہ گئے۔ اور گو انکو الگ ہونا پڑا مگر بڑی مصیبت اور جنجال میں پھنسے کہ نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے۔ مگر اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ لڑائی اور تیز کریں اور دور بیٹھے اس آگ کو دھونکتے رہیں۔ بڑی خرابی یہ پڑی کہ مالک بن اُشتر جو حضرت علی کی حمایت میں ابتک گرم تھا۔ اس فیصلہ کیمواقف علحدہ ہو رہا تھا حضرت علی نے اسکی خدمات صداقت کے مقابلہ میں ہیچ سمجھیں، اور اسکو بھی الگ کردیا۔ وہ سخت پریشان ہوئے اور علحدہ ہوکر نتیجہ کا انتظار کرنے لگے۔ دو روز تک گفتگو ہوی مگر جب بے سود رہی تو حضرت علیؓ نے میدان میں آکر کہا کہ طلحہؓ اور زبیر میری ایک بات سن لیں،، دونوں باہر آئے اور کہا فرمائیے۔ حضرت علیؓ نے کہا مسلمانوں کے خون کی قیمت جسقدر میں جانتا ہوں اتنی ہی تم بھی جانتے ہو۔ اس لڑائی کے اسباب سے ہم سب اچھی طرح باخبر ہیں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ شہادت عثمانؓ میں میں قطعاً بے گناہ ہوں۔ ہم آپس میں ایک ہیں ایک خدا ایک رسول کے پرستار، ہم نے امن انسانیت میں نشو نما پائی ہے اور ایک ہی شجر کے خوشہ چین ہیں،، اس کے جواب میں طلحہ بولے تم نے عثمانؓ

کی شہادت میں مفسدوں کی اعانت کی" حضرت علیؓ نے کہا اگر یہ بات ہے تو اتنے مسلمانوں کا خون گرانے سے کیا حاصل۔ میں اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ لیکر خدا سے دعا کریں کہ سچے پر رحمت اور جھوٹے پر لعنت، اسکے بعد دیکھ لیں کہ کون سچا ہے۔

حضرت علیؓ کے اس ارشاد کا جواب نہ ملا تو انہوں نے حضرت زبیر سے خطاب کیا۔ کہ زبیر تم کو یاد ہونا چاہئے، اور نہیں تو میں تم کو یاد دلاتا ہوں کہ ایک موقع پر ہم آدمی بیٹھے ہوئے تھے کہ تم معہ حضور کے ادھر نکلے میں سرور کائنات کا چہرۂ اقدس دیکھ کر مسکرایا تو حضور بھی ہنسے اور تم نے کچھ کہا جس کے جواب میں رسالت مآب نے فرمایا۔

"زبیر! ڈر اس روز سے جب تو اور تیری فوج علیؓ پر حملہ آور ہوگی اور تو ظالموں میں سے ہوگا۔

حضرت زبیرؓ یہ سن کر بے اختیار ہو گئے اور کہا ہاں مجھے یاد آگیا اور اگر پہلے سے یاد ہوتا تو قسم ہے خدا کی ایسا نہ کرتا" اس وقت حضرت زبیرؓ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ انہوں نے بآواز بلند کہا آپ میری مجال نہیں کہ تمہارے سامنے تلوار اٹھاؤں۔ شہادت عثمانؓ کا فیصلہ خدا خود ہی کر لیگا یہ کہہ کر وہ سیدھے ام المومنین کے پاس گئے اور کہا وہ تلوار جو سخت سے سخت دشمن کے سامنے نہ جھکی آج حدیث رسول اللہ کو بوسہ دیتی ہوئی علیؓ کے سامنے میان میں ہوتی ہے" ام المومنین اب میری ہمت نہیں کہ مقابلہ کروں، اب آپ اور آپ کا کام۔ اتنا کہہ کر زبیرؓ چلے گئے۔ ان کے لڑکے عبداللہ نے ہر چند سمجھایا اور حضرت طلحہ نے بھی کہا مگر وہ لڑائی پر آمادہ نہ ہوئے۔

صلح کی بات چیت ہو رہی تھی اور ممکن تھا خوشگوار نتیجہ نکل آتا مگر وہ لوگ جن کو حضرت علیؓ نے شہادت حضرت عثمانؓ کے سلسلہ میں علحدہ کر دیا تھا سمجھے کہ صلح

کا نتیجہ ہمارا قتل ہوگا۔ جس میں شبہ کی گنجائش نہیں، چنانچہ انہوں نے خاموشی کے ساتھ ام المومنین کی فوج پر حملہ کردیا۔ وہ سمجھے کہ حضرت علیؓ کی فوج نے کیا ہے انہوں نے جوابی حملہ کیا۔ اس حملہ کے ساتھ ہی مفسدوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ دیکھئے ام المومنین نے بدعہدی کی۔ ادھر ام المومنین کو بھڑکایا کہ صلح حضرت علیؓ کا بہانہ تھا، بے خبری میں حملہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فریقین نے تلواریں نکال لیں اور قتل عام ہونے لگا۔

حضرت علیؓ کی طرف سے صلح کی ایک اور کوشش ہوئی اور وہ یہ کہ انہوں نے مسلم بن عبداللہ کی وساطت سے میدان جنگ میں کلام اللہ بلند کیا۔ اور مسلمانوں سے درخواست کی کہ اس کتاب کا واسطہ معاملہ کو سمجھو اور جنگ و جدال بند کرو مگر طلحہ اس کو بھی مکر سمجھے اور مسلم کے ہاتھ پر تلوار ماری موسیٰ نے جلدی کلام اللہ اٹھایا۔ مگر وہ بھی طلحہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

اس قسم کی کوشش ام المومنین نے بھی کی اور کعب سے کہا۔ قرآن اٹھا کر باآواز بلند اعلان کردو کہ ام المومنین اس کتاب کا واسطہ دیکر کہتی ہیں کہ لڑائی بند کرو۔ مالک بن اشتر یہ دیکھ کر پریشان ہوا۔ اور فوراً ایک ایسی تلوار ماری کہ کعب کی گردن الگ جا پڑی۔

لڑائی کا انجام جو ہونا تھا وہ ہوا سینکڑوں جلیل القدر صحابہ کے بعد وہ ساعت آن پہنچی کہ حضرت طلحہ زخمی ہوئے اور بصرہ بھاگے۔ انکے جاتے ہی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ زبیر بھی بھاگے، مگر ایک شخص عمرو نے ان کو راستے میں قتل کیا لیکن جب وہ ہشاش بشاش حضرت زبیر کا سر حضرت علیؓ کے سامنے لایا آپ کو بہت رنج ہوا اور عمرو کے واسطے دوزخ کی بددعا کی۔

جنگ صفین

جس طرح مسئلہ تقدیر و تدبیر میں ایک مسلمان کی زبان ساکت ہے اسی طرح
جنگ جمل و جنگ صفین دونوں معرکوں میں کم از کم ہماری ہمت نہیں کہ ایک
لفظ بھی زبان سے نکال سکیں اور کسی کو ملزم قرار دیں۔ مگر اتنا ضرور کہنا پڑے گا کہ
یہ لڑائیاں، یہ اختلاف، یہ غلط فہمی، یہ ہٹ دھرمی، بیج تھے اس نفاق و شقاق
کے جس کا ثمر آج مسلمانوں کو مل رہا ہے۔ اس وقت ملا اور جب تک اسلام
دنیا میں زندہ ہے ملتا رہے گا۔ قتل و خون اس وقت ہوئے، اس کے بعد ہوئے
ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ شیعہ، سنی، اموی، ہاشمی، یہ وہ شاخیں ہیں
جو اپنے عقائد پر پختہ ہیں اور حق و ناحق کے فیصلہ پر پہنچ کر ایک رائے پر
قائم ہیں۔ اور جس طرح ان لڑائیوں کے وقت مسلمان ایک دوسرے کے دشمن تھے،
اسی طرح آج یہ عداوت موجود ہے اور وہ شجر اسلام جس کو اسی وقت سے دیمک لگنی
شروع ہوئی آج ایک کھوکھلا ہو گیا ہے کہ اب اسکی بقاء کا خدا ہی حافظ ہے۔
اس کتاب کے پڑھنے والوں کو وہ وقت یاد ہو گا جب حضرت عثمان کی خلافت
کے موقعہ پر بعض مسلمانوں کی رائے میں خلافت حضرت عثمانؓ کا جائز حق تھا اور
اس سلسلہ میں امیر معاویہ نے جو تدبیر کی وہ بھی یاد ہو گی۔ اب ادھر تو جنگ جمل ختم ہوئی
ادھر امیر معاویہ کو فکر ہوئی کہ شیر خدا کی خلافت اب بے خوف و بے خطر احکام
نافذ کرے گی اور سب سے پہلے میرا ہی خاتمہ ہو گا۔ اس فکر کا تدارک لازمی تھا اور
اسکے سوا نہ ہو سکتا تھا کہ خلافت ہی کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ ۳۷ھ میں ایک جری
لشکر حضرت علیؓ کے مقابلہ کو تیار کیا اور تہیہ کر لیا کہ اب خلافت علیؓ کی ہو گی یا میری۔
اس لڑائی میں جو نام مسلمانوں کے آتے ہیں ان سے اس کتاب کے

پڑھنے والے پہلے سے آشنا ہیں کہ عمرو بن عاص اور اس کا غلام قنبر شریح
بن ہانی، مالک بن اشتر، ابو الاعور سلمی۔

مالک بن اشتر کو حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے موقعہ پر اس لئے علیحدہ کر دیا تھا
کہ ان کی اعانت حضرت عثمانؓ کے خون کا ثبوت نہ ہو، مگر جب یہ لڑائی ٹھن گئی اور
مالک نے اپنی خدمات پیش کیں تو حضرت علیؓ نے قبول کیں، خاندانی عداوت
کا نقشہ ایک مرتبہ پھر سمجھ لینا چاہئے تاکہ رائے قائم کرنے میں دقت نہ ہو۔ اور
معلوم ہو جائے کہ یہ خاندانی عداوت کس طرح ترقی کر رہی تھی۔

عبد مناف		اموی اور ہاشمی دونوں کی عادات
ہاشم	امیہ	خصائل میں زمین و آسمان کا فرق تھا
عبد المطلب	حرب	ہاشمی اپنے سامنے خدا اور تقدیر کو
ابو طالب	ابو سفیان	رکھتے تھے، اور اموی طاقت اور
علی مرتضیٰؓ	معاویہ	تدبیر کو، وہ سیاست کو اچھی طرح
امام حسنؓ امام حسینؓ	یزید	سمجھتے تھے اور کسی جگہ بند نہ تھے۔

برخلاف اس کے ہاشمی اس رنگ سے نا آشنا اور وقتی ضرورت سے بے خبر

عمرو کا غلام قنبر بیس ہزار کی جمعیت سے حضرت علیؓ کے مقابلہ کو آگے بڑھا
اس کے پیچھے خود عمرو بن عاص اپنی کمک کے ساتھ تھا ابھی یہ لوگ دریائے
فرات سے پار نہ ہوئے تھے شریح بن ہانی بارہ ہزار فوج لے کر پار اتر آیا۔
اسکی مدد کو مالک بن اشتر پانچ ہزار جمعیت سے آئے اور اس طرح یہ لشکر
شام کی سرحد میں داخل ہو گیا حضرت علیؓ کے لشکر کا داخلہ امیر معاویہ اور انکے
معاونین کے واسطے قیامت تھا۔ سب بھاگے۔ اب امیر معاویہ نے اپنے
تمام لشکر کو جمع کیا اور ایک تقریر کی

کہ مقابلہ آج تک چھوٹے لوگوں سے ہوتا رہا۔ مگر اس وقت اس شخص کا مقابلہ
ہے جس کا لوہا تمام عرب مانے ہوئے ہے۔ شجاعت دکھانے کا یہ وقت ہے کہ
اگر آج اسلام کی لاج رکھنی ہے اور بیگناہ عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا ہے
تو جانوں پر کھیل جاؤ اور علیؓ کو دکھا دو کہ مسلمان اس طرح اپنے عزیزوں پر قربان
ہوتے ہیں۔" معاویہ کی تقریر سے لوگوں کے دل بڑھ گئے۔ ابو الاعور سلمی سپہ سالار
مقرر ہوئے اور پھر لشکر آگے بڑھا۔ مالک بن اشتر نے ابو الاعور کو دیکھا تو ہنس کر کہا
کہ غریب بیگناہ مسلمانوں کے قتل سے کیا فائدہ کچھ دم ہے تو سامنے آ مجھ سے دو
دو ہاتھ کر تاکہ ہم ہی دونوں پر لڑائی کا فیصلہ ہو جائے، مالک کی گرج سے میدان
گونج اٹھا۔ مگر ابو الاعور بجائے مقابل ہونے کے خاموشی کے ساتھ پیچھے ہٹا۔ اور
کھلے الفاظ میں اپنی جماعت سے کہدیا کہ علیؓ پر فتح طاقت کا کام نہیں۔ یہ تقدیر کا
کام ہے، اس کے بعد حضرت علیؓ نے اور کوشش کی کہ لڑائی نہ ہو مگر معاویہ کے دل میں
جو بخار تھا وہ نہ نکلا اور ذی الحجہ کا چاند نمودار ہوا، یکم ذی الحجہ سے لڑائی شروع
ہوئی۔ تمام مہینہ اسی میں گزرا اور چھوٹے موٹے حملے ہوتے رہے۔ جب محرم شروع
ہوا تو فریقین خاموش ہو گئے چونکہ اس مہینہ کی ہر شخص عزت کرتا تھا اسلئے کوئی
لڑائی نہ ہوئی۔ جب محرم ختم ہو چکا تو حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کو یہ پیغام بھیجا۔
یہ فیصلہ کہ غریب مسلمانوں کے قتل کی ذمہ داری کس پر ہے اور اس کا
خون کس کی گردن پر ہوگا۔ خدا ہی بہتر کرے گا۔ وہی خوب جانتا ہے کہ حق پر کون
ہے اور ناحق پر کون ہے۔ ہرگز اس کے واسطے تیار نہیں ہوں کہ جنگ جمل کی
طرح مسلمانوں کی خونریزی ہو، تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جنگ جمل پر مسلمانوں نے
اپنے کلیجے کے ٹکڑے قربان کر دئے اور یہ نقصان ہے جسکی تلافی اب کبھی
بھی نہ ہوگی، بہتر ہوگا کہ لڑائی ختم کر دو اور اپنی حرکات سے باز آؤ۔ اسوقت تک فریقین

کا نقصان کچھ کم نہیں ہوا ہے۔

یہ پیام تین سفیر لے کر گئے تھے۔ انہوں نے پیام پہنچانے کے علاوہ خود بھی انتہائی کوشش کی کہ نوبت لڑائی کی نہ آئے مگر امیر معاویہ نے اس پیغام کے جواب میں کہلا بھیجا۔

ہمیں جس طرح بھی ممکن ہو تم سے خون عثمان کا بدلہ لینا ہے اور اس کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ وہی مفسد باغی جنہوں نے بے گناہ عثمان رض کو قتل کیا آج تمہارے مددگار ہیں۔ ان باتوں سے کچھ فائدہ نہیں، ہم جب تک تم سے بدلہ نہ لیں اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتے۔

خلیفہ ثالث کی شہادت میں حضرت علی رض کس حد تک شامل تھے یہ تو گزشتہ واقعات سے ثابت ہو گیا ہے ایک بات یہاں اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت حضرت عثمان رض کی خلافت کا مسئلہ درپیش تھا اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے رایوں کا نچوڑ حضرت عثمان رض اور حضرت علی رض کے حق میں دیکھ کر یہ طے کیا کہ خلیفہ ان دو میں سے ایک ہو گا۔ اس وقت جن لوگوں نے حضرت ابن عوف سے مشورہ کیا۔ ان میں سربرآوردہ معاویہ کے باپ ابوسفیان اور عمرو بن عاص تھے ابوسفیان کی ترغیب پر عمرو بن عاص نے حضرت علی رض سے جو گفتگو کی اور حلف کے وقت جو الفاظ کہلوائے وہ اوپر بیان ہو چکے ہیں اور ہر مسلمان کو رائے قائم کرنے میں مدد دے سکتے شدید نیز قلم پھر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ کفر کے فتووں کو پامال کر دے اور تعصب کا پردہ اٹھا کر ان برگزیدہ حضرات کی مقدس صورتیں حقیقت کے آئینہ میں دیکھے مگر احادیث نبوی کا تازیانہ حقیقی ہو یا مصنوعی ایک قدم سر کرنے نہیں دیتا۔ امیر معاویہ کے جواب نے حضرت علی رض کی وہ تمام امیدیں جو صلح کے متعلق قائم ہوئی تھیں خاک میں ملا دیں۔ وہ نقشہ جنگ پر غور کر رہے تھے کہ دشمن کا ایلچی

آیا اور کہا کہ بہتر ہوگا کہ آپ ایک جلسۂ عام میں یہ تجویز پیش کیجئے کہ خلافت معاویہؓ کا جائز حق ہے یا علیؓ کا؟"

حضرت علیؓ نے سختی سے جواب دیا "کہ معاویہ کا اسلام سے کیا واسطہ وہ اس باپ کا بیٹا ہے جس کے مزاج میں منافقت تھی، اس ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا جس نے احد کی لڑائی میں امیر حمزہ کا کلیجہ چبایا۔ ایسے شخص کو خلافت سے کیا تعلق؟" سفیر نے بجنسہ یہ الفاظ جا کر کہہ دئیے جس نے معاویہ کو اور بھڑکا دیا۔

محرم کا مہینہ ختم ہو چکا تھا۔ یکم صفر سے پھر لڑائی شروع ہوئی۔ ذی الحجہ کے معرکے مختصر تھے مگر اب جنگ عظیم تھی اور دونوں طرف کے لشکر اپنا حوصلہ نکالنے پر آمادہ تھے جی کھول کر لڑے اور ہزار ہا مسلمان اس معرکہ میں کام آئے۔ آخر وہی تدبیر جنگ جو جمل میں کی گئی تھی یہاں بھی ہوئی کہ قرآن نیزوں پر بلند ہوا۔

لڑائی ختم ہوئی مگر اس وقت جب دونوں کے چالیس بیالیس ہزار آدمی ختم ہو چکے۔ عبید اللہ بن عمر اور عمار بن یاسرؓ وغیرہ بھی اس میدان میں کام آئے۔ لڑائی کا انجام یہ ہوا کہ جب حضرت علیؓ کی فوج کو غلبہ ہوا تو شامیوں نے صلح کی درخواست کی اور آخر یہ رائے ہوئی کہ ثالث فیصلہ کریں چنانچہ عمرو بن العاص امیر معاویہ کی طرف سے اور ابو موسیٰ اشعری حضرت علیؓ کی طرف سے ثالث مقرر ہوئے۔ قریباً آٹھ مہینے تک دونوں ثالث بحث کرتے رہے۔ آخر دومتہ الجندل میں فریقین کے پانچ پانچ سو آدمی اور دونوں ثالث جمع ہوئے۔

رونے کا وقت آگے آئے گا ہنسنے کا وقت ہے کہ شامی ثالث عمرو بن عاص اور کوفی ثالث ابو موسیٰ اشعری کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ اور معاویہ دونو معزول ہوں ...... کوئی اور شخص خلیفہ مقرر کیا جائے۔ جب اعلان کا وقت آیا تو ابو موسیٰ اشعری نے عمرو بن عاص سے کہا کہ آپ تجویز کا اعلان کر دیجئے عمرو بن عاصؓ

نے کہا بھلا آپ کے سامنے میں سبقت کروں، ابو موسیٰ اس جال میں پھنس گئے اور ممبر پر کھڑے ہو کر کہا کہ میں علیؓ اور معاویہ دونوں کو معزول کرتا ہوں" اب تیسرے شخص کا انتخاب کرو۔ جب وہ یہ کہہ کر اتر پڑے تو عمرو کھڑا ہوا اور کہا میں حضرت علیؓ کو معزول کرتا ہوں اور انکی جگہ امیر معاویہ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ ہاتھا پائی ہوئی اور دو آدمی مر چکے تو معاملہ رفع دفع ہوا حضرت علیؓ کوفہ میں چلے گئے اور امیر معاویہ شام

قانون قدرت کے تحت... جنگ صفین میں بھی ہزاروں بچوں کو یتیم اور سہاگنوں کو اجاڑتی ہوئی اس طرح ختم ہوئی کہ اس کے واقعات زبان پر اثرات دلوں میں باقی رہ گئے میدان کارزار فنا ہو چکا مگر اس کی یاد آج تک مسلم دلوں میں موجود ہے حضرت علیؓ اور معاویہ دونوں اس دنیا سے رخصت ہو گئے مگر ان کے کارنامے ابھی زندہ ہیں۔ صبح ہو چکی مگر داستان شب ابھی تک خون کے آنسو رلوا رہی ہے وقت گزر گیا لیکن بات باقی ہے اور جس خلافت پر یہ کچھ خون خرابے ہوئے اب پردہ دنیا پر اس کا وجود بھی نہ رہا۔ جمل صفین بظاہر دو لڑائیاں مٹ چکیں مگر حقیقتاً اس وقت بھی اس سے زیادہ معرکہ موجود ہیں اور جس آگ کے شعلوں نے کوفہ اور شام پھونکا تھا وہ اس وقت تمام دنیا کو خاک سیاہ کر رہی ہے۔ خلیفہ چہارم اور امیر معاویہ کو موت نے ابدی نیند سلا دیا۔ مگر سنی شیعہ ابھی تک زندہ ہیں اور نتائج جنگ بھگت رہے ہیں۔
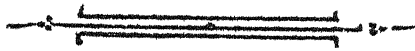
حضرت علیؑ کی شہادت

چاہیئے کہ جنگ صفین کے بعد افق اسلام پر سکون ہو جاتا تو یہ جو بادل گھر چکا تھا اور جو گھٹا چھا چکی تھی وہ اس کے بعد بھی برسی لگاتار برسی، موسلادھار برسی اور ایسی برسی کہ جب تک قصر اسلام کی بنیادیں نہ ہلا دیں مطلع صاف نہ ہوا۔
ایک اور وقت یہ آئی کہ مسلمانوں کا ایک نیا گروہ پیدا ہوا۔ یہ لوگ وہ تھے جو حضرت علیؑ سے مطالبہ کر رہے تھے کہ امیر معاویہ پر چڑھائی کیجئے اور اس کی بغاوت کو فرو کر کے شام پر حکومت کیجئے۔ چونکہ یہ تجویز عہد نامہ کے خلاف تھی اس لئے حضرت علیؓ منظور نہ کر سکے اور یہ گروہ امیر معاویہ کے ساتھ حضرت علیؑ کا بھی دشمن ہو گیا ان میں ایک شخص عبدالرحمٰن ابن ملجم نے قصد کیا کہ حضرت علیؑ کو شہید کرے، وہ اپنے ہی عقیدے اور گروہ کی لڑکی سے جس کا نام قطام تھا نکاح کا خواستگار تھا۔ اسی گروہ کے دو اور شخص وردان اور شبیب بھی شب و روز اسی خیال میں مستغرق تھے۔ ابن ملجم کی زیادہ خواہش و اصرار پر قطام نے شرط نکاح حضرت علیؑ کا سر قرار دی۔ عبدالرحمٰن اس پر رضامند اور وردان و شبیب اسکی مدد پر آمادہ ہوئے۔ حضرت علیؑ کے واسطے یہ تین آدمی تیار ہوئے۔ مبارک بن عبداللہ امیر معاویہ کے قتل کے واسطے اور عمرو بن بکر عمر بن العاص کے واسطے، رائے یہ قرار پائی کہ ایک ہی روز ایک ہی وقت تینوں وار کئے جائیں چنانچہ مبارک بن عبداللہ معاویہ کے واسطے دمشق گیا اور عمرو بن بکر تمیمی عمرو بن العاص کے واسطے مصر پہنچا۔ سترہ رمضان مبارک مقرر ہوئی تھی امیر معاویہ کے سر پر ہاتھ نہ پڑا اگر زخم ایسا کاری تھا کہ جانبر تو ہو گئے لیکن مردمی سے بیکار ہو گئے مصر میں اتفاق سے عمرو بن عاص کی بجائے نماز خارجہ نے پڑھائی قاتل اسی کو عمرو بن عاص

سمجھا اور قتل کر دیا۔

حضرت علیؓ مسجد میں داخل ہوئے تو رمضان المبارک کی وجہ سے نمازیوں کی غیر معمولی کثرت تھی آگے بڑھ رہے تھے کہ شبیب نے حملہ کیا مگر وار خالی گیا۔ اور وہ بھاگ گیا۔ ابھی جماعت بھی نہ سمجھ سکی تھی کہ کیا ہوا۔ اتنے میں ابن ملجم نے آگے بڑھ کر وار کیا یہ کارگر ہوا اور تلوار نصف سے زیادہ اتر گئی ابن ملجم پکڑا گیا۔ مگر زخم قاتل ثابت ہوا اور اس طرح مسلمانوں کی چوتھی خلافت کا خاتمہ ہوا۔

رمضان ۴۰ھ کی اٹھارویں شب پردہ دنیا پر چھائی ہوئی ہے، ماہتاب نے اپنی چادر بساط ارضی پر بچھا دی، کائنات خاموش ہو رہی ہے اور ہوا خرامانی ال فلسفۂ حیات کے مطالعہ میں مصروف ہے، تارے چشم تحیر سے چمنستان اسلام کے اس پھول کو جس نے ارض حجاز کو مہکا دیا تھا اور اس وقت خون میں شرابور ہے دیکھ رہے ہیں، کوفہ اور بصرہ کی سرزمین مکہ اور مدینہ کے در و دیوار، عراق و شام کے شجر و حجر رو رو کر اس کی وداع کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ اے ابو طالب کے گھر کا وہ چراغ ہے جس کے علم و فضل نے ایک دنیا کو منور کیا اور جس کی روشنی اب بھی اسلام کو جگمگا رہی ہے، اس کے خون کا ہر قطرہ با آواز بلند اس واقعہ کو دہرا رہا ہے۔ جب بے یار و مددگار رسول عربیؐ کی صدا اعانت کی طلبگار مکہ کی زمین پر گونجی اور ایک دس سالہ بچے نے قربان ہونے کا وعدہ کیا، آج جبکہ عرب کا رسول اس دنیا میں نہیں وہی لڑکا اس کے نام اور اس کے کام پر قربان ہو کر اپنے وعدہ کی تکمیل کر رہا ہے۔ گزری ہوئی راتوں کی وہ رات جس نے ایک طرف غار ثور پر چھپ رفاقت ثبت کی اور دوسری طرف بستر رسالت پر قربانی کا کلمہ پڑھا آج پھر نمودار ہوئی اور ان قدموں کو بوسہ دیا جن سے حسنین اپنی آنکھیں مل رہے تھے، مخلوق فلکی اپنے فرض سے سبکدوش ہوئی اور چمکدار تارے رات کا جنازہ صبح صادق

کی روشنی میں دفن کرکے آگے بڑھے۔ قندیل مہتاب کہرام مچاتی ہوئی خاموش ہوئی اور فضائے آسمانی کا تمام قافلہ شیر خدا کے پابوس ہونے کو حاضر ہوا آفتاب علیؑ کے بچوں کے واسطے پیام یتیمی لے کر طلوع ہوا تو زینب نے حسرت آمیز نظروں سے باپ کو دیکھا اور خاموش صورت اور بند آنکھیں کلیجے کے پار ہوگئیں بیتابانہ لپٹیں تو حضرت علیؑ کی آنکھ کھلی اور فرمایا۔

تیرے باپ کا قتل اس قیامت خیز ہنگامہ کی ابتداء ہے جو عنقریب برپا ہونے والا ہے۔ مصیبت اللہ کے نیک بندوں کے واسطے پیدا ہوئی ہے۔ اسنے تمہارے گھر میں جنم لیا اور تم ہی پر ختم ہوگی۔ میں خوش ہوں کہ اسلام پر قربان ہوا۔ دولت میرے پاس نہ تھی۔ البتہ زندگی جیسی بیش بہا نعمت اسکی راہ پر لٹا کر اس کے حضور میں جا رہا ہوں، اور شکر ہے کہ تمہارے نانا کے پاس سرخرو جاتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ میرے بعد معاویہ ہو یا نہ ہو اس کی اولاد تیرے بھائیوں کو پریشان کرنے میں کسر نہ چھوڑے گی اور یہ وہ وقت ہوگا کہ دنیا کے کتنے خاندان رسالت کے خلاف دشمنوں کا ساتھ دیں گے اور ظالم تم کو بے ولی وارث سمجھ کر طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں گے۔ زینب! تیری آزمائش کا وہی وقت ہوگا۔ اپنی راحت و آرام کو بھائیوں پر قربان کیجیو اور جسطرح میں شاداں و فرحاں سیدہ کے پاس جا رہا ہوں اسی طرح ہنستی ہنساتی ماں کے سینہ سے چمٹیو۔ ایسا نہ ہو کہ حسنین جیسے بھائیوں کو تنہا چھوڑ دے اور قیامت کے روز نانا اور باپ کے سامنے نگاہ نیچی ہو جائے۔ اگر تیرے نانا کی امت اور اسلام کا واسطہ نہ ہوتا تو تیغ حیدری ان سفاکوں کا قلع قمع چشم زدن میں کرتی۔ مگر زبان کا پاس اور عہد کی پابندی تھی کہ ان بچوں کو شامیوں اور کوفیوں کے قبضہ میں تنہا چھوڑ رہا ہوں۔ خوب سمجھتا ہوں کہ حسن ناتجربہ کار اور حسین بچہ ہے اور پالا ایسے لوگوں سے پڑا ہے جو لہو کے گھاگ اور رافضی ہیں یتیموں کا وارث خدا کے

سوا کوئی نہیں، تم سب کو رخصت کرتا ہوں اور رخصت ہوتا ہوں۔
دو پہر اسی طرح بسر ہوئے اس کے بعد غشی کی حالت طاری تھی کہ مسجد سے صدائے حق بلند ہوئی، اس آواز کے ساتھ ہی بیہوش آنکھ کھل گئی تو فرمایا کہ جماعت میں فرق نہ آئے۔ حمزہ بن ھبیرہ نماز پڑھائیں، چاند اور سورج دونوں شاہد ہیں کہ نماز فرض ہونے کے بعد تیسری نماز ہے جو جماعت سے قضا ہوئی۔"
بی بی زینب باپ کی تقریر سن کر بے اختیار ہو گئیں اور فرمایا، آپ ہم کو دنیا میں کس پر چھوڑتے ہیں، جب نانا جان تشریف لے گئے تو ہم کو آپ کے اور اماں جان کے حوالہ کیا تھا اور اماں جان نے ہمارا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیا تھا۔ ان کے بعد دل کو آپ سے تقویت تھی اور سمجھتے تھے کہ باپ بھی آپ ہیں اور ماں بھی، باباجان آپ کی شفقت نے اماں کی محبت بھلا دی، اور گو زندگی کی تکلیفوں نے ساتھ نہ چھوڑا مگر کبھی ہماری تیوری پر بل نہ آیا۔ قریش کے بچے اچھے کپڑے پہن کر باہر نکلے، کنبہ اور محلہ نے انواع و اقسام کی نعمتیں کھائیں مگر ہمارا فاقہ پلاؤ سے اور چیتھڑے کمخواب سے بہتر ہے۔ رضا ہمارا شیوہ اور صبر و شکر ہماری عادت تھی، چہرہ اقدس کی زیارت ہمارا پیٹ بھرتی تھی اور شفقت پدری کی دو باتیں ہر کلفت دل سے دور کر دیتی تھیں۔ اب اس دنیا میں ہمارا کون ہے۔ کوئی اتنا بھی نظر نہیں آتا کہ سیدھے منہ بات بھی کرلے گا۔ اتنا کہہ کر بی بی زینب نے اپنے دونوں ہاتھ باپ کے گلے میں ڈال دئے اور کہا باباہم غریبوں پر رحم فرمائیے اور ہم بیکسوں کو تنہا نہ چھوڑئے جس گھر میں یہ چہل پہل تھی کہ خدائی وحی نازل ہو آپ کے بعد سونا ہوگا اور کوئی اتنا نہ ہوگا کہ سیدہ کے لال کو آنکھ اٹھا کر دیکھ لے، بابا ہم پہلے ہی بدبخت ہیں، ہماری آنکھوں سے ابھی آنسو خشک نہیں ہوئے ہمارا دل خون کے آنسو رو رہا ہے ہمارے زخموں پر جدائی کے کچوکے نہ دیجئے میں اور کلثومؓ حسنؓ اور حسینؓ ان قدموں پر قربان ہولیں

اماں کی رحلت کا وقت ہم کو یاد ہے، اب وہ سماں دوبارہ نہ دکھائیے۔ اور خدا سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کا سایہ ہمارے سر پر قائم رکھے"!
اس وقت شیرِ خدا کا دل بھر آیا، انہوں نے دونوں صاحبزادوں کو پاس بلا کر فرمایا دو پیارے بچو سرور کائنات کا تمہاری ماں سے جدا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی باپ اولاد کے سر پر ہمیشہ نہ رہیگا۔ اماں کی موت کے وقت تمہارے معصوم دل صدمہ کے مستحق نہ سمجھتے تھے لیکن آج باپ کی موت تم کو بتائیگی کہ دنیا کی تفسیر کیا ہے اور خدا کا حکم کس کو کہتے ہیں حسنؑ اور حسینؑ تمہارے باپ کی جدائی کا وقت آ پہنچا ہے۔ یہ قدرت کا قانون ہے جو کسی طرح اور کسی حال میں ٹلنے والا نہیں ہیں اب تم سے رخصت ہوتا ہوں اور وہاں جاتا ہوں جہاں دیر سویر ہر شخص کو جانا ہے۔ یہ رونے کا وقت نہیں ہے، اپنا دل بھاری نہ کرو، اور مجھے ہنسی خوشی اپنے گھر سے خدا کے گھر پہنچا دو، میں تم سے چھوٹ کر ان لوگوں سے ملوں گا جن کے دیکھنے کو میری آنکھیں ترس رہی ہیں۔ رسول اللہ کا دیدار جسکے لئے دل تڑپ رہا ہے مجھے نصیب ہوگا۔ اور تمہاری اماں جنکو بچھڑے ہوئے مدت ہوئی۔ مجھسے ملیں گی میں خوش ہوں کہ پروردگار کی حضوری جسکے واسطے سیوا کی ہے آج میوہ کھلائے گی۔ مجھ کو اگر کوئی دکھ ہے تو تمہاری اور تمہاری بہنوں کی مفارقت کا۔ مگر دنیا کا دستور یہی ہے اور جو وقت آج میں دیکھ رہا ہوں یہ ہر باپ دیکھ چکا اور دیکھے گا۔ زخم کی تکلیف لمحہ بہ لمحہ زیادہ ہو رہی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ وقت مقررہ قریب آگیا۔ بچو! میں تمہارے پاس تھوڑی دیر کا مہمان ہوں، میری آنکھ بند ہونیکے بعد تم دونوں جہاں ان بہنوں کے بھائی ہو وہاں ان کی ماں اور باپ بھی۔ حسینؑ یتیم بچیوں کا دل بہت نازک ہوتا ہے، جب ان کی آنکھیں جو ماں کو رو چکیں باپ کو بھی رو چکیں گی تو تمہارے سوا انکو کوئی وارث نظر نہ آئے گا۔ میں خوب جانتا ہوں تم نے اس ماں کا دودھ پیا ہے

جس سے زیادہ فرض شناس عورت کارخانۂ حیات میں مشکل سے ہوگی، مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم اس آغوش میں پلے اور بڑھے ہو جس سے بہتر آغوش اب دنیا نہیں دیکھ سکتی۔ میں اس سے بھی باخبر ہوں کہ وہ مبارک کندھے جنکے سامنے جبرئیل جھکتے تھے تمہاری سواری تھے اور اس سے بھی آشنا ہوں کہ تم اس قلب منور چمٹ کر جوان ہوئے ہو جس پر خدا کا کلام نازل ہوتا تھا لیکن پھر بھی میں اس وقت اپنی بچیوں کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دیکر وصیت کرتا ہوں کہ انکی دلداری میں کسر نہ کرنا حسنین بن ماں باپ کی بچیاں اگر ماں کے فراق میں تڑپتی ہوئی تمہارے حکم کو نہ سنیں تو درگزر کرنا اور باپ کی یاد میں بلبلاتی ہوئی بھول جائیں تو معاف کر دینا۔

مجھے جہاں اپنی بچیوں سے یہ امید ہے کہ بھائیوں کے پسینہ پر خون بہا کر ماں کے دودھ کو روشن کریں گی وہاں تمہاری طرف سے بھی یقین ہے کہ ان پر جان و مال قربان کرو گے کہ ماں باپ کی روح خوش ہو۔

میرے سرہانے آؤ اور باواز بلند یسین پڑھو کہ پرواز روح میں دقت نہ ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری ماں کی روح میرے استقبال کو کھڑی۔ اور مجھے وہ صورت نظر آرہی ہے جس کے لئے آنکھیں ترس رہی تھیں۔

بچوں کی حالت بہت خراب تھی۔ وہ لپٹ لپٹ کر اور چمٹ چمٹ کر بابا کے نعرے لگا رہے تھے مگر اب شیر خدا دنیا اور اس کے دھندوں سے بے خبر تھے۔ دماغ بھی مصروف تھا اور زبان بھی کام کر رہی تھی لیکن کلام الٰہی کے سوا اور کچھہ نہ تھا دن کا باقی حصہ اور رات اس حالت میں بسر ہوئی۔

انیسویں رمضان کا آفتاب دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے ابر غلیظ میں نمودار ہوا مسلمانوں کا جم غفیر درِ مرتضیٰ پر ڈھاریں مار رہا تھا۔ مگر شیر خدا کی زبان سے کلام الٰہی کے سوا اب کچھہ نہ نکلا۔ یہاں تک کہ روح نے جسد خاکی کو الوداع کہا

بچوں کی حالت کیا تھی یہ بیان مشکل ہے، باپ کی رحلت نے ماں کی موت تازہ کر دی۔ ایک دوسرے کا منہ تکتے تھے اور روتے تھے، بھائیوں نے بہنوں کو گلے سے لگا کر ڈھارس دی، اس وقت عبدالرحمن بن ملجم خاموش تھا۔ بی بی کلثوم حضرت امام حسنؑ سے لپٹی ہوئی رو رہی تھیں کہ ان کی نگاہ اس پر پڑی۔ کہنے لگی عبدالرحمن تو ہی بتا کہ قاتل بہتر ہے یا مقتول، وہ ہنسا اور ہنس کر کہا کہ "اگر مقتول بہتر نہ ہوتا تو رونے والے اتنے نہ ہوتے۔

غسل ہو چکا تو جنازہ قبرستان کی طرف چلا اور روزہ دار میت خون میں نہائی قبر میں پہنچی۔ دونوں شہزادوں کی حالت خراب تھی، اور گلے میں ہاتھ ڈالے رو رہے تھے۔ آفتاب کی کرنوں میں جنت کے سرداروں کا گریہ دیکھنے اور سننے کی ہمت نہ تھی اور طائران شام خلیفہ چہارم کی رحلت پر گریہ و زاری کرتے ہوئے بسیرے کی تیاریوں میں مصروف ہوئے تو سیدہ کے لال ایک باغ میں چلے گئے۔ جہاں کھجوروں کے جھنڈ چھائے ہوئے تھے اور ہوا کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ کا نقارہ بجا رہی تھی۔ باغ کا مالک عقیدت کے قدموں سے آگے بڑھا اور محبت کے ہاتھوں سے تھوڑی سی کھجوریں پیش کیں۔ دامن شب لمحہ بہ لمحہ وسیع ہو رہا تھا اور شام کی سیاہی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ شہزادوں نے روزہ افطار کیا، نماز مغرب ادا کر کے جب چلنے کا قصد کیا تو مالک نے کہا "یہ تھوڑی سی کھجوریں شہزادیوں کے واسطے قبول فرما لیجیے۔ ادھر جا کر کہیے کہ علیؑ کی یتیم بچیاں آج میری کھجوروں سے روزہ کھولیں۔ گھر میں اللہ کا نام ہوگا امام حسنؑ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا خدا تیرے باغ میں برکت دے کہ ہم یتیموں پر باپ کے بعد اتنی شفقت کر رہا ہے"۔ مالک رو کر قدموں پر گر پڑا۔ اور کہا "یہ سب آپ ہی کا طفیل ہے، یہ جو کچھ یہاں موجود ہے آپ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہی ہیں، میرا گھر قربان آپ پر اور شبیرؑ پر جو ہم مردوں کو دنیا میں زندہ کر گیا ہیں اور میری بیوی بچے

عبدالرحمٰن نے یہ ظلم توڑا ہے چیخیں مار مار کر رو رہی ہیں۔ آج چوتھا روز ہے کہ ہمارے
ہاں کچھ نہیں پکا۔ ہمارے چولھے میں آگ نہیں سلگی۔ جب خیال آتا ہے کہ ہمارا
وہ محسن جس کے نام پر دل و جان نثار ہوں زمین ہو گیا تو ہم اپنے سینوں پر گھونسے
مارتے ہیں۔ شہزادوں کو تو گلے سے لگا کر تسکین ہوتی ہے جاؤ تمہارا خدا حافظ نگہبان ہے

امام حسینؑ نے مالک سے کہا کہ ہم کو باپ سے جدا کرنے والا، زینب و کلثوم کو یتیم بنانے والا
بھی مسلمان تھا اور محبت کا ہاتھ سر پر رکھنے والا بھی مسلمان ہے آخر تو ہم کو بتا کہ
تجھ کو کونسی چیز ہماری طرف مائل کرتی ہے۔ ہم نے اس سے پہلے تیری صورت دیکھی
نہ نام سنا۔ مالک بے اختیار رو دیا اور کہا کہ جو آگ دب چکی تھی اس کو کیوں کرید نے ہو
جو زخم رس چکا اب اس کو کچھ کے نہ دو، خیر تمہارا حکم ہے تعمیل کرتا ہوں اچھا سنو۔
میرا باپ قبیلہ بنی اسعد کا پہلا شخص تھا جو سرور کائنات پر ایمان لایا۔ اس کے مسلمان
ہونے سے تمام قبیلہ جانی دشمن ہو گیا اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں، اس نے اپنا مال و
متاع اسلام پر قربان کیا اور ہر تکلیف کو راحت سمجھا جب اس کی موت کا وقت آ پہنچا تو
سوا اس باغ کے جس میں تم کھڑے ہو اس کی کوئی ملکیت نہ تھی میں آج جوانی ختم کر چکا مگر
اس وقت ماں کی گود میں تھا، میرے باپ کا حقیقی بھائی جو کافر تھا اور کافر مرا اپنے
بھائی کی موت کے بعد اس باغ پر قابض ہو گیا اور ساڑھے چار سو درم قرضہ کا
نکال کر یہ باغ دبا لیا سنتا ہوں کہ ہم یتیموں پر فاقے گزرے اور پانچ آدمیوں کا
کنبہ میری ماں اور چار یتیم دو دو دانوں کو محتاج ہو گئے۔ ایک رات میری ماں بچوں کو
ساتھ لئے اپنے نالوں سے زمین و آسمان کو تھرا رہی تھی کہ اس کو ایک شخص آتا ہوا
دکھائی دیا وہ خاموش ہو گئی مگر وارد کی تسکین اور ہمدردی نے قلب کا دروازہ کھول دیا
فرمایا آہ بنکر زبان پر آئی اور مصیبت الفاظ کا لباس پہن کر نمودار ہوئی تو وارد رونا ہوا گیا
اور نماز فجر کے بعد آکر کہا تم اپنا باغ لے لو میں مفلس آدمی ہوں مگر مزدوری کروں گا اور تمہارا

قرض ادا کروں گا۔ اب میرا دل تڑپتا ہے اور دھوئیں اٹھتے ہیں جب خیال کرتا
ہوں کہ اس فرشتے نے جو انسان کی صورت میں جلوہ گر ہوا مشکوں میں پانی بھر کر
اپنے بچوں کو بھوکا سلا کر ہمارا قرض ادا کیا اور یہ باغ ہم کو دے گیا۔ شہزادو اب
مجھ کو اجازت دو کہ تمہارے قدموں پر نثار ہو جاؤں، ہمارے دکھ کو سکھ بنانیوالا
ہماری مصیبت میں کام آنے اور میری ماں کے ساتھ رونے والا تمہارا باپ اور ہمارا
مولا علی ابن ابی طالب تھا۔ آؤ۔ آؤ میرے قریب آؤ۔ قربان ہو جاؤں ان
قدموں پر اور ان صورتوں پر۔ دونوں شہزادے روتے رہے اور کھجوریں لیکر
آگے بڑھے تو ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں ہر طرف خاک اڑ رہی تھی۔ ریت کے تودے
آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ اس ریگستان میں جہاں آدمی تھا نہ آدم زاد اور ہر سمت سناٹا
چھایا ہوا تھا۔ رات کا اندھیرا ریگ کے سفید ذروں پر غالب تھا۔ آسمان کے تارے
یقیناً علیؑ کی خاموش رفتار پر رو رو کر کرب میں ڈوبی ہوئی انکے کانوں میں کسی
انسان کی ایسی صدا آیا جو درد و کرب میں ڈوبی ہوئی تھی خاموش کھڑے تھے کہ
ہوا نے کانوں میں پھر وہی آواز پہنچائی۔ دل بھر آیا اور کہنے لگے کس بدنصیب کی
آواز ہے جو شدت درد سے رو رہا ہے اسکے پاس چلیں اور اسکی مدد کریں۔ اندھیری رات
ہو کا عالم ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھائی دیتا تھا۔ ہائے کی آواز رہ رہ کر اور آہ کا نعرہ تھم تھم کر
کانوں میں آ رہا ہے اسی آواز پر روانہ ہوئے۔ ہوا نے رہبری کی تو معلوم ہوا کہ کوئی صدائے
انسانی کسی بچھڑے ہوئے محبوب کی یاد میں تڑپ تڑپ کر اس میدان میں گونج رہی ہے۔
قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جھونپڑی ہے جس میں ایک شخص پڑا ہوا ہائے
ہائے کر رہا ہے اور کسی کو اس درد سے بلاتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں دریافت
کیا تو جواب ملا کہ دو تم لوگ اپنا راستہ لو اور میرے زخم پر نمک نہ چھڑکو میں اپنے
دوست اپنے محسن سے جدا ہوں۔ اگر دل میں درد ہے اور

ایک بدنصیب پر جس سے موت کوسوں دور بھاگتی ہے، رحم کر سکتے ہو تو مجھے میرے محبوب تک پہنچا دو،، شہزادوں نے کہا "انسان کی خدمت ہمارا فرض ہے آپ ہمارے ساتھ چلئے اور منزل مقصود کا پتہ دیجئے۔ سر آنکھوں سے پہنچا دیں گے اتنا سن کر وہ شخص رو دیا اور کہا اگر پاؤں ہوتے اور چلنے کی طاقت ہوتی تو تمہاری مدد کا محتاج نہ ہوتا اگر ہاتھ ہوتے اور اٹھنے کی ہمت ہوتی تو تم سے التجا نہ کرتا۔ تین سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا کہ قدرت مجھ کو ان نعمتوں سے محروم کر چکی ہے میں انسان نہیں لاشہ ہوں جو چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے سے مجبور و معذور ہے۔ اسی واسطے میں نے تم سے منت و ادب درخواست کی ہے کہ شاید تم یہ تکلیف گوارا نہ کر سکو اور مجھ اپاہج کی مدد میں تامل ہو، بڈھا ہوں زیادہ بات نہیں کر سکتا۔ بیمار ہوں توانائی نہیں ہے مجبور ہوں دماغ صحیح نہیں ہے آ آ۔ بچھڑے ہوئے دوست آ جا۔ تیری جدائی نے زندگی وبال اور دنیا آنکھوں میں اندھیر کر دی۔ رحم کر کرم کر۔ اپنی آواز سنا کر دل کی لگی بجھا دے اپنی خوشبو سنگھا کر دماغ معطر کر دے۔ آ جا آ جا۔ میرے دوستو! تم کو میری اس حالت پر ہنسی آ رہی ہو گی، تم اس درد سے نا آشنا ہو، جاؤ، جاؤ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں اپنے حال میں خوش ہوں اور مجھ کو جو لطف دوست کی یاد میں آ رہا ہے وہ اب اگر حاصل ہو سکتا ہے تو موت ہی جو مجھ کو میرے محبوب سے ملا دیگی۔ مگر تمہاری آواز، کیا کہوں، اچھا جاؤ چلے جاؤ"

متحیر اور متشدد حسین نے کہا کہ بتائیے وہ دوست کونسا ہے اور کہاں ہے ہم پہنچا دینگے اپنی پشت پر سوار کریں گے اور لے جائیں گے، بڈھے بیمار نے رو رو کر کہا "انسانیت کا یہ جوہر میرے دوست پر ختم ہو چکا۔ اب اس دنیا میں کوئی ایسا نہیں۔ میں چند لمحہ میں تمہاری پشت پر وبال ہو جاؤں گا اور تم مجھ کو ادھر میں پھینک دوگے اور مجھ کو جو تھوڑی بہت امید اپنے محبوب سے مل لینے کی ہے وہ بھی ختم ہو جائیگی

میں تم کو کیا بتاؤں۔ بڈھا ہوں، اس کی صورت نہیں دیکھی، نام اس نے کبھی نہیں بتایا، کیونکر پتہ دوں کہ کون ہے، کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے تم کو میری کتھا کا یقین نہ آئے گا۔ اس زیتون کے درخت پر جو سامنے ہے لپٹے ہوئی جڑ یا جب صبح کا اعلان کرتی ہائے آجا آجا۔ وہ انسانی فرشتہ مجھے اٹھا کر بٹھاتا اور وضو کراتا میں اپنے خالق کی عبادت میں مصروف ہو جاتا۔ جب آفتاب کی شدت ہوتی اور شعاعیں تیزی کے ساتھ جب مجھ پر یورش کے قریب ہوتیں تو گود میں اٹھا کر جھونپڑی میں پہونچاتا۔ اور نوالے بنا بنا کر اپنے ہاتھ سے مجھے کھلاتا۔ آآ آجا میرے دوست میرے محسن آجا، تم سے کیا کہوں کہ وہ کیا تھا۔ میرے پاؤں دباتا، بیماری میں دوا پلاتا اور صحت میں کھانا کھلاتا۔ تین سال سے زیادہ ہو گئے کہ اس ریگستان میں دنیا کی بہترین نعمت میرے پیٹ میں پہونچ رہی ہے، مجھے اس کا نام و نشان تک معلوم نہیں۔ آج چار روز سے وہ میرے پاس نہیں آیا۔ میں جانتا ہوں کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو میرے پاس آنے سے نہیں روک سکتی۔ وہ بیماری میں مجھ کو نہیں بھولا۔ رنج و الم میں میری خدمت کرتا رہا۔ اب مجھے یقین ہے کہ وہ سخت بیمار ہوا گرفتار ہوا، قید ہوا یا کوئی ایسی مصیبت آئی کہ آنے کے قابل نہ رہا۔ اس کے سوا کچھ نہیں بتا سکتا کہ تم دونوں کی آواز سے ملتی ہوئی ہے اور ہوا تمہارے جسم سے اس کی خوشبو لا رہی ہے۔ میرے بچو میرے قریب آجاؤ کہ میں اس کی خوشبو سے مست ہو جاؤں اور تم کو دعا دے کر رخصت کروں۔

شہزادے چیختے ہوئے آگے بڑھے اور فقیر کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ آپ جس کو رو رہے ہیں وہ ہمارے باپ امیر المومنین علی مرتضیٰ تھے۔ آج چوتھا روز ہے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم نے ان کو شہید کیا اور ہم ان ہی کے دفن سے فارغ ہو کر آرہے ہیں"۔ فقیر یہ سن کر بیقرار ہو گیا۔ دونوں بچوں کو کلیجے سے لگا کر چیخیں مارنے

لگا اور کہا" مجھ کو قبر پر پہنچا دو کہ اس کے بعد زندگی موت سے بدتر ہے۔ شہزادوں نے
ہر چند غور کیا اور التجا کی کہ آپ گھر چلئے ہماری بہنیں اور ہم آپ کی خدمت اپنا فرض سمجھیں گے
بہنیں آپ کو سر آنکھوں پر بٹھائیں گی مگر رضامند نہ ہوا تو مجبور و لاچار اس کو لیکر
قبر پر پہنچے۔ فقیر نے قبر پر فاتحہ پڑھی اور لپٹ کر ایک آہ کی اور بآواز بلند کہا" بلالے
اپنے پاس بلالے" اتنا کہنے کے بعد قبر سے لپٹا ہوا درویش ختم ہو گیا۔

امیر معاویہ کی کوششیں

حضرت علیؓ کے بعد اب میدان بالکل صاف تھا اور امیر معاویہ کا زخم گو اچھا
ہو رہا تھا مگر کسک ابھی باقی تھی اور جس طرح ظاہری زخم کا پوری طرح اندمال نہ ہوا
تھا اسی طرح اندرونی ٹیس بھی ختم نہ ہوئی تھی، امیر معاویہ صحابہ رسول اللہ میں اور حضرت عمرؓ
نے فرمایا تھا کہ روم قیصر پر، ایران کسریٰ پر اگر فخر کرتا ہے تو عرب اپنے معاویہ پر
بجا ناز کرنے کا حق رکھتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ ان میں بعض خوبیاں بھی تھیں اور ہر شخص
میں ہوتی ہیں مگر اس سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ کیا وہ خدا اور اس کا رسول ہی بہتر
جانتا ہے۔ امیر معاویہ کو حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امام حسن کی طرف سے خلافت کا
اندیشہ ہو سکتا تھا مگر انہوں نے پہلے ہی اعلان کر دیا کہ وہ اس خواہش سے ہزاروں کوس
دور ہیں اور اس سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتے، اہل کوفہ نے جہاں اس وقت
حسنین علیہ السلام موجود ہیں حضرت امام حسن کو بہت ترغیب دی۔ مگر انہوں نے
انکار کر دیا۔ اور امیر معاویہ کو اپنے فیصلہ کی اطلاع کر دی۔ شام میں
امیر معاویہ کی پوری حکومت تھی مگر وہ چاہتے تھے کہ میں حضرت علیؓ کے بعد خلیفہ
ہو جاؤں لیکن انتخاب کی بجائے تلوار کی طاقت سے۔ اس میں ایک بڑی مصلحت
یہ تھی کہ اگر انتخاب کا سلسلہ موقوف ہو گیا تو خلافت بادشاہت میں تبدیل ہو کر
میرے ہاں موروثی ہو جائے گی۔ اسی واسطے انہوں نے اپنا مشیر اعظم عمرو بن عاص

کو مقرر کیا اور چاروں طرف احکام جاری کر دئے کہ میری خلافت کو جو تسلیم نہ کرے اور بیعت پر راضی نہ ہو اُسے گرفتار کر لو، اسمیں شک نہیں کہ عرب کے دم خم ابھی باقی تھے مگر پچھلی لڑائیوں نے ایسا مجروح کیا تھا کہ سکت نہ تھی۔ قریب قریب سب نے اس رائے سے اتفاق کیا، صرف چار شخص تھے جنہوں نے تامل کیا اور بیعت سے انکار کیا

امام حسینؑ، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ اور عبدالرحمن خلیفہ اول و دوم کے صاحبزادے ہیں، امام حسینؑ خلیفہ چہارم کے اور عبدالرحمن بن زبیر۔ یہ زبیر بن العوام کے۔ جن کے مفصل حالات اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ امیر معاویہ کو ان چاروں کی طرف سے پورا اندیشہ ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ یہ معمولی آدمی نہیں بلکہ پایہ کے لوگ ہیں اور اتنا اثر رکھتے ہیں کہ اگر بگڑ گئے تو مسلمانوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہو گی۔ چنانچہ انہوں نے خفیہ احکام اپنے عاملوں کے نام بھیجدئے کہ جس طرح ہو ان چاروں سے بیعت لو۔ ممکن تھا کہ امیر معاویہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جاتے مگر ان کو سب سے بڑی فکر یہ ہوئی کہ میں بڈھا ہوں اور موت سر پر آپہونچی۔ یزید اگر میرے سامنے ہی تخت نشین ہو جائے تو اچھا ہے۔ اسلئے انہوں نے ۵۶ ہجری میں یزید کی بیعت لینی چاہی۔ انکی اس خواہش کی مخالفت سب سے پہلے انہی کے گھر سے شروع ہوئی اور وہ اس طرح کہ امیر معاویہ کے باپ ابوسفیان کی دوسری بیوی سے ایک بیٹا زیاد تھا اور یہ اس عبیداللہ کا باپ تھا جس نے امام حسینؑ کو کربلا میں شہید کیا۔ اس عبیداللہ کے باپ زیاد نے امیر معاویہ کی اس تجویز سے کہ بیعت یزید کی کیجائے مخالفت کی اور کہا کہ یزید ہر وقت شراب کی نشہ میں مست رہتا ہے۔ خدا کا وہ نہیں، رسول کا وہ نہیں مسلمانوں کی خلافت سے اس کو واسطہ کیا۔ مگر معاویہ کے مقابلہ میں زیاد کی کیا چلتی۔ بیعت کی کوشش اسی واسطے کیگئی مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی اور ان چاروں بزرگوں نے

یہی عذر کیا کہ یزید کے اعمال خلافت کے لائق نہیں۔ امیر معاویہ عمرہ کے بہانہ سے مکہ معظمہ چلے اور راستہ میں مدینہ منورہ میں بھی قیام کیا اور چاروں سے علحٰدہ علحٰدہ بیعت یزید کے متعلق گفتگو کی، امام حسینؑ نے جواب دیا کہ مجھے بیعت یزید میں عذر نہیں اگر تینوں صاحب رضامند ہوجائیں تو میں حاضر ہوں۔ یہی جواب ان تینوں نے دیا اور اب امیر معاویہ کو یقین ہوگیا کہ یزید کی بیعت آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے کوئی معقول تدبیر کرنی چاہئے۔

شہادت حضرت امام حسن علیہ السلام

حضرت امام حسن علیہ السلام لڑائی جھگڑوں سے بالکل الگ تھلگ تھے، اور انہوں نے امیر معاویہ کے جواب میں کہلا بھیجا کہ "مجھے ان معاملات سے سروکار نہیں البتہ میری دو خواہشیں ہیں ایک یہ کہ میرے اہل و عیال کے واسطے وظیفہ کردیا جائے اور دوسرے یہ کہ میرے باپ کے متعلق جو الفاظ ناشایستہ استعمال کئے جاتے ہیں اس سے باز آجاؤ"۔ معاویہ نے دونوں شرطیں منظور کرلیں مگر پھر بھی دل میں کھٹکا موجود رہا کہ نہ معلوم کس وقت امام حسنؑ کی طرف سے کوئی گل کھل جائے، رسول اللہ کے نواسے علیؑ کے صاحبزادے ان کے اشارے کی دیر ہے رعیت باغی ہوجائیگی چنانچہ بہت سی تدابیر کے بعد ۴۹ھ میں ایک ایسا موقع ہاتھ آگیا جس میں کامیابی کی امید تھی اور وہ یہ کہ جعدہ بنت اشعث جس کا دوسرا نام اسماء تھا اور جو آپکے نکاح میں تھی اسوتیہ نامی ایک لونڈی کی وساطت سے زہر دینے پر آمادہ ہوگئی۔

چشم فلک دنیا کے مختلف النوع تماشے دیکھ کر ہنس رہی ہے، آسمان روتا ہے اور ہنستا ہے، بلبلاتا ہے، اور قہقہے لگاتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ کس طرح یہ زندگی کے بازیگر ایک محدود دائرہ میں جذبات سے مغلوب ہوکر ضرورتیں پیدا کرتے ہیں اور فانی خواہشوں پر کیسی کیسی زبردست قربانیاں کردیتے ہیں۔ پانی کے ایک قطرے کے واسطے چند روزہ

زندہ رہنے والا انسان کیسی بے دردی سے خون کے پرنالے بہا دیتا ہے اور محض بات کی تیچ پر وہ زندگی جس کے سر پر موت ہنس رہی ہے دوسری زندگیوں کو لہولہان کر دیتی ہے۔ آج مامتا میں ڈوبے ہوئے ہاتھ جس بچہ کو لوری دیکر تھپکتے ہیں وہ اسی دنیا کے ہیں اور جس بچہ کے سر پر لاتعداد ارمانوں سے شادی کا سہرا باندھتے ہیں وہ بھی اسی دنیا کے اور کل بچہ کو ابدی نیند سلا دینے والے ہاتھ بھی اسی دنیا کے ہیں۔ اور سر کو خوتم خون کر دینے والے ہاتھ بھی اسی دنیا کے۔

کل جس کی پیدائش پر کیتہ عیار کبادیں دے رہا تھا۔ ماں باپ نہال نہال تھے جس وجود نے دنیا کے بہترین انسان اور خدا کے محبوب کو باغ باغ کر دیا تھا اس کا صرف کلمہ پڑھنے والے نہیں، اس کے فیض سے متمتع ہونے والے، اس کا نام جپنے والے، اس کے دسترخوان سے پیٹ بھرنے والے، اس سے شفاعت کی امید رکھنے والے، اس کے لال کو زہر دینے کی تدبیر مکمل کرتے ہیں۔

رات کی خاموش گھڑیاں پردہ دنیا پر آہستگی کے ساتھ گزر رہی ہیں، پوری دو پہر ختم ہو جانیکے بعد افواج فلکی میں ہل چل مچی اور سپہ سالار عساکر سماوی بساط فلک پر نمودار ہوا کہ زندگی کا وہ تماشہ دیکھے جو انسانیت کے معنی بتا رہا ہے۔ امام حسنؑ بیخبر پڑے سوتے ہیں اور اس لئے رات کو پانی پینے کی عادت ہے جعدہ پانی کے برتن میں زہر ملا کر چپکی لیٹ جاتی ہے۔ مگر نیند کہاں ہ کروٹیں لیتی ہے اور اس وقت کا انتظار کرتی ہے جب تدبیر پوری ہو اور کامیابی کے آثار نظر آنے لگیں، رات کا تیسرا حصہ بھی ختم کے قریب آ پہنچا اور وہ ساعت بھی آ گئی جب سرہانے رکھا ہوا پانی پیٹ میں پہنچکر کلیجہ کاٹ دے آنکھ کھلی تو حسب دستور پانی پیا۔ اگرچہ چند ہی قطرے داخل ہوئے تھے کہ ہائے کی آواز نے سونے والوں کو ہشیار کیا۔ گھبرا کر دوڑے اور آکر دیکھا تو پانی اور پانی کے ساتھ پینے والے کا رنگ سبز ہو چکا تھا۔ قے کیساتھ کلیجہ اور انتڑیوں کے ٹکڑے نکل رہے تھے

اس سے زیادہ دردانگیز گھڑیاں دنیا کے پردہ پر کم آئی ہونگی کہ جن بہنوں اور بھائیوں کو باپ محبت و اتفاق کی وصیتیں کر کے سدھارا وہی بہنیں اور وہی بھائی بھائی کے کلیجے کے ٹکڑے دیکھ رہے اور کچھ نہیں کر سکتے بہنیں لپٹ لپٹ کر رو رہی ہیں مگر بے بس ہیں۔ بھائی چمٹ چمٹ کر آنسو گراتا ہے لیکن بے اختیار ہے۔ صبح ہو چکی۔ دنیا کے بسنے والے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے اور علیؑ کا خاندان جو ابھی اپنے سرتاج کی موت پر پوری طرح رو بھی نہ چکا تھا۔ اپنی کشتی کے ناخدا امام حسنؑ کی موت کا انتظار کرنے لگا۔ زندگی سے مایوس ہو کر امام عالیمقام نے ام کلثومؑ کے گلے میں ہاتھ ڈال کر فرمایا۔

ماں جائی! زہر تلوار کی طرح اندر ہی اندر کاٹ رہا ہے۔ اب تکلیف قابل برداشت نہیں۔ دعا کرو کہ خدا جلد خاتمہ بالخیر کرے، ماں اور باپ دونوں میرا انتظار کر رہے ہیں۔ خدا تمہارا بہتر وارث ہے۔ دیکھو دشمن خاندان رسالت کی بربادی پر کمر بستہ ہیں۔ میرے بعد حسینؑ اکیلا بتیس دانتوں میں ایک زبان ہے ہر طرف سے یورش ہوگی اور پاؤں تلے کی چیونٹی بھی دشمن بن جائے گی۔ بنو فاطمہ کے تاراج کرنے میں وہی مسلمان جو نانا جان کا کلمہ پڑھ رہے ہیں متفق ہو جائینگے مجھے اپنی موت کا ملال نہیں مگر حسینؑ ہائے میرا بھائی حسینؑ جس کا ہاتھ باپ نے میرے ہاتھ میں دیا تھا تنہا و یکہ ہے اور کوئی اتنا بھی نہیں کہ نیک صلاح اور مشورے سے اسکی مدد کرے۔ میں فاطمہ کے خاندان کو اب تیرے حوالہ کرتا ہوں، زینب تیری مددگار ہوگی۔ اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ آل فاطمہؓ کا اب کیا حشر ہو۔ دیکھو یہ جیتا جیتا خون اس گوشت کا ہے جسے رسول اللہ نے بوسے دئے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کس سازش کا شکار ہوا مگر نہیں چاہتا کہ اس راز کو بیان کروں سب سے اچھا فیصلہ کرنیوالا احکم الحاکمین ہے اور وہی جزا و سزا کا مالک ہے بھائی کی گفتگو سن کر امام حسین علیہ السلام بیتاب ہوئے۔ اور دوڑ کر لپٹ گئے۔

اس وقت قے کی تکلیف بہت زیادہ تھی، اور پیٹ کا تمام خون حلق کے راستہ نکل چکا تھا ناتوانی حد سے زیادہ گزر گئی تھی اور رنگ بالکل نیلا ہو چکا تھا۔ اب آپ نے سب کو ہٹا کر اسماء یعنی جعدہ کو تنہا بٹھایا۔ کہا جس جھوٹی دولت اور عارضی عزت کی توقع پر تو نے مجھ کو زہر دیا وہ پوری نہ ہوگی۔ دشمن نے تجھ کو فریب دیکر اپنا کام کیا۔ تو غور کر اس نازک گھڑی کا جب خدا کا سامنا ہوگا اس وقت تو اس ظلم کا کیا جواب دیگی۔ میں نے تجھ کو خوش رکھنے کی ہمیشہ کوشش کی۔ اس کا بدلہ تو نے مجھ کو یہ دیا۔ میں تجھ کو بتا دیتا ہوں کہ مجھ بیگناہ کا خون رنگ لائے گا اور تمام عرب میں تیری ذلت و رسوائی ہوگی۔ اچھا رخصت ہو۔"

جعدہ ندامت کے قدموں سے باہر نکلی اور شرمندگی کے آنسوؤں سے آگے بڑھی تو امام حسین علیہ السلام بھائی سے لپٹے اور کہا قاتل کا نام بتائیے۔" آپ نے اس اذیت میں مسکرا کر فرمایا۔" خدا بہتر سزا دینے والا ہے، تم اس کو اذیت نہ دینا۔ اس کے بعد آپکی حالت غیر ہوگئی۔ بہن اور بھائی چاروں طرف کھڑے تھے، آپ نے ان سب سے خطاب کیا کہ" ماں اور باپ کے بعد میرا سایہ بھی تمہارے سر سے اٹھتا ہے۔ اور تمہارا وارث خدا کے سوا کوئی نہیں، تم سب اس کے سپرد ہو۔ اس کے بعد آپنے کلمۂ طیبہ پڑھا اور امام حسینؑ کی گود میں سیدہ کے کلیجہ کا ٹکڑا دنیا سے رخصت ہوا۔

رسول عربی کا کلمہ پڑھنے والے مسلمانو! آنکھوں سے کام لے چکے۔ اب ذرا دماغ پر زور دو، اور پرواز تخیل کو آج سے چالیس سال قبل کی ایک رات تک پہنچا دو۔ یہاں تمکو وہ سماں نظر آئے گا کہ بلبلا اٹھو گے۔ آنکھیں عالم خیال میں ایسی قہر کی صورتیں لائیں گی کہ عقیدت دل کے ٹکڑے اڑا دیگی، محبت ہزار جان سے قربان ہوگی اور شوق پروانہ وار نثار ہوگا۔ معلوم ہے کہ کس مقام پر ہو۔ جن گلیوں کی خاک آنکھ کا سرمہ ہے، جس کی زمین آسمان سے افضل۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں دونوں جہان کا بادشاہ ہمارا مولا اور خدا کا پیارا، نبیوں کا سردار اور پیغمبروں کا سرتاج اشاعت

اسلام میں سرگرم ہے، دنیا اس کے منہ سے جھڑے ہوئے پھول اپنی گود میں لے رہی ہے، توحید کا ڈنکہ تمام عربستان میں بج رہا ہے اور رسالت کی صدائیں زمین کے ذرہ ذرہ سے بلند ہو رہی ہیں۔ صبح صادق کا سہانا وقت ہے۔ چکی پیس پیس کر خدا کا نام لینے والی فاطمہ، اور مشکیں ڈھو ڈھو کر پیام رسالت پہنچانے والا علیؓ لڑکے کے ماں باپ بن چکے ہیں۔ اور وہ بچہ ہے جس کے کان میں شافع محشر نے اذان دی۔ یہ وہ بچہ ہے جس کے منہ کو محبوب خدا بوسے دے رہا ہے، یہ وہ بچہ ہے جس کے رونے کی آواز پر خدا کے رسولؐ نے خدا کے گھر میں خدا کا کلام چھوڑ دیا۔ وہ بچہ جو نماز میں پشت رسول پر سوار ہے۔ وہ بچہ جو نزول وحی کے وقت گود میں۔ لڑائی کے موقع پر کندھے پر، گھر میں سینے پر، اور باہر ہاتھوں پر رہا۔ وہ بچہ جسکی پیدائش پر زبان مبارک سے یہ الفاظ فرماتے تھے "جو میرا وہ اس کا، جو اس کا وہ میرا"

مسلمانو! انصاف کی آنکھوں سے دیکھو اور ایمان کے دماغ سے فیصلہ کرو۔ کتنا درد انگیز منظر اور موثر سماں ہے۔ آسمان مدینہ پر گھنگھور گھٹا چھا چکی ہے، موسلا دھار بارش ہو رہی ہے، بجلی کی کڑک ہے، بادل کی چمک ہے، اور مسجد نبوی میں خدا کا رسول ایک بچے کو آغوش میں لئے اللہ اللہ کر رہا ہے۔ نثار اس آغوش کے، اور قربان اس معصوم کے۔ سلام اس لال پر اور درود اس دلال والے پر، بادل کی کڑک ختم نہ ہوئی تھی کہ ہوا کے فراٹے میں اماں اماں کی صدا مسجد میں پہنچی اور وہ پائے ثبات جنکو دنیا کی کوئی طاقت متزلزل نہ کر سکی ماں کے جوش میں اپنی جگہ سے سرکے اور خدا کا رسول بچہ کو سینے سے چمٹائے اسی کڑک اور چمک میں، اسی مینہ اور ہوا میں ہنستا اور ہنساتا گھر میں داخل ہوا۔

رونے والی آنکھوں سے حقیقی نگاہیں بلند کرو اور دیکھو کہ یہ تیرہ و تار گھر کس کا ہے! یہ ثرید پکانے والی خاتون کون ہے

دروازہ پر نگاہ اور آہٹ پر . . . .

کان کس کے ہیں؟ درود وسلام آنے والے پر، اس گھر پر، اور گھر والوں پر، مردوں پر، اور عورتوں پر، یہ بنت رسول کا گھر ہے، یہ منتظر آنکھوں سے بچھی راہ دیکھنے والی خاتون، خاتون جنت ہے، اور بچہ کو ماں کی گود میں دینے والا انسان ہادی برحق اور پیغمبر آخرالزماں ہیں۔

وہ سماں ختم ہو چکا جعدہ کے زہر کا شہید قبر میں دفن ہو رہا ہے، یہ میت کس کی ہے اس حسنؓ کی، رسول عربی کے دوش مبارک جس کی سواری تھے، فاطمہؓ جس کی دودھ پلانے والی، اور علیؓ جس کا پرورش کرنے والا۔ یہ زہر کس نے دیا اور دلوایا؟ ان ہی لوگوں نے جو اس کے نانا کا کلمہ پڑھتے ہیں اور قیامت کے روز شفاعت کے امیدوار ہیں۔

امیر معاویہ کی آخری کوشش اور موت

امیر معاویہ کی عمر اس وقت نوے سال کے قریب تھی اور کندھے کی ہڈی جو کٹ چکی تھی سڑ گئی تھی، مگر وہ شب و روز اسی فکر میں تھے کہ یزید کی خلافت اپنی آنکھ سے دیکھ لوں اور جو لوگ مخالفت کر رہے ہیں وہ میرے سامنے اس کے دوست ہو جائیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے موت نے آدبایا اور جب ان کو یقین ہو گیا کہ اب بچنا ممکن نہیں، بستر مرگ پر یزید کو بلا کر کہا "میں اتنا کام کر چلا ہوں کہ خلافت کے ملنے میں زیادہ دقت نہ ہوگی۔ مگر تو پہلا کام یہ کیجیو کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلیو۔ اسوۂ حسنہ تیرا عمل رہے اور کلام الٰہی تیرے پیش نظر۔ امیر معاویہ کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ یزید بات کاٹ کر بولا۔ مجھے خلیفۂ اول و دوم سے بحث نہیں، ہاں کلام الٰہی پر چلنے کی کوشش کروں گا آگے کہئے" یزید کے اس تلخ ردیہ کا امیر معاویہ پر بہت اثر پڑا مگر جانتے تھے کہ صرف چند لمحے اور باقی ہیں۔ اس لئے وصیت کو ان الفاظ پر ختم کر دیا۔ واقعات

بتا رہے ہیں کہ تیری لڑائی امام حسینؑ سے ہوگی تو جانتا ہے وہ غیر نہیں عزیز ہیں
اور رسول اللہ کے نواسے، وہ مغلوب ہوں گے کیونکہ تیرے ساتھ لشکر کافی
ہے۔ غالب ہونیکے بعد ان کے احترام میں فرق نہ آئے۔ تیری لڑائی عبداللہ بن
زبیر سے ہو تو اسکو زندہ نہ چھوڑ لو"۔

امیر معاویہ کی اس وصیت کا کوئی جواب نہ ملا۔ یزید شکار کو روانہ ہوگیا اور
امیر معاویہ (سنہ ۶۰ھ میں) دنیا سے رخصت ہوگئے۔

امیر معاویہ کے کارنامے اس کتاب کے پڑھنے والوں کے سامنے ہیں حضرت
عمرؓ کا یہ قول کہ عرب ان پر فخر کر سکتا ہے"۔ ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ اس کے ساتھ
طبریؒ کے یہ الفاظ بھی لکھتے ہیں کہ "ان میں بعض ایسے عیوب تھے جو قلم ادا نہیں
کر سکتا۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ وہ دستر خوان پر کھانے والوں کے نوالے گنا کرتے تھے"۔

یزید کی حکومت

یزید نے تخت پر بیٹھتے ہی پہلا حکم یہ جاری کیا کہ عبداللہ بن زبیر حسین بن علیؓ
محمد بن ابی بکر اور عبداللہ بن عمر چاروں سے بیعت لو اور اگر ان میں سے کوئی
بھی انکار کرے تو فوراً قتل کردو۔ تخت نشینی کے بعد وہ شراب اس کثرت سے
پینے لگا کہ کوئی لمحہ خالی نہ جاتا شب و روز نشہ میں مست رہتا اور جن عورتوں سے
قرآن نے نکاح کی ممانعت کی تھی ان سے نکاح جائز سمجھتا۔ اس کے احکام کی خبر ان
چاروں کو پہنچی۔ عاملان مقررہ بیعت کی کوشش میں سرگرم ہوئے اور عامل مدینہ
نے اس حکم کے اعلان کے ساتھ چاروں کو طلب کیا تو عبداللہ بن زبیر راتوں رات
مکہ چلے گئے اور عبداللہ بن ابی بکر بھی وہیں پہونچ گئے اور یہ جواب دے دیا کہ
اگر تینوں آمادہ ہو جائیں تو ہم کو عذر نہیں۔ عبداللہ بن زبیر پہلے سے باخبر تھے
اور جانتے تھے کہ یزید کے تخت نشین ہوتے ہی یہ گل کھلے گا چنانچہ انہوں نے مکہ میں لڑائی کا

پورا سامان کر رکھا تھا اور جمعیت ان کی مدد کو تیار تھی، عامل مدینہ نے یزید کو اطلاع دی کہ یہ سب مدینہ پہنچ گئے اور بیعت سے انکار کرتے تھے۔"

یزید یہ خبر سنتے ہی آگ بگولا ہوگیا۔ مروان کو سپہ سالار مقرر کیا اور ایک بڑا لشکر اس کی سرکردگی میں مکہ معظمہ روانہ کیا۔ امام حسین علیہ السلام نے اس لڑائی میں عبداللہ بن زبیر کا ساتھ نہ دیا اور یہ کہہ دیا کہ میں لڑائی کے قابل نہیں ہوں، صرف اطمینان سے اللہ اللہ کرنا چاہتا ہوں۔ عبداللہ بن زبیر مقابلے کے واسطے تیار ہوگئے چار روز تک مروان نے مکہ کا محاصرہ کیا۔ چوتھے روز عبداللہ بن زبیر کھلے میدان میں نکل آئے اور شدت سے حملہ کیا مروان کے پاؤں اکھڑ گئے۔

یزید نے ایک جماعت اپنے سپہ سالار کی کمک کے واسطے محفوظ رکھی تھی۔ مروان کے پاؤں اکھڑتے ہی یہ لوگ پہنچ گئے مگر عبداللہ بن زبیر کا لشکر وافر تھا۔ اس کمک کو کچلتا ہوا آگے بڑھا۔ یزید کے سپہ سالار کو زندہ گرفتار کرلیا اور مار ڈالا۔

حصۂ اوّل ختم ہوا

یا

سیدہ کا لال

دوسرا حصہ

مراثی کربلا

از

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

معرکہ کربلا کی اہم شخصیتیں

حضرت امام حسینؑ	سرورِ کائنات کے نواسے اور حضرت علیؑ و سیدۃ النساء کے لختِ جگر
حضرت عباسؓ	حضرت امام حسینؑ کے علاتی بھائی
حضرت علی اکبرؓ	حضرت امام حسینؑ کے بڑے لڑکے
حضرت زین العابدینؓ (عابد بیمار)	حضرت امام حسینؑ کے منجھلے لڑکے
حضرت علی اصغرؓ	شیر خوار لڑکے
حضرت عونؓ و حضرت محمدؓ	حضرت بی بی زینب کے لڑکے حضرت امام کے بھانجے
حضرت قاسمؓ	حضرت امام حسنؑ کے لڑکے
حضرت مسلمؓ	حضرت امام حسینؑ کے چچازاد بھائی
حضرت محمدؓ و حضرت ابراہیمؓ	حضرت مسلم کے لڑکے
حضرت حرؓ	ایک شامی افسر جو بعد میں امام کی طرف سے لڑکر شہید ہوئے

حرمِ امام

بی بی زینبؓ	حضرت امام حسینؑ کی حقیقی بہن
بی بی شہربانوؓ	حضرت امام حسینؑ کی بیوی
بی بی صغراؓ	حضرت امام حسینؑ کی بیٹی

یزیدی لشکر

عبید اللہ ابن زیاد	کوفہ کا گورنر۔ یزید کا نائب
عمرو بن سعد	سپہ سالار فوج
شمر، خولی، سنان	افسرانِ فوج

اب وہ حالات شروع ہوتے ہیں جن کے خیال سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے کہ ایک "سیدہ کے لال" کے واسطے ہزاروں تلواریں میان سے باہر نکل آئیں اور اس وقت تک میدان کربلا میں چمکتی رہیں جب تک امام حسینؑ کا سر تن سے جدا نہ ہوگیا۔ اب تک جو لکھا گیا وہ صرف یہ سمجھ لینے کے واسطے تھا کہ کربلا کے خونین واقعہ کے اسباب کیا تھے۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم کی حیثیتیں کیا تھیں اور حضرت علیؓ کے بعد خلافت کس طرح بادشاہت میں تبدیل ہوئی۔

کوفہ والوں کا حضرت امام حسینؑ کو طلب کرنا اور حضرت مسلم کا جانا

حضرت امام حسینؑ بیعت یزید پر لعنت بھیجکر مکہ چلے گئے تھے اور یہ کہدیا تھا کہ سب کے ساتھ بیعت کیلئے میں بھی تیار ہوں۔ مکہ میں عبد اللہ بن زبیر کی فتح نے ادھر تو یزید کا زور ڈھایا اور ادھر کوفیوں کے دل گردے بڑھا دئے۔ یزید اس فکر میں رہا کہ کسی طرح عبد اللہ بن زبیر اور امام حسینؑ سے اس شکست کا بدلہ لوں۔ اور کوفہ والے اس خیال میں کہ کسی طرح امام حسینؑ کو بلا کر خلیفہ بنالیں۔ اگر ضرورت ہو تو یزید سے مقابلہ کریں اور اس کا قلع قمع کردیں۔ ابھی یزید کی طرف سے مکہ کے خلاف کارروائی زیر غور تھی کہ کوفہ والوں نے اپنے جوش میں امام حسینؑ کو یہ خط لکھا۔

آپ کو معلوم ہے کہ گو زیادہ نہیں مگر بڑے بوڑھوں میں ابھی ایک آدھا آدمی ایسا بھی زندہ ہے جو آپ کے جد امجد کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوا۔ اور اپنا گھر بار خدا کی راہ میں لٹا دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی اولاد اور بھائی اسلام پر قربان کئے اور کوفہ کی شرم رکھی۔ ان کے علاوہ ہم خود وہ ہیں جو آلِ رسولؐ پر فدا ہونا فخر سمجھتے ہیں۔ آپ کو اچھی طرح علم ہے۔ صفین اور جمل میں ہم نے شیرِ خدا کے ساتھ کیسی کیسی خدمات انجام دی ہیں۔ ہم بنی ہاشم کے عاشق اور بنو امیہ کے جانی دشمن ہیں۔ اس وقت جبکہ یزید تخت نشین ہوا اور خلافت کا اعلان کر دیا ہماری عزت و حمیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم یا تو خلافت کو ایسے ظالم و غاصب کے پنجہ سے چھڑائیں یا خود مر جائیں، آپ جس قدر جلد ممکن ہو کوفہ تشریف لے آئیں۔ یہاں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان آپ کے نام پر جان دینے کو تیار ہیں اور اپنی زندگی کا پہلا فرض یہی سمجھتے ہیں کہ کسی طرح یزید کو اس نالائقی کی کافی سزا دیں۔ آپ نے اگر آنے میں دیر کی تو ممکن ہے کہ یزید کے منصوبے پورے ہو جائیں اور وہ اپنی فوج یہاں بھیجدے۔ اس لئے تاخیر سے کام نہ لیجئے اور فوراً ادھر روانہ ہو جائیے۔

امام حسینؑ کو کوفہ والوں کی طبیعت کا حال معلوم تھا مگر سنا ہوا۔ ذاتی تجربہ نہ تھا۔ اس لئے وہ عادت و طبیعت کو بھول گئے اور چونکہ خود بھولے بھالے تھے کوفیوں کے خط کا یقین کر لیا۔ مکہ والوں نے یہ دیکھ کر ایک جلسہ کیا اور امام علیہ السلام کو سمجھایا کہ آپ للہ کوفہ کا قصد نہ فرمائیے اور یہاں قیام کیجئے اور اطمینان رکھئے کہ جب تک ہمارے دم میں دم ہے آپ کا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ ابھی جلسہ ختم نہ ہوا تھا کہ کوفیوں نے ایک اور خط بھیجا کہ مسلمانوں پر رحم فرمائیے اور خلافت کو سنبھالئے ہم سب

جاں نثاری کے واسطے حاضر ہیں، سیدھے سادھے امام نے کوفیوں کی دعوت منظور کی مگر اہل مکہ کی صلاح سے قرار پایا کہ پہلے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو روانہ کردیجئے وہاں کا رنگ دیکھ کر جو لکھیں اس پر عمل کیا جائے۔ اس موقعہ مکہ کے بعض دور اندیش اور معمر حضرات نے مخالفت کی اور کھلم کھلا حضور اکرم کے زمانۂ حیات سے ابتک کوفہ والے کبھی اپنی بات پر قائم نہ رہے اور ہمیشہ دھوکہ دیا۔ اب انکی فطرت نہیں بدل سکتی اور جس کا تجربہ ہوچکا ہے اس کا تجربہ کرنا غلطی ہے اس کوشش کا نتیجہ رنج و افسوس کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ مگر کوفہ والوں نے کچھ ایسا اظہار عقیدت اور خواہش بیعت کا یقین دلایا کہ امام حسینؑ ان کے پنجہ سے نہ نکل سکے اور حضرت مسلم کو کوفہ روانہ کردیا۔ ان کا کوفہ میں داخل ہونا تھا کہ چاروں طرف سے آدمی پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑے اور حضرت مسلم کو یقین ہوگیا کہ کوفہ والوں نے جو کچھ لکھا تھا وہ دل سے تھا غلط نہ تھا۔ سات گھنٹہ میں بارہ ہزار آدمیوں نے بیعت کی اور ہر سمت سے لوگ آکر جمع ہونے شروع ہوگئے۔ حضرت مسلم اب کس طرح بدگمان ہوسکتے تھے، بالخصوص جب کہ ان لوگوں نے خود ہی درخواست کی کہ ہم اپنا خون پسینہ ایک کردیں گے مگر یزید کی خلافت قبول نہ کریں گے۔ یہ حالات دیکھ کر حضرت مسلم نے فوراً ایک خط امام حسینؑ کو لکھا کہ کوفہ والے ہر طرح سے ہمارے ساتھ ہیں۔ بارہ ہزار آدمی بیعت کرچکے اور ایک لاکھ آدمیوں سے زیادہ بیعت کے واسطے تیار ہیں، آپ شوق سے تشریف لائیے اور ان لوگوں کی درخواست قبول فرمائیے، خط روانہ کرنیکے بعد ہانی نے جن کے مکان میں مسلم ٹھیرے ہوئے تھے ایک جلسہ کی تجویز کی اور اس جلسہ میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب مسلمان جمع ہوگئے اور قریب قریب سب نے حلفیہ اقرار کیا کہ ہم سب حضرت امام پر جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ پچاس آدمیوں کا ایک دستہ اسی وقت حضرت امام حسینؑ کی پیشوائی اور ہمراہی کے واسطے مکہ روانہ ہوا

امام حسینؓ نے ان لوگوں سے کہا کہ آپ جائیے میں بہت جلد کوفہ پہنچوں گا۔
اہلِ کوفہ نے یہ سن کر ایک اور قاصد روانہ کیا اور فیصلہ کیا کہ اب بغیر امام حسینؓ کو ساتھ
لئے وہ واپس نہ ہو، اس قدر اصرار کے بعد اب اسکے سوا چارہ نہ تھا کہ امام حسینؓ کوفہ روانہ
ہوں، کوفہ میں بنی امیہ امام حسینؓ کا یہ اعزاز اور احترام دیکھ کر انگاروں پر لوٹنے لگے
اور سمجھ گئے کہ خلافت یزید کے ہاتھ سے چلی۔ اس وقت کوفہ میں یزید کی طرف سے
نعمان بن بشیر عامل تھے، ان کو سب کیفیت معلوم تھی۔ مگر چونکہ اہل بیت رسول اللہ سے
سچی محبت رکھتے تھے کہ یزید کی خلافت اسلام کی تباہی کا باعث ہے اسلئے خاموش
تھے، بنی امیہ نے ان کو آکر اطلاع دی کہ امام حسینؓ کی بیعت کے واسطے قریب قریب
تمام کوفہ تیار ہے اور مسلم کے ہاتھ پر ہزار مسلمان بیعت کر چکے اگر اب بھی ہوش سے تو
فوراً حضرت مسلم کو قتل کر دو اور اگر قتل کرنا مناسب نہیں تو گرفتار کر دو اور اس بغاوت
کو فرو کرو، نعمان نے ان لوگوں کی تجویز یہ کہہ کر اڑادی کہ خلافت اور عقیدت علیحدہ چیزیں
ہیں حکومت کو اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ بنو امیہ نعمان کی یہ خاموشی دیکھ کر
اس کے دل کا مطلب سمجھ گئے اور دو قاصد یزید کے پاس روانہ کئے۔ اور کہلا بھیجا کہ
اگر آپنے نعمان کا خاتمہ اور مسلم کا قتل نہ کیا تو خلافت رخصت ہوئی۔ قاصد پہنچے تو
یزید شراب کی نشہ میں چور تھا۔ کوفہ کی خبر سنتے ہی دانت پلیتا ہوا اٹھا اور حکم دیا کہ
سرجونؔ کو بلاؤ۔ یہ شخص بنی سرجون کا ایک غلام تھا مگر امیر معاویہ کے مزاج میں اس قدر
دخیل تھا کہ میدانِ جنگ کے معاملے اس کی رائے سے طے ہوتے تھے۔ جب یزید نے
اس سے مشورہ لیا تو اس نے کہا کہ آپ اپنے ہی خاندان کے خلاف ہیں اور جس درخت
کی جڑ کمزور ہے اس کی شاخیں کبھی بار آور نہیں ہو سکتیں۔ مجھے معلوم ہے کہ زیاد نے
آپ کے والد مرحوم کو جب انہوں نے آپ کے واسطے خلافت کی کوشش کی تو آپکے
خلاف رائے دی، آپ پر اس کا اثر یہ ہوا کہ آپ اس سے سیدھے منہ بات بھی نہیں

کرتے اور اس کو اپنا عزیز سمجھنا کسر شان خیال فرماتے۔ لیکن یہ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ خاندان کی متفقہ طاقت کے بغیر بنی ہاشم کو ہرگز نہیں دبا سکتے۔

عبیداللہ لونڈی بچہ ہو یا اس سے بھی ذلیل مگر عزیزوں میں اور لشکریوں اپنوں میں اور غیروں میں اس سے زیادہ بہادر اور مدبر آدمی نہیں ہیں اگر آپ اس قضیہ کو دبانا چاہتے ہیں تو اس کا دل ہاتھ میں لیجئے۔ اس کے سپرد یہ کام کیجئے اور پھر دیکھ لیجئے کہ کیا ہوتا ہے اور کس طرح چٹکی بجاتے میں تمام مشکلات رفع ہو جاتی ہیں۔ ورنہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس آگ کا بجھانا آسان کام نہیں۔ آپ کو معلوم ہو یا نہ ہو مگر مجھے معلوم ہے کہ کوفہ بصرہ و عراق سب امام حسین کا کلمہ پڑھ رہے ہیں آپ کو اس کا ثبوت مل گیا کہ ابن زبیر نے آپ کی فوج کو کس ذلت سے پسپا کیا۔ اور مکہ سے نکال باہر کیا۔

سرجون کی تقریر یزید کے دل میں اتر گئی اور اس نے اسی وقت عبیداللہ بن زیاد کو بلا کر کوفہ اور بصرہ کا عامل مقرر کیا اور تاکید کر دی کہ ان چاروں میں سے جو بیعت سے انکار کرے اس کا سر کاٹ کر روانہ کر دے اس تقرر نے عبیداللہ کو باغ باغ کر دیا۔ حوصلے بڑھ گئے اور وہ اچھلتا کودتا حاکم کی حیثیت سے کوفہ روانہ ہو گیا۔

عبیداللہ ابن زیاد کا تقرر اور حضرت مسلم کی شہادت

عبیداللہ بھاگم بھاگ بصرہ پہنچا۔ یہاں کوفیوں کا قاصد امام حسین کا خط اہل بصرہ کے نام لایا تھا اور بصرہ والے امام کی بیعت کو تیار تھے عبیداللہ نے فوراً قاصد کو گرفتار کیا اور خط قبضہ میں کیا۔ رات ہی کو یزید کا ایک اور حکم عبیداللہ کے نام پہونچا کہ سنا ہے کہ امام حسین اور مسلمؓ کوفہ پہنچ گئے ہیں جس قدر جلد ممکن ہو بیعت کی اطلاع یا سر روانہ کر دو۔ عبیداللہ نے علی الصبح ایک جلسہ منعقد کیا۔ اور اہل بصرہ سے کہا۔ تم لوگوں کو اول تو معلوم ہو گا اور اگر معلوم نہیں تو اب معلوم ہونا چاہیئے میرا نام عبیداللہ ابن زیاد ہے میں اس باپ کا بیٹا ہوں جس کے نام سے آسمان و زمین

دولوں تھراتے ہیں۔ میں اس زیاد کا لڑکا ہوں جس کی تلوار نے اس زمین پر خون کے پرنالے بہا دیئے ہیں۔ اس کی شجاعت اور حسن انتظام کا ڈنکا ایک عالم میں بج رہا ہے تم اچھی طرح سمجھ لو کہ رحم و مروت، درگزر اور رعایت ہمارے خاندان میں چھو تک نہیں گئی مجھ سے کوئی غلط توقع قایم نہ کرنا۔ میں عبیداللہ ابن زیاد ہوں اور یہ میری تلوار جس وقت میان سے باہر ہوئی تو انسانی خون کے چاٹے بغیر میان میں نہیں آسکتی چنانچہ اس وقت بھی تم اس کا تماشہ دیکھو گے۔

تم نے سنا ہوگا کہ علیؓ کا لڑکا حسین باغی ہوگیا اور اس نے خلیفہ یزید کے خلاف خروج کیا ہے۔ اور میں اس کام کے واسطے مقرر ہوا ہوں کہ ابن علیؓ کو اس کی بغاوت کا پورا مزہ چکھا دوں۔ اب تم سمجھ لو کہ میں کون ہوں اور کیا کروں گا اگر تم میں سے کسی نے مجھ سے اختلاف کیا یا اشارۃً بھی مجھے کسی کی نافرمانی کا علم ہوا تو وہ گردن مار دیا جائے گا۔ اور جب تک میں سزا نہ دے لونگا چین سے نہ بیٹھوں گا۔

عبیداللہ کی تقریر سے بیچارے بصرے والوں کے ہوش اڑ گئے کہ یہ کیا بلا نازل ہوئی۔ وہ سوچ ہی رہے تھے کہ عبیداللہ نے کہا "اب تم میری تلوار کا تماشہ دیکھو اتنا کہہ کر اس نے حکم دیا۔

حسین کا قاصد گو ایلچی ہے مگر میری تلوار باہر آچکی اس لئے اس کو سامنے لاؤ اور جلاد کو بلاؤ کہ میں اپنے ہاتھ سے ایسے ذلیل کو قتل نہ کروں گا۔ لوگ خاموش کھڑے تھے کہ اس نے جلاد کو حکم دیا" میری تلوار سے حسینؓ کے قاصد کی گردن اڑا دو حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور اس قتل کا یہ اثر ہوا کہ تمام بصرے میں سناٹا چھا گیا اس کے بعد عبیداللہ کوفہ روانہ ہوگیا۔

رستے ہی میں یہ پتہ عبید نے لگا لیا تھا کہ مسلم کوفہ پہنچ گئے۔ ہانی کے مکان پر ٹھیرے ہوئے ہیں اور خوب آؤ بھگت ہو رہی ہے اس لئے وہ چاہتا تھا کہ کوفہ

پہنچتے ہی مسلم کو قتل کردوں۔ مگر جب یہ سنا کہ پچاس ساٹھ ہزار آدمی بیعت کرچکے ہیں اور امام حسین کے واسطے بیچین ہیں تو اس تجویز کی تکمیل میں تامل ہوا اور سوچا کہ بغیر مکر کے کام نہ چلے گا۔ اس لئے سیدھا راستہ چھوڑ کر راہیوں کو قادسیہ میں اتار خود بھیس بدل کر امام حسین کی صورت میں کوفہ پہنچا، اس وقت رات کا ابتدائی حصہ تھا، چونکہ کوفہ والوں کے پیہم خطوط روانہ ہوچکے تھے ان کو امام کی آمد کا یقین ہوگیا جوق درجوق استقبال کو پہونچے اور ابن رسول اللہ ابن رسول اللہ کی صداؤں سے در ودیوار گونج اٹھے، ابن زیاد نے سیدھا دارالامان کا راستہ لیا۔

نعمان بن بشیر نے جب یہ حالت دیکھی تو بہت پشیمان ہوا اور سمجھا کہ اگر امام حسینؓ کا یہاں قیام ہوا تو یزید قیامت برپا کردیگا۔ اس لئے حکم دیا کہ قلعے کا دروازہ بند کردو اس کا خیال تھا کہ اس طرح امام حسین اور کوفی یہاں سے چلے جائیں گے مگر جب جمعیت پریشان نہ ہوئی تو اس نے چھت پر سے آواز دی کہ اے ابن رسول اللہ آپ دوسری جگہ قیام فرمائیے۔ آپ کوفہ پر قبضہ نہیں کرسکتے۔"

نعمان کا یہ رنگ دیکھ کر عبیداللہ آگ بگولا ہوگیا اور سختی سے کہا کہ دروازہ کھول میں عبیداللہ ابن زیاد ہوں، ان کا نام سنتے ہی کوفی بھاگنے شروع ہوگئے اور عبیداللہ نے رات قلعہ میں گذار کر علی الصباح تمام کوفہ کو طلب کیا اور ان کے سامنے ایسی غضبناک تقریر کی کہ ہوش اڑ گئے اس نے اپنی گفتگو کو ان الفاظ پر ختم کیا "مجھے تم سب کی حیثیتوں کا حال معلوم ہے اور میری فوج قادسیہ میں موجود ہے اور اب آتی ہوگی تم سب کے خون کی پیاسی ہے۔ میں ابن زیاد ہوں اور چشم زدن میں تم سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا لیکن اس وقت تم سب کو جو مجرم کی حیثیت سے میرے سامنے ہو اور بیعت کا جو حقیقتاً بغاوت ہے جرم کیا ہے۔ پناہ دیتا ہوں جس قدر جلد ممکن ہو مسلم کو میرے حوالہ کردو۔ امن وامان سے رہو اور یاد رکھو کہ اگر حسین کی بیعت کا نام کسی کے

سے بلند ہوا تو مسمار کر دوں گا کسی زبان سے سنا تو حلق سے نکال لوں گا اور کسی شخص نے کہا تو ٹکڑے اڑا دوں گا۔"

اس تقریر کا کافی اثر ہوا اور کوفیوں کے دل دھکڑ دھکڑ کرنے لگے مگر ھانی جن کے ہاں مسلم مقیم تھے خاموش رہے جب یہ لوگ رخصت ہوئے تو وہ راستے بھر سوچتے رہے کہ کیا کرنا چاہیئے۔ عبید کی فرعونیت کا خیال آتا تھا تو کانپ جاتے تھے اور حق کی طرف ذہن منتقل ہوتا تھا اور زیادہ پکے ہو جاتے تھے۔ بالآخر انھوں نے یہی فیصلہ کیا کہ جان رہے یا جائے مسلم کو نہ دوں گا۔ عبید کو خبر تو لگ گئی تھی کہ مسلم ہانی کے ہاں مقیم ہیں لیکن وہ سمجھتا تھا کہ اگر یہ صحیح ہے تو ہانی خود ہی خوف زدہ ہو کر مسلم کو حوالہ کر دیں گے۔ دن اسی ادھیڑ بن میں بسر ہوا شام کے وقت عبید نے یہ مکر کیا کہ اپنے غلام معقل کو کچھ روپے دیکر قاصدوں کی پوشاک پہنائی اور ہانی کے گھر پہنچا کہ بصرے سے امام حسین کا نذرانہ اور بیعت کے حلف لیکر آیا ہوں۔ بیچارے ہانی اس کے داؤں میں آگئے اور فرضی قاصد کو حضرت مسلم تک پہنچا دیا۔

غلام پتہ لگا کر واپس آیا اور مفصل کیفیت بیان کی تو ہانی کے گھر پر مسلم کے قیام کا یقین ہوتے ہی عبید سانپ کی طرح سر دھننے لگا ساری رات انگاروں پر لوٹ کر کاٹی۔ ابھی موذن کی صدائے حق ختم نہ ہوئی تھی اور طائران صحرائی صبح کے استقبال میں منہمک تھے کہ اس نے فوج کے ایک دستہ کو بلا کر حکم دیدیا کہ ہانی کو پابجولاں حاضر کرو۔ دستہ سیدھا مسجد میں پہنچا۔ ادھر ہانی نے سلام پھیرا ادھر جمعیت نے ہانی کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالدیں اور عبید کے پاس لے گئے وہ ایک موٹا عصا جسکی دونوں شاخیں لوہے کی تھیں پھرا کر کہنے لگا "او نمک حرام میری کل کی تقریر بھول گیا میں نے صاف صاف کہدیا تھا کہ مسلم کو پناہ دینے والے کے ساتھ اس کے گھر بار کو تہ تیغ کر دوں گا میرے باپ زیاد نے جس وقت کوفہ میں قتل عام کیا ہے اور امیر معاویہ کے باغیوں کو چن چن

چُن کر خاک میں ملا یا تو تُو اور تیرا باپ قدموں میں گرے اور قسم کھائی کہ ہم بنو فاطمہ کا ساتھ نہ دیں گے۔ اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو سب سے پہلے تیری بوٹیاں چیل کووں کو دیتا" اس نیکی کا بدلہ یہ ہے کہ میرے اعلان کے بعد بھی تو نے خلیفہ کے دشمن باغی مسلم کو اپنے گھر میں پناہ دی۔ تجھ کو ایسی سزا دوں گا جو تمام کوفہ یاد رکھے۔

یہ کہہ کر عبید نے اپنا عصا ہانی کی ناک پر مارا اور دانت پیس کر کہا "اس باغی کو ابھی قید کرو۔ لوہے کی شاموں سے ہانی کی ناک کا بانسہ ٹوٹ گیا۔ اور چہرہ لہولہان ہو گیا ہانی کو قید خانہ بھیجکر عبید نے حکم دیا کہ "مسلم کو حاضر کرو"

ہانی کی گرفتاری اور قید کی خبر کوفہ میں بجلی کی طرح دوڑ گئی۔ اور بعض حلقوں میں ان کے قتل کا یقین ہو گیا حضرت مسلم کو جب یہ خبر لگی تو باوجود انتہائی تحمل اور حلم کے ہاشمی خون میں جوش آیا اور وہ تلوار لے کر باہر نکلے کہ ہانی کا بدلہ لیں اور خود بھی شہید ہو جائیں اس موقعہ پر صرف قبیلہ ہانی کے لوگ ان کے ساتھ ہوئے اور پانچ ہزار کے قریب یہ مجمع دار الامان پر پہونچا۔ ابن زیاد نے ان لوگوں کو آتے دیکھ کر دروازے بند کر لئے اور تیر اندازی شروع کر دی اکوفی یہ دیکھ کر ایسے بھاگے کہ پلٹنے کا نام نہ لیا۔ مجبور مسلم بھی تھکے مارے اور بھوکے پیاسے ایک طرف چل کھڑے ہوئے عصر کی نماز راستہ میں ادا کی ادہر ادہر دیکھا تو ایک عورت جس کا نام طوعا تھا ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی اس سے کہا کہ میں پیاسا ہوں دو گھونٹ پانی پلا دے" طوعہ عشق رسول میں سرشار اور اہل بیت کے نام پر فدا اٹھی پانی لائی۔ اور دریافت کیا کہ آپ کون ہیں صورت وشکل اور حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پردیسی ہیں یہاں کل سے افراتفری ہو رہی ہے اور ابن زیاد نے گلی کوچے پر حضرت مسلم کے واسطے پہرے لگا رکھے ہیں، ایسا نہ ہو کہ آپ پر بھی کوئی مصیبت آجائے" ان باتوں میں خلوص اور محبت کے جواہرات جگمگا رہے تھے آپ نے فرمایا "مسلم میں ہی ہوں" اگر تو پناہ دے تو رات تیرے ہاں

گذار دوں، صبح اٹھ کر مدینہ چلا جاؤں گا" مسلم کا نام سنتے ہی طوعہ کے سر اس پر خوشی کی بارش ہونے لگی، عاجزی کے کندھے جھکا دیئے اور جوش بیخودی میں اچھل کر کہا طوعہ او راس کا گھر آپ پر قربان۔ میرے نصیب ایسے کہاں کہ آپ کے قدم آئیں بسم اللہ کیجئے"!

مہمان کا استقبال طوعہ دلی امنگوں سے کر رہی تھی بس نہ چلتا کہ آنکھیں بچھا تی اور پروانہ کی طرح قربان ہو جاتی، آدھی رات کا وقت تھا کہ اس کا لڑکا دربار عبید ی سے جھومتا جھامتا گھر پہونچا، ماں نے باغ باغ ہو کر کہا، ہمارے مقدر ایسے کہاں کہ حضرت مسلم تشریف فرما ہوں۔ قدم چوم اور قربان ہو کہ قسمت جاگ گئی، بیٹا بھی نہال نہال ہو گیا ایک مہمان کے واسطے طوعہ اور اس کے لڑکے کا دل خوشیوں سے لبریز تھا اور دونوں بغلیں مجا رہے۔ مگر دونوں کی مسرت مختلف تھی طوعہ اپنے گھر کو دیکھتی تھی اور مسلم کو اور بے اختیار ہو کر قدموں میں گر پڑتی تھی۔ اس کا لڑکا تارے گن گن کر کاٹ رہا تھا کہ کس طرح جاؤں اور ابن زیاد کو مسلم کی خبر دیکر انعام حاصل کروں۔ طوعہ کو بیٹے کے جانے کا حال اس وقت معلوم ہوا جب عبیدی دستہ نے آکر مسلم کو گرفتار کیا اور ابن زیاد کے حکم سے وہ ھانی کے ساتھ قید کر دیئے گئے۔

کوفیوں کے دل میں اس خبر سے ایک دفعہ اور جوش پیدا ہوا اور دو ہزار آدمیوں کا ایک گروہ دار الحکومت پہنچا۔ دروازے بند تھے ابن زیاد نے حکم دیا کہ سب کو تیروں سے چھید دو اور مسلم و ہانی کے سر کاٹ کر نیچے پھینکدو۔ دفعتاً دونوں سرزمین پر تڑپنے لگے۔ اس وقت عبید کا ایسا خوف طاری ہوا کہ کوئی گھروں کے اندر چھپ کر بیٹھ گئے مسلم اور ہانی کو شہید کر لینے بعد عبید ابن زیاد نے ایک عام جلسہ کیا اب اس کا رعب اس قدر چھا چکا تھا کہ کوفہ کا بچہ بچہ دست بستہ حاضر ہوا۔

آفتاب خاصی طرح ڈھل چکا تھا اور کوفہ کی سرزمین جس نے مسلم کا خون اپنی

گود میں لیا آج ایک عجیب تماشہ کا انتظار کر رہی تھی، طلائی شامیانہ مرصع تخت سے جگمگا رہا تھا جس پر عبید اللہ ایک گرز ہاتھ میں لئے تکبر و نخوت کے نشہ میں جھوم رہا تھا مکر و دغا کے دیو اس کے خود میں چمک رہے تھے اور ظلم و ستم کے جن اس کے سر پر سوار تھے، چاروں طرف اکابر کوفہ اور سرداران فوج خاموش بیٹھے تھے اور سامنے رعیت کا ایک انبوہ کثیر موجود تھا معقل نے ایک کشتی میں تازہ کھجوریں پیش کیں عبید نے اس میں سے تھوڑی سی لیکر درباریوں میں تقسیم کا حکم دیا۔ اس کے بعد آواز بلند کہا۔

"میں نے جو کچھ کہا تھا اس کو پورا کر دکھایا۔ ہانی اور مسلم بغاوت کی سزا پا چکے ضرورت ہے کہ میں تم سے ان سب کو جنھوں نے دروازۂ حکومت پر حملہ کیا۔ اس سے زیادہ سخت سزا دوں گا مگر اپنے رحم و کرم سے عفو عام کا اعلان کرتا ہوں لیکن تم لوگ اچھی طرح سمجھ لو کہ آیندہ کوفہ میں بغاوت کا نام بھی میں نے سنا تو بھرے گھر کے گھر صاف کر دوں گا۔ اگر یزید کی خلافت سے تم لوگوں نے انکار تو درکنار تامل بھی کیا تو میری تلوار تمہاری نافرمانی کا مزہ چکھانے کو کافی ہے حسین ابن علی آنیوالے ہیں، یاد رکھو کہ اگر ایک متنفس نے بھی ان کو پناہ دی یا ان کی طرف متوجہ ہوا تو اپنے سارے گھر پر بلا نازل کرے گا۔

عبید آگے کہتا اور کہہ رہا تھا کہ ایک عورت سر پر ردا ڈالے اٹھی اور کہا ابن زیاد جس شیطان کی خبر ہم کو کلام الٰہی نے دی تھی وہ تو نے آنکھ سے دکھایا۔ اس نے خدا کی نافرمانی میں آدم کو سجدہ نہ کیا تو نے یزید کی فرمانبرداری میں رسول خدا کو خون کے آنسو رلوائے تو اپنی طاقت کے گھمنڈ پر مخلوق خدا کی زبان ممکن ہے بند کر لے مگر کیا تو دلوں کی محبت اور عقیدت کو فنا کر سکتا ہے۔ ہمارے دل مسلم بن عقیل کو رو رہے ہیں اور تیرے اس ظلم پر اگر زبانوں سے نہیں تو دلوں سے لعنت برسا رہے ہیں، روسیاہ ابن زیاد تو نے اپنے ساتھ میری عاقبت بھی برباد کر دی اور میں نہیں جانتی کہ میری خطا اور قصور کی کیا سزا ملے گی۔ میرا کلیجہ منہ کو آرہا ہے۔ اور میرا دل کانپ رہا ہے

میں وہ بدبخت ہوں کہ میں نے آل رسول ؐ سے دغا کی اور رسیدہ کو پناہ دیکر اس کی
جان لی ارے تو نے میرا دین و دنیا دونوں برباد کئے۔ زمین پھٹ جاتی اور میں
سما جاتی آسمان ٹوٹتا اور میں دبتی جس وقت مظلوم و معصوم مسلم نے تیرے ظالم کی بارگاہ میں
میں نماز عصر ادا کی ہے۔ اور حسرت سے چاروں طرف دیکھا ہے میں اس لئے کہ اس
کے نانا کا کلمہ پڑھتی ہوں اس کی بیکسی پر روئی۔ مگر ہائے مجھے معلوم نہ تھا کہ میں اس سے
دغا کر رہی ہوں اور پناہ کے بہانہ سے اس کو قتل کراؤں گی، ایمان اس بھولی صورت کے
بوسے لے رہا تھا اور انصاف اس کی تنہائی کو سجدے کر رہا تھا میری بدنصیبی تھی کہ میں نے
پیارے مسلم کو پانی پلایا اور بھوکے مہمان کو گھر میں لے گئی اور اپنے لڑکے کے ذریعے سے اس
کی شہادت کا باعث ہوئی، مجھے کیا معلوم تھا کہ میرے پیٹ سے وہ سانپ پیدا ہوا ہے
ہے اس کی پھنکار خاندان رسالت کو ڈسے گی اور میری گود سے اور دودھ پینے اور پلنے
والا جفا کار اہل بیت کے خون کا پیاسا ہو گا۔ تو اس وقت کوفہ کا حاکم ہے اور خدا کی بہت
بڑی زمین پر حکومت کر رہا ہے۔ اس لئے جس کو تو نے شہید کیا وہ چونکہ پردیسی تھا اب اس کے مال
کا بھی تو ہی وارث ہے جو اس نے اپنے بعد چھوڑا، یہ خدا کا کلام ہے جو ہر وقت اس کے گلے
میں رہتا تھا تو اس کی امانت مجھ سے لیلے مجھ جیسی دغاباز عورت کو جس نے مہمان کو دھوکا دیکر
جان لی دنیا میں رہنے کا حق نہیں، خدا را حکم دے کہ جلاد میرا خاتمہ کر دے زمین مجھ پر تھوکے
گی آسمان مجھ پر لعنت برسائیگا۔ دنیا جب تک آباد ہے اور اس کے بسنے والے جب تک
موجود ہیں مجھ پر تبرا بھیجیں گے۔ یہ چادر جو پیوندوں سے لپٹی ہوئی ہے اسی مسلم کی ملکیت ہے
جس کی سچائی تیرے ظلم کی بھینٹ چڑھی اس کو دوسروں پر رکھوں آنکھوں سے لگاؤں
اور زندہ ہو جاؤں، اگر مسلم مسلم کہتی ہوئی مر جاؤں، یہ میرا لڑکا جو تیرے پاس بیٹھا
ہے جس نے تجھ کو مسلم کے ٹھہرنے کی خبر دی۔ کاش میری آنکھوں کے سامنے پیوند
زمین ہو جاتا اور میں اپنے ہاتھوں سے اس کو دفن کرتی اور سرخرو ہوتی ابن زیاد

للہ مجھکو بتا کہ مسلم شہید کی لاش کدھر ہے ہیں تجھ سے زیادہ سنگدل ہوں کہ میں نے خدا اور اس کے رسول سے دغا کی اور بیگناہ مسلم کو اس لئے اپنے ہاں چھپایا کہ مخبری کروں اے ابن زیاد دل تڑپ اٹھتا ہے جب مسلم معصوم کی تصویر آنکھ کے سامنے آتی ہے کس حسرت سے چاروں طرف دیکھتا ہوگا اور بیگناہ دل مجھ روسیاہ کے واسطے کیا کہتا ہوگا۔ خدارا مجھے قتل کر۔ میری بوٹیاں چیل کوؤں کو دے کر میرے گناہ کی کچھ تلافی ہوسکے میرے بیگناہ شہید کی لاش للہ مجھے دے دے کہ میں اس پر قربان ہوں، مسلمانوں رحم کرو اور بتاؤ کہ جس ماں کے پیٹ سے ایسا ناہنجار بچہ پیدا ہو جو خدا اور اس کے رسول سے دغا کرے اس کا کیا حشر ہوگا، اس ماں کا میں آگ تھی، اس گود میں ناگ تھا، ان چھاتیوں میں زہر تھا، اس گھر پر قہر تھا۔ ابن زیاد اس کے بعد نہ سن سکا اور کہا کہ تیری زبان درازی کی یہ سزا ہے کہ مسلم کے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہ تیرے گنہگار لڑکے کے ساتھ کیا جائے گا یہ کہہ کر اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اڑا دی،

حضرت مسلم کے بچوں کی شہادت

دوسرے روز ابن زیاد نے ڈھنڈورہ پٹوا دیا کہ مسلم کے دونوں بچے محمد اور ابراہیم کوفہ میں موجود ہیں۔ جو شخص ان کو پابجولاں لائے گا میں اس کو مالا مال کر دوں گا اور اگر کسی نے ان کو پناہ دی تو زن و بچہ کو لہو میں پلوا دوں گا، قاضی شریح جن کا گھر ان دو یتیم ولاوارث مہمانوں سے منور تھا، عاشق رسول تھے مگر ابن زیاد کے حکم سے پریشان ہوگئے دونوں بچوں کو کلیجے سے لگایا اور آدھی رات کے وقت ان کو تھوڑا سا کھانا دے کر اپنے گھر سے رخصت کر قادسیہ کی سڑک پر چھوڑ دیا کہ سیدھے مدینہ چلے جاؤ، رات اندھیری تھی اور جنگل خوفناک، چھ اور آٹھ برس کے دو بچے جن کے پاؤں لہولہان ہوگئے تھے، رستہ چل رہے تھے ننھے سے دل سہم رہے تھے اور ایسا

معلوم ہوتا تھا کہ عنقریب ظالم ہم کو پکڑنے آرہے ہیں تھک کر بیٹھے تھے، ڈر کر اٹھتے تھے، اور گھبرا کر بھاگتے تھے، رستہ بھول گئے اور مدینہ کے معصوم مسافر بھولے بھٹکے کوفہ سے آگے نہ بڑھ سکے یہاں تک کہ رات نے بدنصیبوں کا ساتھ چھوڑا اور شبنم صبح نے بیکسوں کی حالت پر آنسو گرائے، پو پھٹتے ہی دونوں کے کلیجے دھکڑ دھکڑ کرنے لگے حسرت سے ایک نے دوسرے کی صورت دیکھی اور یقین ہو گیا کہ آج کا آفتاب ہمارے واسطے پیام موت لے آیا دشمن چاروں طرف تلاش میں پھر رہے تھے آسمان زمین یہاں تک کہ پاؤں تلے کی چیونٹی بھی خون کی پیاسی، کیسا نازک وقت تھا خاندان اہل بیت کے دو پھولوں کی تلاش میں اسی خاندان کا کلمہ پڑھنے والا حاکم اس کی پوری کلمہ گو فوج اور شہر کی تمام آبادی جس نے مہمان نوازی کا وعدہ کیا تھا جان کے درپے تھے چاروں طرف نگاہ دوڑائی مگر کوئی اللہ کا بندہ ایسا نظر نہ آیا کہ بن باپ کے بچے کو پناہ دیدیتا، اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھا آسمان دور تھا، زمین پر نظر ڈالی سخت تھی، سہمے ہوئے ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے تھے، دل ہوا ہو رہا تھا اور موت کی تصویر ہر طرف سے نظر آرہی تھی، دریا آنکھوں کے سامنے لہریں لے رہا تھا، کچھ فاصلے پر ایک درخت سا نظر آیا حالت مایوسی میں اس طرف لپکے اور ایک تنے کی کھو میں دونوں چھپ گئے کہ دن بسر ہو جائے تو رات کو نکل کھڑے ہوں گے چڑیوں کے چہچہے ختم ہو گئے، ہوا کی رفتار مدہم ہوئی اور آفتاب نے اپنی نظریں یتیمان عقیل پر ڈالیں، کہ ایک عورت پانی کی تلاش میں کنارہ دریا پر آئی ڈول ڈالنا چاہتی تھی کہ سطح آب پر کھلے ہوئے پھول نظر آئے، اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھتی ہے تو دو بچے لپٹے ہوئے بیٹھے ہیں سمجھ گئی اور معصوموں کی حالت پر کلیجہ کٹ گیا۔ کہنے لگی۔

"مسلم کے بچو اترو میرے گلے سے لگ جاؤ"

لرز گئے چھپنے کی کوشش کی جگہ نہ تھی نیچے اترے تھر تھر کانپ رہے تھے زبان میں خاموش اور

صورت تصویر بنی کلیجہ سے لگایا اور کہا آؤ میرے گھر چلو بیبیہ اولادی ہوں میرا دل ٹھنڈا کرو، میں مسلمان ہوں میرا گھر روشن کرو عاشق رسول ہوں میری عزت بڑھاؤ، پیارو سہمو نہیں ڈرو مت دشمن نہیں لونڈی ہوں، ان کمھلائے ہوئے چہروں کی عاشق ان بھولی صورتوں کی شیدا تمہارے پاؤں میرے سر پہ ہوں گے اور تمہارے قدم میری آنکھوں پر دل میں رکھوں گی آنکھوں میں چھپاؤں گی، چھوٹے کو گود میں لیا بڑے کی انگلی پکڑی باپ کی مفارقت اپنی غربت دونوں خاموش تھے، عورت گھر لے گئی، کنیز تھی بی بی سے کہا ساقی کوثر کی جان پہ بے زبان تیرے مہمان ہیں، کھڑی ہو اور دیکھ مسلم شہید کے بچے تیری پناہ میں آئے ہیں غربت ان کی صورت پر حسرت ان کے چہروں پر اور بیکسی ان کی عمروں پر برس رہی ہے، یہ دیکھنے میں بے بس ہوں مگر جنت کے مالک ہیں" معصوم ٹکٹکی باندھے بی بی کی صورت دیکھ رہے تھے آگے بڑھی سر پہ ہاتھ پھیرا اور لپٹ گئی، رو کر کہا "مہمان نہیں سرتاج ہو، ان قدموں پر جان اور چاند سے مکھڑوں پر زندگی نثار کر دوں" نہلا دھلا کر کپڑے بدلے اور کھانا پکا کر آگے رکھا چاہتے تھے کہ کھائیں مگر باپ کی موت یاد آ گئی معصوم آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے گھر کی بی بی کے اصرار پر دو ایک نوالے کھا کر خاموش کونے میں بیٹھ گئے۔ گرمی کا قیامت خیز موسم تھا، آفتاب چودہ ساڑھے چودہ گھنٹے مسلم کے مہ پاروں پر نگاہ جما کر متزلزل ہو گیا اور ماہ ذی الحجہ کا قمر چہاردھم عقیل کے راج دلاروں کے پاؤں میں لوٹنے لگا۔ دونوں خاموش بیٹھ گئے شب ماہ کا ابتدائی حصہ طے ہو چکا تھا کہ گھر کا مالک حارث داخل ہوا اور بیوی سے کہا دیکھئے مسلم کے بچوں کا انعام کس کی تقدیر میں ہے دن بھر مارا مارا پھرا ہوں کوئی کونہ کھدرا ایسا نہیں جو نہ ڈھونڈ ڈالا ہو مگر ہماری تقدیر ایسی کہاں

بیوی "تمہاری عقل پر کیا ہو گیا ہے معمولی یتیم بچوں پر رحم کرنا خدا کی رضامندی ہے یہ تو اہل بیت کے چراغ ہیں ابن زیاد ملعون اپنا گھر دوزخ میں بنا چکا، دنیا فانی ہے بن باپ کے بچوں کے درپے نہ ہو، یہ دولت اور انعام ہمیشہ نہ رہیگا صاحب اولاد ہو سوچو اور سمجھو

ان کو مار کر دولت نہ لو رحم کرو اور جنت لو"

حارث "کم بخت بیوقوف عورت ہے کیا سمجھ سکتی ہے، ہٹ جا سامنے سے دولت ہی نہیں عزت اور مرتبہ بھی تو ہے"

ماں کے کلیجے سے چمٹ کر سونے والے بچے اس وقت اندھیرے گھپ میں بے خبر پڑے ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے سوتے تھے، باپ شہید ہوا ماں کا پیچھا چھوٹ گیا کوٹھڑی کی دیواریں اور دروازے کے کواڑ باپ کی آغوش اور ماں کی ممتا تھے چھوٹے نے باپ کی صورت خواب میں دیکھی کئی روز سے چھوٹا ہوا تھا آنکھیں اس صورت کو ترس گئی تھیں بیتاب ہوکر چیخ اٹھا۔ اور پکڑنے دوڑا۔ بڑے نے تسکین دی سینہ سے لگایا اور خاموش کرنا چاہا، معصوم جذبات قبضہ میں نہ آسکے پھر رویا اور چلا کر کہا "ابا ابا"

ہوا نے یہ آواز حارث کے کان میں پہونچائی متحیر ہو کر اٹھا کوٹھری کھولی، چراغ جلا کر دیکھا تو دو بچے دبکے سکڑے بیٹھے ہیں، پوچھا تم کون ہو، اس گھر کو دار الامان اور گھر والوں کو خیر خواہ سمجھے ہوئے تھے جلدی سے کہا،

"مسلم کے بچے"

آگ بگولا ہوگیا۔ بال پکڑ کر گھسیٹتا ہوا باہر لایا۔ تھپیڑے مارے اور کہا دن بھر حیران و پریشان کیا، کھانا تک نصیب نہ ہوا اور تم یہاں مزے سے سو رہے ہو، رسی سے مشکیں باندھ دیں" لونڈی حارث کے سامنے آئی اور کہا کہ یہ "معصوم بیگناہ ہیں ان کے پھول سے رخسار اور نازک بازو تیرے تھپیڑوں اور مشکوں کے قابل نہیں، ان پر مصیبت میں لائی ہوں، میں نے ان کو دغا دی بھولے سے یہاں لائی اور تیرے چنگل میں پھنسا دیا۔ یہ باپ اور ماں دونوں سے چھوٹ گئے۔ غریب الوطن اور قابل رحم ہیں، ان کی آنکھیں رو رہی ہیں، ان کے دل تڑپ رہے ہیں، یہ دوزخ و جنت کے مالک ہیں، ان پر رحم کر یہ نازک وقت میں تیرے کام آئیں گے، اور جہاں کوئی کسی کے

کام آنے والا نہ ہوگا۔ یہ تیرا بیڑا پار کریں گے، حارث اس تقریر سے اور بھی برافروختہ ہوا اور برا بھلا کہنا شروع کیا۔ لونڈی بچوں کے قدموں پر گری اور کہا۔

"آنکھ کے تارو! میری نیت کا حال خدا جانتا ہے، میں بے گناہ ہوں میری تقدیر کا لکھا آگے آیا، تمہارے طمانچوں کے نشان میرے دل پر ہیں میں تمہارے ساتھ ہوں، قیامت کے روز مجھ گنہ گار کی لاج رکھنا۔"

حارث کی شومی تقدیر پر صبح کھلکھلا کر ہنسی اور دونوں معصوموں کو دریا کے کنارے لے گیا، سنگدل کی تیغ آبدار بچوں کے سر پہ چمکی، بیوی اور کنیز سامنے آئیں اور مسلم کے لال اپنے سینے سے چمٹا لئے۔ مگر سفاک نے ان دونوں کا بھی خاتمہ کر دیا اور بچوں سے کہا کہ اب تم تیار ہو جاؤ کہ یہ تلوار تمہاری گردنیں جدا کرتی ہے محمدؒ نے منت سے کہا اس وقت صرف میری ایک التجا ہے اور اس کو قبول فرما کر ہماری مشکل آسان کر دے یہ وہ ہے کہ پہلے میری گردن اتار کہ میں اپنے چھوٹے بھائی ابراہیم کی موت نہ دیکھوں اس وقت اس کا باپ یا ماں جو کچھ ہوں وہ میں ہوں، ابھی یہ گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ چھوٹے نے بھی یہی التجا کی اور حارث کے ایک وار نے دونوں بھائیوں کی گردنیں تن سے جدا کر دیں۔

سیّدہ کے لال کی مکہ سے روانگی

کوفہ کی حالت سے مسلم اور ان کے بچوں کی شہادت سے عبیداللہ ابن زیاد کی خباثت سے امام حسینؓ قطعی بے خبر تھے۔ شہید مسلم کے کوفہ پہنچتے ہی کوفے والوں کے حسن عقیدت سے متاثر ہو کر جو خط لکھا تھا اس کو پڑھ کر اور کوفہ والوں کے اصرار پر جو وعدہ کر چکے تھے اس کے لحاظ سے مع اہل و عیال روانگی کا قصد کیا عبداللہ ابن عباس عبداللہ ابن زبیرؓ کو خبر ہوئی تو یہ لوگ آئے اور کہا آپ کیا غضب کرتے ہیں، کوفیوں کے وعدے قابل اعتبار نہیں آپ دیکھ چکے کہ انھوں نے آپ کے باپ اور بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا حضرت علی اور امام حسنؓ کی شہادت میں ان کی شرکت تھی، اب اس وقت ان کے خطوط

ور پیاموں پر اعتبار کرنا درست نہیں ہے" اس گفتگو کا نتیجہ کچھ نہ نکلا اور امام حسینؑ کے قصد کو ان میں سے کوئی شخص متزلزل نہ کر سکا" اور آپ نے فرمایا کہ "مجھے ایک حدیث یاد ہے اور اندیشہ ہے کہ کہیں اس حدیث کے موافق کعبہ کی بے حرمتی میری وجہ سے نہ ہو جائے اس سے بچنے کے واسطے مجھے ہر اذیت منظور ہے۔ عمرو بن سعد حاکم مکہ نے آج سمجھایا لیکن ہر کوشش بیکار اور اصرار بے سود ثابت ہوا مجبوراً عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ ابن عباسؓ نے کہا "اگر آپ نہیں مانتے تو اہل و عیال کو ساتھ نہ لیجئے اور خود جا کر کوفہ والوں کے وعدوں کا تجربہ کر لیجئے" اب اس کو نوشتہ تقدیر سمجھ لینا چاہئے یا اتفاق کہ امام حسینؑ اس رائے سے بھی متفق نہ ہو سکے اور کہا "زندگی کے آخری دنوں میں بال بچوں سے جدا نہیں ہو سکتا" المختصر ڈیڑھ سو کے قریب مسلمان معتقدین کی حیثیت میں اور ستر کے قریب عزیز و اقارب یہ دو سوا دو سو کا قافلہ مکہ معظمہ سے کوفہ کے واسطے تیار ہوا"

ہلال عید نمودار ہو چکا تھا، دنیائے اسلام عید کی اور ارض حجاز حج کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی ماہ ذی الحجہ کی پہلی رات کا بڑا حصہ ختم ہو چکا، بیت اللہ کے در و دیوار نے اپنے اس مہمان کے واسطے جو دوش رسول اللہ کا سوار تھا اپنی آغوش کھول دی ہوا کی خنکی آمد صبح کا اعلان کر رہی تھی اور زیتون کی پتیاں سراسر سر سرا کر وداع شب میں سرگرم تھیں، کھجوروں کے گچھے جھوم رہے تھے، کائنات سماوی فنا ہو رہی تھی حرم خدا ذرہ ذرہ سنت ابراہیمی کی ادائیگی کے نعرے لگا رہا تھا، پہاڑیوں سنگریزے توحید و رسالت کے ڈنکے بجا رہے تھے ابھی گریبان شب پوری طرح چاک نہ ہوا تھا اور رات کی زلف سیاہ لہرا لہرا کر آگے بڑھ رہی تھی کہ دوش رسول کا شہسوار خاموشی کے ساتھ خانۂ خدا میں داخل ہوا، دو نفل پڑھے اور سجدے میں گر کر باآواز بلند عرض کیا "معبود حقیقی اس وقت جبکہ عید الضحیٰ سر پر ہے اور دنیا کے مسلمان فریضہ حج کے واسطے

تیرے گھر میں حاضر ہو رہے ہیں حسین تیرے گھر سے رخصت ہوتا ہے آج وہ در و دیوار
جن میں عمر کا ایک حصہ گذرا تھا چھٹتے ہیں اور جہاں شب و روز تیری رحمت نازل
ہوتی تھی آنکھ سے اوجھل ہوتا ہے۔ میں اپنے نانا اور تیرے محبوب کے ارشاد کی تعمیل
میں کہ مکہ میں خون بہا دیا جائے گا۔ اور خانہ خدا کی بے حرمتی ہوگی تیرا گھر چھوڑتا ہوں
مخبر صادق نے جس کی خبر دی ہے وہ میں ہی نہ ہوں اور میری وجہ سے کعبۃ اللہ کا صحن
خون سے لبریز ہو۔ احکم الحاکمین مجھ گناہ گار کا قصور معاف کر تو جانتا ہے اس لئے کہ تو علیم ہے
کہ میرا سفر تیرے گھر کا احترام ہے اور میں سخت موسم اور قیامت خیز لو میں چھوٹے چھوٹے
بچوں کی تکلیف اس لئے گوارا کر رہا ہوں کہ نانا جان کا ارشاد میرے ہی واسطے پورا
نہ ہو جائے۔ الہ العالمین اس وقت حسین کے سر پر کوئی بزرگ زندہ نہیں، نانا کا دامن
جس کے سایہ میں پرورش پائی تھی ختم ہوا اور ماں کی گود جس میں پلا مفقود ہوئی باپ
کی آنکھ بند ہوئی، اور برابر کا بھائی بھی اٹھ گیا۔ اب بیکس حسین پر تمام دنیا کی یورش ہے
اور ہر طرف سے اس کے قتل کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں، دشمن علیؓ جیسے باپ اور
حسنؓ جیسے بھائی کو مجھ سے چھین چکے اب خاندان رسالت کو مجھ سے محروم کرنے کی
کوشش ہے رحم فرما خالق الموجودات! کرم کر۔ ناموس محمدؐ کو سنگدل و جفاکار انسانوں کی ناجائز
کوششوں سے محفوظ رکھ تو ہی ہمارا بہترین وارث ہے، اور تیرے محبوب کا کنبہ تیرے
سپرد ہے کیسا نازک وقت ہے بھیڑ اور دنبے اور بکریاں اپنے اپنے بچوں کو تیرے گھر
کا طواف کرا رہے ہیں جب دن کی روشنی پردہ دنیا سے غائب ہوگی اور رات کا اندھیرا
تیری مخلوق کے سر پر ہوگا۔ اس وقت یہ جانور اپنے بچوں کو کلیجے سے لگائے راحت و اطمینان
سے پہاڑوں کے سنگریزوں میں اپنے وطن کے دامن پر منہ رکھے نیند کی لپیٹ میں ہوں گے مگر
حسینؓ اپنے عزیزوں کے لئے وطن سے دور اور تیرے گھر سے بچھڑا ہوا پردیس میں گھر کو ترسیگا اس لئے
اور صرف اس لئے کہ تیرے حکم کی تعمیل میں فاسق و فاجر کی بیعت سے منکر ہوں۔ وہ امت جس کو تیرے محبوب

بوسہ دیا یزید کے ہاتھ میں نہ جائے گا اور وہ زبان جس کو تیرے پیارے نے چوما ہے
میخوار کو امیر تسلیم نہ کرے گا۔ الٰہ العالمین میری خطاؤں سے درگزر فرما اور توفیق دے کہ
دشمنوں کے مظالم ہنسی خوشی برداشت کروں، صبر و رضا میرا شیوہ رہے اور استقامت میرا راستہ
رب العالمین تیرے در سے جاتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے مگر تیرے ہی واسطے جاتا ہوں کہ جفاکار
تیرے گھر کو ناپاک نہ کریں۔ یہ خاک جس میں برسوں لوٹا ہوں جو آج بھی میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے
اس کو بوسہ دیتا ہوا وداع ہوتا ہوں اور یہ در و دیوار جو ماں کی آغوش سے کم نہیں ان پر حسرت آمیز
نظریں ڈالکر روانہ ہوتا ہوں، صدقہ اپنے محبوب کا مجھ پر کرم فرما الٰہ العالمین میرے قدم نہ ڈگمگائیں اور
سیدھے راستے پر چل کر ہادیؑ برحق شیر خدا اور سیدۃ النساء کی خدمت میں سرخرو حاضر ہوں
الوداع کعبہ کی دیوارو الوداع! گواہ رہنا کہ حسین تمہاری بے حرمتی کے واسطے تم
سے جدا ہوتا ہے۔ مکہ کی پہاڑیوں خدا حافظ! تم شاہد ہو کہ فاطمہ کا لخت جگر تمہاری تحفظ و
آبرو کے لئے تم کو چھوڑتا ہے۔

اس کے بعد امام حسینؑ حرم خدا سے باہر نکلے اور مدینہ کی طرف منہ کر کے فرمایا۔
نانا جان آپ کی امت نے حسین کو اس قابل نہ رکھا کہ وہ آخری سلام کو آپ کی خدمت
میں حاضر ہوتا، میرا وداعی سلام قبول فرمائیے، آپ کا روضہ جو میرے واسطے باعث
تسکین تھا، ہمیشہ کو چھوٹتا ہے، میری بیمار بچی صغرا جس کا کوئی والی وارث نہیں ہے
جو باپ کی صورت کو ترس رہی ہوگی، آپ کے سپرد ہے۔ اس کی آنکھیں دروازہ کو لگی ہوگی
اور وہ سمجھتی ہوگی کہ ساری اولاد میں صرف صغرا ہی اس لائق نہ تھی کہ حسین ساتھ لیتا
مگر خدا گواہ ہے کہ وہ سفر کے قابل نہیں۔ نانا جان، دل بیمار بچی کے واسطے تڑپ
رہا ہے اور آنکھیں اس کی یاد میں گھنٹوں آنسو گراتی ہیں، مگر دشمنوں نے اتنی مہلت نہ دی کہ
پیاری صغرا کو آخری دفعہ کلیجہ سے لگا لیتا اس کی بیماری نے جان پر بنا دی لیکن مجبور ہوں کہ جفاکار
تلوار لئے سامنے کھڑے ہیں اور ایک بشر کے واسطے ہزار ہا تلواریں نکلی ہوئی ہیں آپ کے

ارشاد کی تعمیل میں بیت اللہ کو ناپاکی سے بچاتا ہوں کہ خانہ خدا کی بے حرمتی نہ ہو، میرا سلام قبول فرمایئے۔ اور دعا کیجئے کہ صراط مستقیم پر قائم رہوں، نانا جان بیوی اور بچے، عزیز و اقارب خدا اور اس کے رسول پر قربان ہیں ایسا نہ ہو کہ عزیزوں کی محبت یا بچوں کی ممتا میری صداقت میں حائل ہو جائے دعا فرمایئے کہ فاطمہ کا خون ایسی شان دکھائے کہ دنیا دنگ رہ جائے وقت آ جائے تو کلیجے کے ٹکڑے اس کی راہ میں قربان کردوں، اور تیوری پر بل نہ لاؤں مدینہ کی خاک پاک میں آرام کرنے والے نانا الوداع۔ الوداع! الوداع!"

موذن کی صدائے توحید نے رات کی سیاہی کا خاتمہ کیا اور امام حسینؓ نماز فجر خانہ کعبہ میں ادا کرنے کے بعد گھر تشریف لائے اور روانگی کا اہتمام شروع کیا اور سیدوں کا یہ قافلہ کوفہ روانہ ہوا۔

ابن زیاد نے چاروں طرف آدمی چھوڑ رکھے تھے کہ امام حسینؓ زیادہ حیل حجت کریں تو راستہ ہی میں ان کا خاتمہ کر دو، اتفاق سے عرب کا مشہور شاعر فرزدق جس کے نعتیہ اشعار آج تک بچہ بچہ کی زبان پر ہیں اور جو حضور اکرم اور اہل بیت سے انتہائی محبت رکھتا تھا، راستہ میں ملا، وہ چونکہ کوفہ سے آ رہا تھا۔ اس نے آپ سے کہا کہ کوفیوں کی زبانیں آپ کے ساتھ ہیں، دل حکومت کے ساتھ اور فیصلہ خدا کے ہاتھ فرزدق نے بھی کوفہ جانے کی مخالفت کی، مگر آپ آگے بڑھے اور ثعلب میں قیام کیا تو بکر اسدی سامنے آئے اور کہا "آپ کوفہ جانے سے باز آیئے اور بال بچوں پر رحم کیجئے ابن زیاد نے عمر و سعد کو آپ کے واسطے روانہ کر دیا ہے اور وہ ایک جماعت کثیر کیساتھ قادسیہ کی طرف آپ کی گرفتاری اور قتل کے واسطے پڑا ہوا ہے مسلم اور ان کے بچے شہید کر دیئے گئے، بہتر ہے کہ آپ واپس چلے جائیں ورنہ یہ آپ کا مختصر قافلہ ایک ہی حملہ میں گرفتار ہو جائیگا" آپ اس کی گفتگو سن کر بہت متاثر ہوئے اور مسلم کی شہادت سن کر ارادہ کیا کہ واپس جائیں مگر ان کے خاندان نے واپسی سے انکار کر دیا اور کہا، جبتک ہم عبید اور کوفیوں

سے مسلم کا بدلہ نہ لیں گے گھر واپس نہیں ہو سکتے، آپ بھی خاموش ہو گئے مسلم اور ان کے بچوں کی شہادت نے امام حسین کے دل پر کچھ ایسا اثر کیا کہ رات اسی منزل میں بسر کی مسلم کی قربانی اور ان کے ننھے ننھے بچوں کی شہادت کا خیال آپ کو رہ رہ کر آپ کو پریشان کر رہا تھا اور جب یہ خیال آتا تھا کہ بھائی نہ صرف خود ہی اپنی جان نثار کر گیا بلکہ اپنی عمر بھر کی جمع پونجی دونوں بچے بھی مجھ پر قربان کر گیا اور میری وجہ سے بیگناہ معصوم مظالم کا شکار ہو گئے تو ان کی بچی کی طرف دیکھتے تھے اور اس کی یتیمی پر ٹھنڈے سانس بھرتے تھے، کوشش کرتے تھے کہ باپ اور بھائیوں کی شہادت کا حال اس بچی کو نہ معلوم ہو، مگر جب بے قصور بھائی کی شہادت یاد آتی واقعات بیکسی اور بے بسی کا سماں سامنے لاکر کھڑے کرتے اور پھول سے بچوں کی تصویر اور ان کی معصومیت کا دھیان آتا تو بیتاب ہو جاتے، دفعتہً بچی کو پاس بلا کر کلیجہ سے لگا لیا سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا بی بی بڑی تکلیف اٹھا رہی ہو؟ بچی نو برس کی جان پوری طرح نہ سمجھ سکی ٹکر ٹکر چچا کی صورت دیکھنے لگی امام حسین نے سر کو بوسہ دیا تو کہنے لگی"

"چچا جان میرے ابا تو خیریت سے ہیں، آپ میرے سر پر یتیم بچوں کی طرح کیوں ہاتھ پھیر رہے ہیں، خدا را بتائیے کہ ابا جان کے متعلق تو کچھ نہیں سنا۔ اللہ میرے ابا کو خیریت سے لائے اچھے چچا جان کہئے تو سہی آپ کیوں رو رہے ہیں۔ کیا میرے ابا کی کچھ خبر سنی ہے؟ بچی کی اس گفتگو سے امام کا دل بھر آیا۔ بے اختیار ہو کر لپٹ گئے اور فرمایا تیرا باپ میں ہوں اور بھائی یہ موجود ہیں" اس جواب نے بچی کو یقین دلایا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور پردیس میں دنیا سے رخصت ہو گیا چیخ مار کر قدموں پر گر پڑی اور چچا جان ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابا جان اور میرے دونوں بھائی شہید ہو گئے امام حسینؓ نے گود میں لیکر فرمایا "بی بی تمہارے باپ خاندان کا حق ادا کر گئے اور بھائی حسنؓ کے بعد حقیقی بھائی کی محبت یاد دلائی اور اس سفر میں حسینؓ کو اکیلا چھوڑ کر نانا جان کے پاس

پہونچ گئے۔ انھوں نے دنیا کو دکھا دیا کہ دین کے معاملہ میں جان کوئی چیز نہیں ہے ہمارے قافلہ کی اُمیدیں ان کے دم سے تھیں اور میں انہیں کے بھروسہ پر مکہ سے روانہ ہوا تھا، لیکن خدا کو جو منظور تھا وہ ہوا،

امام حسینؑ علیہ السّلام اور حُر کی گفتگو

رات تمام قافلہ نے رو دھو کر کاٹی۔ نماز فجر کے بعد روانگی کا قصد کر رہے تھے کہ حر بن ریاحی ایک دستہ فوج لیکر سامنے سے آتے دکھائی دیا، اندیشہ تھا کہ شاید دشمن آگے نہ بڑھنے دے، اور اسی جگہ سے لڑائی شروع ہو جائے۔ مگر حرُ نے اپنی جماعت کو علیحدہ چھوڑ کر قاصد بھیجا اور حاضری کی اجازت چاہی آپ اس کے اُس فعل سے خوش ہوئے اور اجازت دی، جب وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ کہو کیا کہتے ہو" حرُ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ زمین بوس ہو کر کہا کیا عرض کروں کہ کس منہ سے کہوں اور کس دل سے اگر گستاخی نہ ہو تو بہ ادب عرض کرتا ہوں کہ اے ابن رسول اللہ عبید اور عمر وسعد نے اس غرض سے مقرر کیا ہے کہ گھیر کر گرفتار کروں اور سر مبارک جسم سے جدا کروں۔ مگر کٹ جائیں وہ ہاتھ جو اس غرض سے اٹھیں اور پھوٹ جائیں وہ آنکھیں جو یہ مقصد کے لئے بلند ہوں۔ زمین اژدہا بن کر نگل جائے اور آسمان قہر بن کر ٹوٹ پڑے اس سے پہلے کہ رسول خدا کے جگر گوشہ سے بے ایمانی کروں، اے ابن رسول اللہ میرے نیک مقصد میں میری مدد فرمایئے اور دعا کیجئے کہ قیامت کے روز مجھے دامن رسالت میں پناہ ملے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ فوراً بال بچوں سمیت کسی طرف چلے جائیں میں یا میری فوج اتنی مجال نہیں رکھتی کہ مزاحمت کریں ہم اپنے رسول زادے کو آنکھوں سے وداع کریں گے عبید اور عمر وسعد دونوں کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہیں۔ زندگی کی خطرناک خزاں ان سے ایمان کی بہار کا خاتمہ کر چکی مکروہ الصوت اور کریہ الصوت دنیا حسینؑ دیوی بن کر ان کے سامنے آئی ہے۔ جو خدا اور اس کے رسولؐ کو

بھول گئے میری التجا قبول ہو جدھر چاہیئے تشریف لیجا یئے۔
امام حسینؑ نے حرؔ کی دلی جذبات کا اعتراف کیا اور کہا تم کو معلوم ہے کہ میرا بیگناہ بھائی اور اس کے معصوم بچے ابن زیاد نے شہید کر دیئے اس کی یتیم بچی میرے ساتھ ہے اب میرا جان بچانا ان کے زخموں پر نمک چھڑکیگا۔ جو قدم خدا کی راہ میں آگے بڑھ گئے۔ اب خدا نہ کرے کہ پیچھے ہٹیں۔
ابھی یہ گفتگو پوری نہ ہوی تھی کہ عمرو سعد ایک بڑی جمعیت لیکر آپہونچا اور حرؔ سے کہا کہ امام حسینؑ سے کہدو کہ اگر بیعت منظور ہے تو بہتر ورنہ سخت سخت تکلیفیں پہونچاؤں گا۔" حرؔ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہر چند کوشش کی مگر عمرو سعد کا پیام زبان سے نہ دہرا سکے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے واپس ہو گئے۔ امام حسینؑ آگے بڑھے اور قریب ہی کربلا کے قیام کیا۔
حرؔ کے معاملہ میں مسلمان مختلف الخیال ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ حرؔ عبید بن زیاد کے حکم سے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں آئے اور جس وقت یہ قافلہ کربلا میدان میں پہونچا تو حرؔ کی آنکھوں میں سراب دنیا جلوہ گر تھا اور وہ امام علیہ السلام کے خلاف ہر ظلم کو آمادہ تھے۔ عمرو سعد کا پیغام پہنچا کر واپس چلنے لگے تو امام حسینؑ نے حرؔ سے کہا کہ میری یہ تین خواہشیں ابن زیاد تک پہنچا دو، سب سے پہلی یہ کہ مجھے جانے دیں، میں مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں جا کر اللہ اللہ کروں گا۔ اور اگر اس میں تامل ہو تو دنیا کے کسی اور گوشہ میں چلا جاؤں اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو میرا راستہ چھوڑ دو جدھر منہ اٹھیگا چلا جاؤنگا ممکن ہے دمشق چلا جاؤں اور یزید سے ملوں" اس آخری خواہش سے تمام مسلمان متفق نہیں ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ یزید کا نام نہیں لیا۔ بہر حال عمرو سعد نے یہ پیام عبید ابن زیاد تک پہنچا دیا۔ اس نے جواب دیا کہ سب سے پہلے حسینؑ کو میری بیعت کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد دوسرے معاملات پر غور کروں گا۔ اس کے

ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ تجھ سے حسینؓ کا سر طلب کیا گیا ہے یا صلح کی شرائط کے لئے روانہ کیا ہے، اس نے پیامبر کو یہ بھی حکم دیا کہ اگر عمرو سعد قتل میں تامل کرے تو اس کو فی الفور قتل کر دیجیو، اس قاصد کے روانہ ہونے کے چند گھنٹے بعد اس نے شمر ذی الجوشن کو حکم دیا تو فوراً روانہ ہو اور جس قدر جلد ممکن ہو حسینؓ کا سر میرے پاس بھیجدے عمرو سعد ذرہ بھر بھی ڈھیل کرے تو اس کو قتل کر دے۔ عمرو سعد نے پہلے ہی حکم پر امام حسینؓ سے کہدیا تھا کہ میں اب بحث نہیں کر سکتا، ورنہ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ آج لڑائی ملتوی کر دو کل شروع کرنا۔ عمرو سعد اس پر غور ہی کر رہا تھا کہ شمر دوسرا حکم لیکر پہنچا اور کہا مجھے سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ دریائے فرات پر قبضہ کر لوں اور امام حسینؓ اور ان کے خیمہ تک پانی کا ایک قطرہ نہ پہونچنے دوں، چنانچہ وہ ایک مختصر سا دستہ لیکر فرات پر پہونچا اور دریا پر پوری طرح قابض ہو گیا۔

امام حسینؑ میدان کربلا میں

اُفق زندگی پر مظالم کی موسلا دھار بارش بار ہا ہوئی اور جور و ستم کی سیاہ گھٹائیں شب و روز چھائیں، نمرود کی آگ کو آغوش میں لینے والی سرزمین اسی دنیا کی تھی آدم کو جنت میں دھوکہ دینے والے ہاتھ اسی زندگی کے تھے۔ یعقوب کو اندھا کرنے والی اور یوسف پر بہتان لگانے والی یہ ہی دنیا تھی، مگر سیدہ کے لال پر میدان کربلا میں جو کچھ گذری اس کا شائبہ اِدھر ہے نہ اُدھر۔ قربان اس نواسہ کے جو نانا کی شان امت کو دکھا گیا اور نثار اس نواسی اور نواسوں کے جن کا صبر و شکر زندگی کے ان نازک لمحوں میں احکام ربانی کی عملی تفسیر کر رہا تھا۔ اس قیامت خیز حالت میں کہ آسمان کی آگ زمین کو جھلسا رہی ہے اور زمین کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں ہوا کے تھپیڑے جھلس رہے ہیں، چرند اور پرند ہانپ ہانپ کر دور بھاگ گئے حسینؓ ابن علی کی آنکھیں

کیا دیکھتی ہیں، اٹھارہ مہینہ کا معصوم بچہ عبداللہ علی اصغرؑ پیاس سے تڑپ تڑپ کر اور بلک بلک کر ماں کی گود میں نڈھال ہو چکا۔ ممتا کی ماری اس کی صورت تک رہی ہے اور چاہتی ہے کہ آنسوؤں کے چند قطرے اس کے حلق میں ٹپکاؤں، بچہ ہوش میں آکر آنکھ کھولتا ہے اور ماں کی طرف دیکھ کر زبان باہر نکال دیتا ہے۔ نقاہت زبان کو ہونٹوں تک آنے کی نہیں دیتی آہستہ سے منہ کھول کر زبان اور حلق کے کانٹے ماں کو دکھاتا ہے تو بیتاب ہو کر کہتی ہے قربان جاؤں ان ہونٹوں کے اور اس زبان کے ماں کے فقرے اور بچہ کی کیفیت نے باپ کے ساتھ کیا کیا۔ اس کا جواب اولاد والے دیں گے۔ بچہ کو گود میں لیکر اپنی زبان اس کے منہ میں دی اور آنکھ سے زار و قطار آنسو کی لڑیاں بہنے لگیں، مگر دل سے اب بھی صبر و شکر کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، دوسری طرف نگاہ اٹھاتے ہیں جو جوان شیر تشنۂ شہادت میں چکنا چور خاموش کھڑا ہے منہ سے کچھ نہیں کہتا۔ مگر پیاس نے جان پر بنا دی، باپ کی صورت دیکھتے ہی ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ قریب پہنچے تو دل کٹ گیا۔ دیکھا کہ پھول سا چہرہ ہوا کے تھپیڑوں سے کملا چکا ہے۔ پیاس کی شدت نے ہوش اڑا دیئے ہیں، ایک آگ کا دریا ہے کہ خیمہ میں لہریں لے رہا ہے اور بڑے سے چھوٹے تک سب پیاس پیاس کے نعرے لگا رہے ہیں علیؑ اکبر سے کچھ کہنا چاہتے تھے کہ پشت سے ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا آیا تعجب کی نگاہوں سے پلٹ کر دیکھا تو ماجائی زینب اپنی ردا سے پنکھا جھل رہی تھی، اس کی شفقت نے بیتاب کر دیا۔ سر پر ہاتھ رکھ کر کلیجے سے لگایا تو اس کے دونوں بچے عون و محمدؑ قدموں سے آنکھیں مل رہے تھے۔ ان کو سینے سے لگایا تو سامنے حضرت امام حسنؑ کا لال ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ یہ وہ کیفیت تھی جو انسان کیا پتھر کے بھی ٹکڑے کر دیتی، باہر نکل کر دیکھا تو تمام ہمراہی ہتھیار لگائے قربان ہونے کے شوق میں بے قرار تھے، اندر آئے بی بی شہر بانو سے کہا۔

امام حسینؑ کی درخواست بی بی شہربانو سے

"تم نوشیروان عادل کی پوتی اور بادشاہ یزدگرد کی حقیقی بھانجی ہو، میں آج تم کو وہ وقت یاد دلاتا ہوں جب فتوحات اسلامی کا دریا چاروں طرف اُمنڈ رہا تھا ایران کی فتح کے بعد جب مال غنیمت تقسیم ہوا تو تمہارے جسم کی پوشاک جو اہرات سے پٹی ہوئی ہزار ہا روپے کی ملکیت تھی، ایک غیور قوم کے کسی فرد کی مجال نہ ہو سکتی تھی کہ تمہارے طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھ لیتا، مگر ہر شخص یہ دیکھنے کا منتظر تھا کہ دنیوی جنت کی یہ حور کس کے حصہ میں آتی ہے میں اس وقت موجود نہ تھا۔ مگر سنا ہے کہ جب مسلمانوں کی جماعت پچھپنی سے نتیجہ کا انتظار کر رہی تھی اس وقت خلیفہ دوم کے یہ الفاظ فتح مندوں کے کان میں پہنچے، شہزادی آج تک دنیوی بادشاہوں کی بیٹی اور پوتی رہی اب اس کا احترام یہ ہے کہ میں اس کو دین کی شہزادی بنادوں، اور فتح ایران کا یہ بہترین تحفہ مسلمانوں کی طرف سے امام حسین کی خدمت میں پیش کردوں۔

میں وہ وقت تم کو یاد دلا کر کہتا ہوں کہ جس روز سے تم میرے پاس آئیں اس وقت تک جو خدمات تم نے انجام دیں میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا، بچوں کی پرورش اور تربیت میں خانہ داری کے اہتمام و انصرام میں جو تکلیف تم نے اٹھائی میں سچے دل سے اس کا ممنون ہوں، میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ ایران نے بیوی کے معاملہ میں عرب کو درس دیا، کیونکہ اس سرزمین سے بھی فاطمہؓ اور خدیجہؓ جیسی بیویاں اُٹھیں ہیں جن کے نام پر عالم نسواں ہمیشہ فخر کریگا۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ تمدن معاشرت کے اس شعبہ میں ایران عرب سے کم نہ نکلا۔ تم نے بادشاہ ہو کر مجھ فقیر کا گھر سلطنت سمجھا اور جو کی روٹی کو بریانی سے بہتر خیال کیا۔ تمہارے احسانات کا اعتراف کرنے کے بعد میں آج تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم میری اور میرے بچوں کی خاطر اس وقت اپنے میکے چلے جاؤ۔ اور مجھ کو خدا پر چھوڑ دو، عرب نے تمہاری قدر نہ کی اور آج یہ وقت دکھایا

کہ تم اور تمہارے بچے پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس رہے ہیں۔ میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ عرب کی مہمان نوازی پر عمر وسعد نے کلنک کا ایسا ٹیکہ لگایا کہ تاریخ اسلام مدت العمر خون کے آنسو رو کر بھی اس داغ کو نہیں مٹا سکتی لیکن جو ہونا تھا وہ ہوگیا اب بہتر صورت اور اچھا علاج یہی ہے کہ اپنے بچوں کو ساتھ لیکر سدھارو اور مجھ کو میرے حال پر چھوڑ کر دعا کرو کہ خدا مجھ پر رحم کرے۔

امام حسینؑ کی اس تقریر سے شہر بانو پر رقت طاری ہوگئی۔ اور وہ بے اختیار ہوکر امام کے قدموں پر گر پڑیں اور رو کر کہا۔

امام عالی مقام! جس وقت قیامت بپا ہوگی اور ہر متنفس نفسی نفسی پکاریگا۔ اس روز میری خدمات کا معاوضہ ملیگا اور محنت ٹھکانے لگیگی۔ اس ہوشربا ساعت میں مجھ سے زیادہ خوش نصیب کون ہوگا جس کے سر پر فاطمہ زہرا جیسی، ساس اور علی ابن ابی طالب جیسے خسر کا ہاتھ ہوگا۔ میرے نانا سرور عالم کی شفقت آمیز نظریں میرے چہرہ پر ہوں گی میدان حشر کی بیویاں اور بیٹیاں مجھے حسرت سے دیکھیں گی امام عالی مقام یہ کلیجے کے ٹکڑے اور جگر گوشے ہزار بار سیدہ کے لال پر قربان مجھے اپنے لال سیدہ کے لال سے زیادہ نہیں۔ میری تکلیف زینب کی تکلیف سے بڑھکر نہیں ہے۔ میری ناچیز خدمات پر وہ بٹہ نہ لگنے دیجیے کہ دنیا کی عورتیں میرا مضحکہ اڑائیں ایک جان کیا ہزار جانیں ہوتیں تو کربلا میں آپ پر نثار کرتی۔ یقین فرمائیے کہ اگر ان بچوں کی قربانی سے آپ کی جان بچ سکتی تو بدبخت عمر وسعد کے سامنے اس کے خنجر اور اپنے ہاتھ سے اصغر اور اکبر کو ذبح کردیتی اور دکھا دیتی کہ جن ہاتھوں نے اسمٰعیل کی گردن پر چھری پھیرنے کا قصد کیا تھا۔ اس گھر کی ایک بہو نے اس سنت کی تکمیل کردی، امام عالی مقام لاریب بادشاہ کی بیٹی اور پوتی ہوں مگر آپ کی کنیز زادر لونڈی ہوں مجھے یہاں سے دھکے دیکر اماں جان کی نگاہ میں شرمندہ نہ کیجیے اور دعا کیجیے کہ میری قربانیاں

میرے باپ اور خسر شیر خدا اور رسول خدا کی بارگاہ میں قبول ہوں اور یوم الحق میں سرخرو ہوں۔"

اس گفتگو کا امام حسینؑ کی حالت پر ایک خاص اثر ہوا اور وہ چشم پر آب باہر نکلے تو عمروسعد کا قاصد حاضر خدمت تھا جس نے کہا" ابن زیاد کا دوسرا پیام آیا ہے کہ امام حسینؑ کو ایک لمحہ کی مہلت نہ دی جائے۔ اس لئے یا تو ادھر آکر بیعت کیجئے ورنہ لڑائی شروع کیجئے۔

چند لمحہ غور کرنے کے بعد امام حسینؑ نے جواب دیا کہ عمروسعد سے کہنا کہ تو نے دریا پر قبضہ کرلیا اور آل رسول پانی کے ایک ایک قطرہ کو ترس رہی ہے۔ یہ لڑائی نہیں ظلم ہے اور ایسا ظلم جو پردۂ دنیا پر اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ لڑائی ہمیشہ برابر کی فوجوں میں ہوتی ہے ہماری لڑائی کیا اور مقابلہ کیا۔ ہماری تعداد۔ دوسوا دوسو ہے جس میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں۔ تمہاری جمعیت اکیس بائیس ہزار ہے۔ لڑائی یزید و حسینؑ کی نہیں، بااختیار و بے اختیار کی ہے اور ایک سر کو جدا کرنے کے واسطے یزید۔ ابن زیاد اور عمروسعد نے دنیا بھر کی طاقت فراہم کرلی ہے، اب آفتاب غروب ہوتا ہے۔ اس لئے رات بھر کی مہلت دو کہ صبح تم جس مقصد کے واسطے لڑ رہے ہو اس کی تکمیل ہو جائے ہم آج کی رات خدائے بہتر و برتر کی عبادت میں صرف کریں اور دعا کریں کہ ہماری ناچیز قربانیاں قبول ہوں۔ اور نانا جان کی امت پر حسینؑ اپنے بال بچوں سمیت قربان ہو جائے۔"

قاصد یہ پیام لیکر عمروسعد کے پاس پہنچا شام قریب تھی اس لئے اس نے اس تجویز سے متفق ہونے میں تامل نہ کیا۔ شمر سے مشورہ کیا تو اس نے کہا" اس میں شک نہیں حسین ابن علی کے پاس جمعیت بہت کم ہے اور ہم چشم زدن میں اس کا خاتمہ کرینگے لیکن حسینؑ اس باپ کا بیٹا ہے جس کی شجاعت کا سکہ دنیا پر بیٹھا ہوا ہے کون کہہ سکتا ہے ہم میں سے کس کس کے سر پر قضا کھیل رہی ہے اور حسینؑ کا سر کس قدر جانیں لیکر

ہاتھ آئے گا۔ مہلت اس لئے دیدو کہ رات بھر پیاسے رہنے سے حسینؑ اور اس کا لشکر اس قدر مضمحل ہو جائے گا کہ لڑائی کی ہمت نہ رہے گی۔

سیّدہ کے لال کی آخری رات

کربلا کے میدان میں راتیں شب و روز آئیں اور گئیں، آئیں گی اور جائیں گی مگر محرم ۶۱ھ کی وہ نویں رات جس کی صبح کو ابن زیاد کے حکم سے عمر و سعد نے چمنستان زہراؑ کی سرسبز و شاداب کونپلیں توڑیں، پہاڑوں سے رو تو تی آئی، کربلا کے ذرات نے واویلا شروع کی اور فرات کی لہریں سینہ کوبی میں مصروف ہوئیں، یزیدی لشکر نے شب و ماہ کا لطف اٹھانے میں کسر نہ چھوڑی اور رات کا بڑا حصہ گلچھروں میں گذرا مگر سیدالشہداء عشاہی کے بعد سے راز و نیاز میں مصروف ہو گئے۔ جب آدھی رات کے قریب گذر چکی تھی اور چاند روتا ہوا رخصت ہو رہا تھا تو اس اندھیرے گھپ میں جہاں اولاد رسول کو جلانے کا تیل بھی میسر نہ تھا۔ سیدہ کا لال سجدہ میں گرا اور عرض کیا۔

یہ تھوڑی سی جمعیت جو اپنی خوشی سے میرے ساتھ آئی ہے۔ میں اس کی اعانت کا محتاج نہیں ہوں، نتیجہ جو کچھ ہوگا مجھے معلوم، مگر تو جانتا ہے کہ میرے اصرار پر بھی یہ میرا ساتھ نہیں چھوڑتے۔ یہ چند بچے، میرے بچے بہن اور بھائی کے بچے تیری راہ میں قربان ہیں۔ تو نے خلیل کی قربانی پہاڑ کی چوٹی پر قبول کی، یوسف کا نالہ قید خانہ میں سنا اور یعقوب کی التجا جنگل بیابان میں، آج کربلا کے ریتیلے میدان میں میری سن، احکم الحاکمین! یہ میری ناچیز قربانی قبول کر تجھ کو معلوم ہے حسینؑ کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں۔ التجا صرف اس قدر ہے کہ بچوں کی محبت مقصد میں حائل نہ ہو، میرے حوصلے بلند کر، میرا دل شیر کر، اور توفیق بخش کہ دشمن کے سامنے ہنس ہنس کر گلا کٹاؤں اور بچوں کی لاشیں کھل کھل کر ڈھوؤں، عزیزوں کے جنازے اٹھاؤں، مگر زبان پر شکر اور لب پر صبر کے سوا کچھ نہ ہو۔"

پچھلی رات کا تمام حصہ امام حسینؑ کا اس دعا میں بسر ہوا اور وقت آگیا کہ دسویں محرم کی روشنی نمودار ہو کر نویں رات کا خاتمہ کر دے۔"

صبح عاشورہ

میدان کربلا میں علی اکبرؓ کی صدائے حق بلند ہوئی۔ اور عمر و سعد کے لشکر میں قہقہوں کی آوازیں گونجیں، ادائے نماز کے بعد امام حسینؑ نے اپنے لشکر سے خطاب کیا کہ، تم لوگوں نے میرا ساتھ اس وقت تک دیکر جو کچھ احسان کیا میں اس کا شکریہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں اب میرا آخر وقت ہے اور خدا کے حضور کا شوق لمحہ لمحہ زیادہ ہو رہا ہے۔ میرے بھائیو اب تم میرے ساتھ تکلیف و مصیبت میں نہ پھنسو اور اپنے اپنے گھر واپس ہو جاؤ، میری وجہ سے تمہاری بیویاں رانڈ اور بچے یتیم نہ بنے، تمہارے اس احسان کا معاوضہ خدا کے ہاں ملیگا۔"

حضرت امام حسینؑ کی اس گفتگو سے بجائے اس کے کہ جو لوگ ساتھ تھے وہ چلے جاتے سب نے بالاتفاق عرض کیا" ہم مسلمان ہیں اور ہم کو کل قیامت کے روز آپ کے نانا حضور اکرم صلعم کو منہ دکھانا ہے اس سے بہتر کام ہماری زندگی کا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس کا کلمہ پڑھتے ہیں اس کے نواسے پر قربان ہو جائیں دشمن کی یہ مجال نہیں ہو سکتی ہے کہ وہ ہماری زندگی میں آپ کی طرف انگلی بھی اٹھا سکے، جو وقت آنے والا ہے وہ اُس وقت آئیگا جب ہمارا جسم بے روح ہو جائیگا اور موت ہماری طاقت اور اختیار کو فنا کر دیگی

امام حسینؑ نے اُن کو دعا دی اور فرمایا خدا تمہاری خدمت قبول کرے۔

ابھی آپ ان لوگوں سے باتیں کر رہے تھے کہ قبیلہ طے کا ایک شخص (وہ قبیلہ جو حاتم طائی کی وجہ کافی مشہور ہے) طرح بن ناعدی جو کسی ضرورت سے ادھر آیا تھا۔ یہ کیفیت دیکھ کر قد میوس ہوا اور عرض کیا" میرے قبیلے کے پانچہزار آدمی آپ پر نہسی خوشی اپنی جانیں نثار کریں گے۔ آپ صرف اس کی قدر کیجئے کہ میرے ہمراہ تشریف لیچلیے، اور اگر اجازت

دیجیئے تو میرا تمام قبیلہ اسی میدان میں حاضر ہو جائے ہیں ان کو جا کر لاتا ہوں" آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں تو دشمن مجھ کو نکلنے نہ دیں گے اگر تم اپنے قبیلہ کو لاتے ہو تو جس قدر خونریزی ہوگی اسکا باعث صرف میں ہوں گا اور میں یہ پسند نہیں کرتا۔ اس لئے خدا تمہاری خدمت قبول کرے۔

اب آپ خیمے سے آگے بڑے اور عمر سعد سے خطاب کیا۔

بلبل کو چمن سے اور مسافر کو وطن سے دور ہونے کا اتنا رنج نہیں ہوتا جس قدر مجھ کو رسول خدا کے مزار اور خدا کے گھر سے علیحدہ ہونے کا ہوا۔ تم لوگوں نے دھوکہ دے کر مجھے بلایا۔ حرم اور روضۂ رسول سے جدا کیا۔ اور اس وقت میرے قتل پر کمر بستہ ہو۔ تم لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ جو کچھ کر رہے ہو کس کے ساتھ، تم میں سے بہت سے موجود ہیں جنھوں نے سنا ہوگا اور جن کو معلوم نہیں، انہیں آج معلوم ہو جانا چاہیئے کہ خدا کے رسول نے یہ الفاظ فرمائے ہیں کہ حسینؑ جنت کے جوان ہیں، اب تم میرے ساتھ جو سلوک کر رہے ہو تم ہی بتاؤ کہ کس وجہ سے۔ صرف یہی نا کہ میں یزید کی بیعت تسلیم نہیں کرتا اس کے متعلق میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھ کو جانے دو، میں ایک کونے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کروں گا اور وہیں اپنی زندگی ختم کر دوں گا۔ اگر تم منظور کرو تو اب بھی موقعہ ہے کہ میں اپنے بال بچوں کو لیکر چلا جاؤں، اور اگر شیطان ہی سر پر سوار رہے اور تم باز نہیں آتے تو مجھ سے یہ توقع نہ رکھو کہ میں یزید کی بیعت کروں حسینؑ اور اس کے بچوں کی موت خاندان زہرا کی بربادی حرم رسول کی تباہی ان میں سے کوئی چیز میرا قدم ڈگمگا نہیں سکتی، مبارک ہوگی وہ گھڑی جب میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور خوش نصیب ہونگا۔ اگر میری یہ قربانیاں خدائے برتر کے حضور میں قبول ہوں اور میں قیامت کے روز سرخرو ہوں"۔

عمر و سعد اور اس کے لشکر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اور کوئی شخص جواب کی جرأت نہ کرتا تھا۔ اب آپ نے فرمایا اے حر بن یزید، حجاج بن الحسن کیا تم لوگوں کے دستخط

ان خطوں پر نہیں ہیں، جو مجھ کو بلانے کے لئے کوفہ سے بھیجے گئے ہیں؟"

حضرت حرُ کی سعادت

ان الفاظ کا اثر حرُ پر کچھ ایسا ہوا کہ اس نے رخ بدل کر عمرو سعد سے کہا "افسوس ہے تجھ پر اور تیرے حمایتی عبید اللہ بن زیاد اور یزید پر کہ تم لوگوں نے اپنے ساتھ ہزاروں مسلمانوں کی عاقبت برباد کی اور دیکھنے والوں کو دکھا دیا کہ جن آنکھوں نے رسول اللہ کو حسینؓ کے حلق پر بوسہ دیتے دیکھا تھا اسی پر خنجر چلانے کیواسطے آمادہ ہو گئے، سب سے زیادہ بدنصیب میں ہوں کہ میری دنیا بھی گئی اور دین بھی میں اپنے مولا اور اپنے آقا کو تجھ بدبخت کی ترغیب سے گھیر کر یہاں لایا۔ اب میری سزا یہ ہے کہ سب سے پہلے میں ہی رسول اللہ صلعم کے لخت جگر پر قربان ہوں، یہ دیکھ میں تیرے لشکر سے تیر کی طرح چلا اور امام حسینؑ کی طرف سے پہلا شخص میں ہی تیرے مقابلہ میں آؤں گا اگر مرد ہے اور مقابلہ کی تاب ہے تو آ میرے سامنے میدان میں آ۔ اور دیکھ کہ حسینؓ کے شیدائی کس طرح اپنے آقا پر نثار ہوتے ہیں۔ اتنا کہہ کر حرُ نے اپنا گھوڑا دوڑایا۔ اور امام عالی مقام کے قدموں پر گر کر کہا۔

" آقا ہاتھ جوڑ کر قصور کی معافی چاہتا ہوں۔ ابن علی میری خطا معاف کرو اور دوزخ میں گرنے والے کو سنبھال، جانتا ہوں کہ جو کچھ کر چکا اسکی تلافی ممکن نہیں، حرم رسول کو اس میدان میں گھیر کر لانے والا بدنصیب ازلی حرُ ہے۔ غفلت کے پردے اس کی آنکھوں پر پڑ گئے۔ لیکن اے مولا تو اس باپ کا بیٹا اور اس نانا کا نواسہ ہے کہ جن کے رحم و کرم کی لہریں تمام عرب کو سیراب کر رہی ہیں حسینؑ تو نے اس دودھ سے پرورش پائی ہے۔ جو عفو کا مخزن تھا، آج میدان میں نانا کی شان، باپ کا کرم اور ماں کا رحم ایک دفعہ اور دکھا دے، خدا کا واسطہ دیتا ہوں، نانا کے طفیل میں، باپ کے صدقہ میں اور ماں کی بدولت مردے کو جلانا، نار کو باغ اور جہنم کو فردوس کر دے۔ زمین

میرے قدموں سے ٹھکرا رہی ہے، آسمان مجھ پر تھوک رہا ہے اور پہاڑوں کے سنگریزے مجھ پر اور میری صورت پر اور میرے خاندان پر لعنت برسا رہے ہیں میرے ہاتھ نہ کٹے میری زبان نہ گلی، اور میرا دماغ نہ پھٹا ماں نے مجھے اس لئے جنا تھا، باپ نے مجھے اس لئے پرورش کیا تھا کہ میں جوان ہو کر خدا اور اس کے رسول سے بغاوت کروں اور فاطمہ کے کلیجہ کے ٹکڑے میری وجہ سے اس مصیبت میں گرفتار ہوں، بچا بچا حسینؑ مجھ کو بچا۔ دوزخ کے شعلے میری آنکھوں کے سامنے بھڑک رہے ہیں اور آگ کی چنگاریاں میرے جسم سے نکل رہی ہیں بجھا بجھا ابن علی اس آگ کو بجھا اور اجازت دے کہ سب سے پہلا شخص جو اس صورت پر قربان ہو وہ حرؔ ہو، پھر واسطہ دیتا ہوں، نانا کا، باپ کا ماں کا، بھائی کا، ان مقدس روحوں کے تصدق میں میرا قصور معاف کر یہ سر تیرے قدموں میں ہے، دھتکار دے، ٹھکرا دے جو چاہے کر مگر اب یہ سر سرکنے والا نہیں۔

امام عالی مقام نے حرؔ کو سینہ سے لگایا اور فرمایا میں ان سب ہمراہیوں سے کہہ رہا ہوں کہ میری وجہ سے شہید نہ ہوں اور چلے جائیں۔ یزید کا غصہ ابن زیاد کی آگ اور عمر و سعد کا جوش صرف حسینؑ کے قتل سے ٹھنڈا ہو سکتا ہے، یہ سر موجود ہے۔ مگر تم اپنے بچوں کو میری وجہ سے یتیم نہ کرو، حرؔ خاموش کھڑا تھا۔ اس الفاظ نے ان پر کچھ اثر کیا کہ ایک چیخ ماری اور کہا اے ابن رسول اللہ حرؔ کے زخموں پر نمک نہ چھڑکئے حسینؑ کے بچے یتیم ہوں اور حرؔ زندہ رہے۔ اور اس کی بیوی اور اس کے بچے آپ کے بچوں پر قربان للہ ابن علی، اجازت مرحمت ہو، ہر سانس قیامت ہے۔ گڑ گڑاتا ہوں، کرم، رحم ابن رسول اللہ رحم اور اجازت۔

امام حسینؑ کی آنکھ میں حرؔ کی گفتگو سے آنسو آگئے اور کہا "اچھا"

اس پروانہ کی طرح جو شمع پر اس بلبل کی طرح جو پھول پر اس چکور کی طرح جو چاند پر نثار ہوتی ہے حرؔ چاروں طرف نشۂ شہادت میں جھومتا ہوا یہ کہہ کر بیتاب و تاراج

یا ابن رسول اللہ اب ایک التجا اور ہے۔ عفو خطا کا مژدہ اس مبارک منہ سے سنا دیجئے اور پھر دیکھ لیجئے کہ خون کے ہر قطرے کو سر آنکھوں پر رکھوں گا۔ گوشت کا ہر ٹکڑا تن سے جدا ہو کر حسینؑ کے نعرہ لگائیگا اور جس طرح زندہ حر اسی نام کو جپتا ہوا قربان ہوا اسی طرح مردہ حر کے رونگٹے رونگٹے سے ابن علی کی صدا بلند ہوگی، کاش ابن زیاد میدان میں ہوتا یزید اس وقت سامنے آجاتا تو دنیا کو دکھا دیتا کہ حسین کے شیدائی اپنے آقا کی بیعت دل سے نہیں جان سے کرتے ہیں۔"

عمر وسعد سمجھ رہا تھا کہ شاید حر امام حسینؑ سے بیعت کے متعلق گفتگو کر رہا ہے کہ دفعتاً حر گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں پہونچا' اور کہا'

"وہ حر جو تیرے لشکر کا افسر تھا اور امام حسینؑ کو اس میدان میں گھیر کر لایا ختم ہو چکا اس وقت میں وہ حر ہوں جو سب سے پہلے تجھ کو قتل کروں گا۔ اور تجھ کو تیرے اعمال کا مزہ چکھاؤں گا۔ مگر اس لیے کہ مجھ پر بھی یہی کیفیت گذر چکی ہے سمجھاتا ہوں کہ یہ دونوں طرف نظر ڈال' تیرے لشکر میں دوزخ جل رہا ہے' اسے دیکھ اور اس طرف جو جنت موجود ہے اس پر بھی نظر ڈالی اور سوچ کہ زندگی کی چند گھڑیوں کے واسطے خدا اور اس کے رسول سے دغا کر رہا ہے ارے بدبخت دنیا اور دین دونوں برباد ہو جائیں گے' یاد رکھ ابن زیاد سے فلاح نہ ہوگی' یزید سے انعام کی توقع نہ رکھ اور جھوٹی امیدوں پر خدا کے سایہ سے نہ بھاگ

یزیدی لشکر میں حر کی تقریر سے ہلچل مچ گئی اور عمر وسعد ششدر و متحیر ایک ایک کا منہ تکنے لگا حر کو جب کوئی جواب نہ ملا تو امام حسین کے پاس آکر قدمبوس ہوا اور درخواست کی کہ اب حکم دیجئے کہ عمر وسعد کو تہ تیغ کر دوں' امام حسینؑ ایک مرتبہ اور میدان جنگ میں تشریف لائے اور فرمایا تم لوگوں سے ڈرتا نہیں ہوں مگر صرف اس لئے کہ جس وقت مجھ بے گناہ کے خون میں تم پر عذاب نازل ہوگا۔ اس وقت حضور اکرم سے یہ الفاظ نہ سنوں کہ حسینؑ کے خون میں میری امت پر عذاب ہو رہا ہے۔ میں تم لوگوں سے پھر کہتا ہوں

کہ کھرے کھوٹے کو پرکھ لو تم دیکھ رہے ہو کہ میں جو کچھ کہہ چکا وہ پتھر کی لکیر ہے، ایک فاسق و فاجر کی بیعت کے مقابلہ میں ہر اذیت گوارا ہے"

یہاں تک پہنچکر امام حسینؓ کچھ اور فرماتے کہ عمر و سعد نے کہا "لشکریوں تم یزید اور ابنِ زیاد کے سامنے گواہی دینا کہ حسینؓ پر سب سے پہلے میں نے حملہ کیا یہ کہہ کر عمرو سعد نے تیر مارا مگر وہ خالی گیا اور آپ واپس تشریف لے آئے۔

فوراً ہی ابن زیاد کا غلام اور ابن زیاد کے باپ کا غلام دو شخص آئے اور آواز دی کہ یزید کے لشکر کی جراءت جس کو دیکھنی ہے وہ مقابلہ میں آئے" ان کے متواتر نعروں سے امام حسینؓ کے ہمراہیوں میں طاقت ضبط نہ رہی۔ حبیب ابن المظہر آگے بڑھنا چاہتے تھے کہ امام حسینؓ نے روکا اور کہا "تمہاری حیثیت غلاموں کے مقابلہ کے لائق نہیں چنانچہ عبد اللہ وہب کلبی میدان میں پہونچے اور کہا بدبختو کیا زبان درازی کرتے ہو یہ کہہ کر ایک ہی وار میں دونوں کے سر اڑا دیئے۔ عمرو سعد نے سالم کو اشارہ کیا وہ باہر نکلا اور تلوار ماری جس سے وہب کا الٹا ہاتھ زخمی ہوا۔ مگر خدا کے اس جری نے سیدھے ہاتھ سے اس کا خاتمہ کر دیا اس وقت امام حسین کے لشکر سے تکبیر کی صدائیں ایسی بلند ہوئیں کہ عمرو سعد بھی پریشان ہو گیا۔ ادھر سے یزید بن الحصین اور جعفر بن ثعلبہ چلے اور عمرو سعد نے یزید بن معقل کو بھیجا مگر یزید بن الحصین کی ایک ہی تلوار میں یزید بن معقل دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس کے بعد طرفین میں ڈیڑھ دو گھنٹہ تک جنگ ہوتی رہی شیدائیاں حسینؓ نے باوجود بھوک پیاس کے ایسی جراءت و ہمت دکھائی کہ دشمن دنگ رہ گیا

اب حر نے اجازت لی اور میدان میں پہنچے ان کو دیکھتے ہی عمرو سعد غصہ سے سرخ ہو گیا اور با آواز بلند کہا اس باغی کا سر تار نیزہ الا یزید کے خاص۔ انعام و اکرام کا مستحق ہے" میرا حصین بن تمیز اتنا سنتے ہی باہر نکل آیا لیکن حر کی ایک ہی تلوار سے جہنم میں پہنچا اس کے بعد حر نے دوسرے مقابل کی راہ نہ دیکھی اور تلوار لیکر لشکر میں گھس گئے

کہ کسی طرح عمر و سعد کو قتل کریں ہر طرف قتل عام کرتے رہے ۔ چونکہ دشمن نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اس لئے دل کا حوصلہ پورا کیا اور شہید ہوئے ۔

عربستان کی مخلوق اور پہاڑوں کی چوٹیاں وہ سماں دیکھ چکی ہیں کہ حر بن ریاحی پوری جمعیت کے ساتھ ابن رسول اللہ کی گرفتاری کو آپہونچا اور خاندان رسالت کی محترم خواتین اور معصوم بچوں کو نظر بند کر لیا۔ سر بفلک پہاڑ اور سرسبز درخت امام حسین کی بے بسی پر روئے اور آسمان و زمین نے نالے بلند کئے ۔ صحرائی درندوں کی دہاڑوں اور طائران خوش الحان کی فریادوں نے زمین کے کلیجے چھلنی کر دیئے جس وقت وہ ساعت آئی کہ حسین ابن علی کا مظلوم قافلہ کربلا کے میدان میں اترا تو تقدیر نے اس کامیابی کا سہرا اسی حر کے سر باندھ دیا ۔ سراب زندگی نے اسکو مبارکباد دی اور وفاتی دنیا نے اس کے انقلاب پر آفرین کہیں۔ آج عربستان اور اس کے زمین و آسمان کی آنکھیں یہ سماں دیکھتی ہیں کہ وہی حر بن ریاحی جو امام حسین کی گرفتاری پر مامور ہوا تھا اپنے آقا پر قربان ہو گیا۔ گرم لو کے تھپیڑے ماں کی لوری بنکر اس کو ابدی نیند سلا رہے ہیں۔ ایمان پانی کے بدلے کوثر کے جام شہید کی لاش پر نچھاور کر رہا ہے جسوقت عمر و سعد نے حر کی لاش لشکر میں پھینکی اور ابن علی نے اس کے سر کو بوسہ دیا تو زمین و آسمان کا ہر ذرہ اس کی صداقت کو سجدے کر رہا تھا۔ شہادت اس کا منہ چوم رہی تھی اور حقیقت اس کے سر پہ ایسے پھول لٹا رہی تھی جو آج تک دنیا کو معطر کر رہے ہیں حوریں شہید حر کی صورت حسرت سے تک رہی تھیں اور ملائکہ تعجب کی نظریں ڈال رہے تھے کہ چشم زدن میں کس طرح جہنم کا کندہ جنت کا پھول بن گیا جس پر چہار طرف سے لعنت و ملامت کی بوچھاڑ پڑ رہی تھی۔

آناً فاناً کچھ کا کچھ ہو گیا۔ زمین مرحبا کے نعروں سے گونج اٹھی اور آسمان آفرین کی آواز دینے لگا، زندگی اس کی موت پر قربان ہوئی اور دنیا اس کے دین پر نثار۔ عقیدت اس کی شہادت کے روبرو جھکی اور اسلام نے اس کی بغاوت سر آنکھوں پر رکھی لشکر امام نے مرحبا کا شور مچایا

ملائکہ عرش بریں ہم آہنگ ہوئے اور اس طرح حُر کو وہ شہادت نصیب ہوئی جس پہ دنیا ہمیشہ فخر کریگی۔

حُر کی شہادت نے کوفیوں اور شامیوں کے ہوش اڑا دیئے۔ عمرو سعد نے باآواز بلند کہا کہ حسین کا قتل آسان نہیں، اگر حُر کی طرح ایک سر کے بدلے اتنے سر قربان کرنے پڑیں گے تو نتیجہ شکست سے بہتر ہوگا کہ ہماری متفقہ فوج حملہ کرے اور سب کا خاتمہ کردے۔" یہ کہہ کر ایک ساتھ تیروں کی بوچھاڑ شروع کی یہاں تک کہ لشکر امام کے تمام گھوڑے چھلنی ہوگئے۔ اور ایک میں سکت نہ رہا۔ اب یہ تمام فوج ایک ساتھ ٹوٹ پڑی اور شمر خیمہ کی طرف چلا وہ اندر داخل ہونا چاہتا تھا کہ حسین نے ایک ایسا تیر مارا کہ گھوڑا اوندھے منہ گرا اور شمر دم دبا کر بھاگا اور کہا لڑائی ایک ہی ایک کی ٹھیک ہوگی

اس وقت سب سے پہلے حسین میدان میں آئے اور جوہر شجاعت دکھا کر جام شہادت نوش فرمایا، ان کے بعد اور ہمراہی اپنے آقا پہ قربان ہوئے۔ آفتاب ڈھل رہا تھا اور دوپہر ختم کے قریب تھی کہ امام کے تمام ہمراہی کام آگئے اور سات آدمیوں کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔

بی بی زینب کے بچوں کی شہادت

شہربانو خاموش کھڑی کپڑے سے پنکھا جھل رہی تھیں کہ سیدہ کے لال نے فرمایا۔ زینب اٹھو بابا کی شمشیر، بھائی حسن کی کمان نانا جان کا عمامہ لاؤ اور بھائی کی صورت دل بھر کر دیکھ لو، اب یہ نظر نہ آئے گی، اور دشمن میدان سے واپس نہ آنے دیں گے بی بی زینب بھائی کے قدموں میں گریں اور کہا۔

اُس نازک وقت میں کہ عرش بریں اور آسمان کانپ رہا ہے بہن اپنے بھائی کے حضور میں ایک التجا پیش کرتی ہے۔ اُمید ہے کہ علی کا لال اور سچی ماں کا بچہ بہن کا سوال رد نہ کریگا" امام حسین علیہ السلام نے فرمایا زینب کیا کہتی ہو"۔ بی بی زینب کی نظریں نیچی تھیں۔

آنکھ اٹھائی اور رو کر کہا۔

"حسین بھیا تکلیف کے وقت صدقہ دیا جاتا ہے۔ حدیث صحیح ہے کہ صدقہ بلا کو رد کرتا ہے میری آرزو ہے کہ عون و محمدؑ کو اس وقت ماں جائے بھائی پر قربان کروں شاید یہ بلا ٹل جائے۔ بھائی یہ بحث کا وقت نہیں ہے۔ بھائی تو بہنوں کے بڑے بڑے مان رکھتے ہیں اس وقت زینب کے بچوں کو میدان کی اجازت دے کر اس کا دل رکھ لو۔ بھیا اس اس وقت ہمارا سفارشی کوئی نہیں ہے۔ ماں اور باپ دونوں کا سایہ سر سے اٹھ چکا۔ بھائی حسن بھی اللہ کے پیارے ہوگئے آج ہماری کشتی کے ناخدا تم ہو، قیامت کے روز زینب کس منہ سے ماں باپ کی خدمت میں حاضر ہوگی، بھائی حسین خدا کا واسطہ دے رہی ہوں۔ آماں کی روح کا صدقہ میرے بچوں کو رن کی اجازت مرحمت ہو۔

عون و محمدؑ دونوں پیچھے پیچھے پھر رہے ہیں کہ ماموں جان سے میدان کی اجازت دلوائیے میں خاموشی سے ان کا منہ تک کر چپکی ہو جاتی ہوں، بھیا یہ مجھ سے زیادہ تمہاری صورت کے عاشق ہیں، رو رہے ہیں، پیٹ رہے ہیں، اور جدھر جاتی ہوں سایہ کی طرح میرے ساتھ رہتے ہیں کہ کسی طرح ان کو میدان کی اجازت مل جائے۔ یہ دیکھئے میرے پیچھے کھڑے رو رہے ہیں۔ اتنا کہہ کر ہٹیں تو عون و محمدؑ ماموں کے قدموں میں گرے اور کہا "ہم اماں کے پیٹ سے اس لئے پیدا نہ ہوئے تھے کہ ہم زندہ رہیں" آپ پر یہ وقت آجائے اور ہم کھڑے دیکھتے رہیں۔ دشمن قہقہے لگائیں اور ہم سنیں، ماموں جان ہماری آبرو نہ بگڑنے دیجئے اور ہم کو میدان کی اجازت دیجئے ہم کو بھانجا نہیں غلام سمجھئے اور ہم کو قربان ہونے کا حکم دیکر ہمارے دل کے مرجھائے ہوئے پھول کھلا دیجئے۔ دیکھئے ہمارے ہتھیار سب تیار ہیں۔ ہم اپنے چھوٹے چھوٹے تیروں اور نیزوں سے دشمن کو مزہ چکھا دیں گے اور جب تک ان تمام تکالیف کا بدلہ نہ لیں گے ہماری زندہ صورت آپ کو نظر نہ آئے گی۔ خدا کا واسطہ رحم فرمائیے اور ہماری درخواست منظور کیجئے۔"

اب بی بی زینب آگے بڑھیں اور دونوں سے کہا کہ "ماموں کے کلیجے سے لگو اور آخری سلام کرو" اس کے بعد بھائی سے عرض کیا "بھیا میرے کلیجے کے ٹکڑے تمہاری شجاعت پر حرف نہ لائیں گے۔ یقین کرو ان کی وجہ سے علی کے نام پر بٹہ نہ لگیگا۔ میں کسی قابل نہیں ہوں اس وقت میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں کہ قربان کرتی بہن کی یہ ناچیز قربانی قبول ہو"

امام حسین کی آنکھ سے آنسو کی لڑیاں جاری تھیں، انہوں نے بچوں کو سینے سے چمٹایا اور بہن کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

زینب جو کچھ نہ دیکھا تھا ان آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا۔ ماں اور باپ کے بعد بھائی حسن کا جنازہ دیکھ چکا۔ بیٹا جائے کو ان ہاتھوں سے قبر میں اتارا۔ ابھی وہ آنسو بہہ رہے ہیں۔ زینب تجھ کو بھائی پر رحم نہیں آتا کس دل سے اجازت دوں کیا ماموں دنیا میں اس لئے پیدا ہوا تھا کہ گلشن زہرا کے پھول چن چن کر آگ میں جھونکے، دل ہے پتھر نہیں ہے صبح سے جو کچھ گذر رہی ہے اس کا جاننے والا خدا کے سوا کوئی نہیں ہے زینب مجھ پہ رحم کر، ان کونپلوں نے ابھی دنیا کا کیا دیکھا۔ ان کے دن پھولنے پھلنے کے ہیں ان کو دنیا میں رہنے دے، ماموں کے گھر چلے جائیں اور دنیا کی بہار دیکھیں،

امام حسینؑ کی تقریر ختم نہ ہوئی تھی کہ بی بی زینب کا دل بھر آیا اور بھائی کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا "حسین میرے زخموں پر نمک نہ چھڑک کس کے بچے عونؑ اور محمدؑ تیرے غلام ان کا خون جو تجھ پر گرے گا سر پہ رکھوں گی اور آنکھوں سے لگاؤں گی ان کی موت جو تجھ پر قربان ہو کر آئے گی میری زندگی ہوگی۔ اگر یہ خود میدان کے واسطے بیقرار نہ ہوتے تو عمر بھر ان کی صورت نہ دیکھتی۔ آج میری کمائی ٹھکانے لگتی ہے۔ اور بابا نے آخر وقت جو وصیت کی تھی اس کی تعمیل کرتی ہوں، مجھے ان کی شادی کا ارمان تھا۔ مگر اس سے بڑھ کر اور کیا شادی ہوگی وہ ارمان پورا ہوتا ہے۔ اجازت دے کہ اپنے بچوں کو دولہا بناؤں اور رن میں بھیجوں"

امام حسینؑ بہن کی اس گفتگو پر خاموش ہوئے تو بی بی زینب نے دونوں بچوں کو بھائی کے قدموں پر ڈالدیا اور کہا "ماموں کا شکریہ ادا کرو کہ ہماری قربانی قبول کی اٹھو اور میرے ساتھ آؤ۔"

اس وقت خیمہ میں سنائی دیا تھا کہ عمر وسعد نے با آواز بلند کہا "علی کی شجاعت کہاں غارت ہوئی کہ کوئی میدان میں نہیں آتا۔ کیا ہم خود ہی خیمہ میں گھس آئیں" بی بی زینب نے طیش میں آکر علی اکبر سے کہا "تم جواب دو کہ ناموس رسول کو بچانے والے ابھی زندہ اور جوہر شجاعت دکھانے والے موجود ہیں۔"

بچوں کے کپڑے اپنے ہاتھ سے بدلے چھوٹے چھوٹے ہتھیار ان کے جسم پر لگائے اور کہا "عون و محمد خوش نصیب ہوں میں۔ ماں کہ تم جیسے نیک بچے میرے پیٹ سے پیدا ہوئے، مگر دیکھو پیاس میں کوئی ہلکی بات زبان سے نہ نکل جائے۔ اعداء میں کسی کو یہ نہ معلوم ہو کہ تم کون ہو خبردار! خبردار۔ زینب کا نام زبان پر نہ آنے پائے صرف اتنا کہنا کہ ہم حسین کے غلام ہیں اور ہماری ماں بی بی فاطمہ اور شیر خدا کی لونڈی ان کی شفقتوں کا بدلہ ہماری ماں کے پاس یہی تھا کہ ہم کو امام پر نثار کر دیا۔

بچوں میں نادم ہوں کہ اپنے مہمانوں کو میدان جنگ میں بھوکا پیاسا شہید ہونے بھیج رہی ہوں" جس وقت دونوں بچے خیمے کے دروازہ پر پہنچکر ماں کے آخری سلام کو جھکے تو دل کا خدا ہی حافظ تھا۔ مگر ضبط سے کام لیکر ان کے سر پر ہاتھ رکھا گلے سے لگا کر پیار کیا اور کہا۔ دنیا کی مائیں بچوں کو سدھارتے وقت دعا دیتی ہیں کہ جس طرح پیٹھ دکھائی اسی طرح منہ دکھاؤ۔ مگر عون و محمد کی ماں یہ کہتی ہے کہ جاؤ زندہ جاؤ اور شہید ہو کر آؤ۔ سر لیکر جاؤ اور سر کٹا کر آؤ۔ دیکھو میرے الفاظ یاد رکھنا۔ عمر و سعد کو یہ نہ پتہ چلے کہ تم زینب کے بچے ہو۔ اچھا کلیجے کے ٹکڑوں جاؤ۔ سدھارو، رخصت ہو"

فلک پیر نے دنیا کے سخت مصائب پر قہقہے لگائے ہیں۔ مگر آسمان

وزمین دونوں خاموش تھے جس وقت زینب کے بچوں کی صدائے تکبیر سے میدان گونج اٹھا عمروسعد نے سامنے آکر کہا میں یہ تو سمجھ گیا کہ تم زینب کے بیٹے ہو۔ گر تمہارے لڑکپن پر نہ معلوم مجھے کیوں رحم آرہا ہے۔ اور وہ دل جو صبح سے اب تک باغ باغ ہوا تمہارے لڑکپن پہ ترس کھا رہا ہے، اگر تم حسین کا ساتھ چھوڑکر ادھر آجاؤ تو تمہارے واسطے دنیا بھر کی نعمتیں موجود ہیں اور اگر یہ پسند نہ کرو تو جاؤ اپنے گھر چلے جاؤ۔ میں اجازت دیتا ہوں، جا اپنی ماں سے کہدو کہ عمروسعد نے ہم کو آزاد کردیا۔"

دونوں کے دونوں اتنا سنتے ہی آگ بگولہ ہو گئے۔ اور کہا "ظالم عمروسعد ہم کو امام کا بھانجا بنا کر امامت کو رسوا مت کر ہم امام حسین کے غلام ہیں اور ہماری ماں بی بی فاطمہ اور شیر خدا کی لونڈی۔ تجھ کو جب ہمارے آقازادہ پر کیا رحم نہ آیا۔ اور پانی پہ پہرہ لگا کر اپنی تنگدلی دکھا دی تو ہم پر کیا رحم آئے گا۔ گو ہم تین روز سے بھوکے پیاسے ہیں اور ہماری عمریں دس سال سے زیادہ نہیں لیکن تجھ جیسے بیسیوں کو جہنم میں پہنچا کر اپنے آقا پہ نثار ہوں گے"

یہ کہہ کر سیدھی طرف سے عون اور الٹی طرف سے محمد نے حملہ کیا۔ ننھی ننھی تلواریں بجلی کی طرح جس پہ چمکیں خاکستر کرتی ہوئی ہوا کی طرح نکل گئیں۔ عمروسعد نے اپنی فوج سے خطاب کیا تین دن کے بھوکے پیاسے بچوں کو اب تک نہ تہ تیغ نہ کر سکے تو ملکر حملہ کرو" اور دونوں کا خاتمہ کردو۔ ابھی عمروسعد کی تجویز ختم نہ ہوئی تھی کہ دونوں خود ہی لشکر میں گھس کر عمروسعد کے سر پہ پہنچے اور عون نے کہا "ہم نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ مگر تیرے ظلموں کا مزہ چکھانا ابھی باقی ہے" یہ کہہ کر چاہتے تھے کہ وار کریں مگر دونوں طرف سے تلواروں کی باڑھ سر پہ گری اور زینب کے لال خون میں لال ہو گئے۔

عمروسعد نے چلا کر کہا "بچوں کا طریقہ جنگ، طرز گفتگو اور ادائے صبر بتا رہی ہے کہ علی کے نواسے ہیں۔ بھوکے ہیں پیاسے ہیں، خون میں تر بتر ہیں لیکن چہرہ پر شکن یا زبان پر شکوہ نہیں ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ان کا باپ کٹا۔ حسین آؤ اپنے بہادر

بچوں کی لاشیں لیجاؤ۔ اور ان کی ماں سے کہدو۔ عمر و سعد نے ان کو دولہا بنادیا۔"

زینب اور شہربانو دروازہ پر اور امام حسین خیمہ سے باہر کھڑے تھے، عمر و سعد کی آواز جس وقت بی بی زینب کے کان میں پہونچی تو آسمان کی طرف آنکھ اُٹھاکر خدا کا شکر ادا کیا۔ امام حسین بہن کو دیکھنے آئے تو تیمم کر رہی تھیں چاہتے تھے لپٹ جائیں آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے، بہن کو دیکھ کر آگے بڑھے۔ اور کہا"

"زینب تیرے بچے رخصت ہوئے"

بی بی زینب کے ٹھنڈے آہ کے ساتھ زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔ حسین میرے واسطے رونے کا نہیں شکر کا مقام ہے۔ پانی میسر نہیں تیمم کر رہی ہوں کہ دو نفل شکریہ اس خدا کا ادا کروں جس نے آج مجھے سرخرو کیا۔ اور مجھے ایسے بچے دیئے جو میرے بھائی پر نثار ہو گئے۔

امام حسینؑ نے حضرت عباس سے کہا "بھائی آؤ بچوں کی لاشیں اٹھا لائیں، کہرام مچا ہوا تھا۔ امام حسین بچوں کی لاشیں لینے گئے۔ اور بی بی زینب نے استقلال سے دوگانہ ادا کیا۔ سجدہ میں گریں اور کہا۔

"تو نکتہ نواز ہے، مجھ دکھیا کے دونوں بچے تیرے نام پر تیرے رسول کی اُمت کے ہاتھوں بیدردی سے قتل کئے گئے۔ میں نے ان کو بھوکا پیاسا تیری راہ میں گھر سے نکالا، ان کی لاشیں آرہی ہیں۔ صبر کی توفیق دے اور دل پر ایسا پتھر رکھدے کہ جو کچھ گذر رہی ہے اس کو شکر سے برداشت کروں" دعا کر رہی تھی کہ بچوں کی لاشیں خیمہ میں آئیں اُٹھیں تو بھائی نے کہا۔"

زینب! تیرا ارمان پورا ہوا تیرے بچے جن کی شادی کا تجھ کو ارمان تھا۔ دولہا بن کر تیرے سامنے آگئے۔ کیوں زینب مجھ ماموں کے دل پر اس وقت کیا گذر رہی ہوگی۔ جن بچوں کو ان ہاتھوں سے پال پوس کر اتنا کیا تھا۔ ان ہی سے اُن کی لاشیں

اٹھالیں۔ تیرے بچے نہیں بڑھے تھے کہ عمرو سعد اور اس کا لشکر عیش عشرت کر رہا ہے۔ قربان اس منہ کے جس نے کہا ہم حسین کے بھانجے نہیں غلام ہیں، میرے بچوں تم کو سر پہ رکھوں، تمہاری لاشوں کو آنکھوں سے لگاؤں حسین کے غلام نہیں کلیجے کے ٹکڑے تھے۔ ماموں حق نوازی نہ ادا کر سکا۔ مگر تم نے زینب کے دودھ کا ایسا حق ادا کر دیا کہ نانا جان کی امت تمہارے نام پر فدا ہوگی، لے زینب اپنے بچوں کو عروسی جوڑا پہنا۔ اور ان کی برات تیار کر ماموں ان کی دلھن بیاہ لائے۔

بی بی زینب خاموش کھڑی بھائی کی تقریریں سن رہی تھیں، جب امام عالی مقام خاموش ہوئے تو کہا "بھیا۔ اب تم باہر چلے جاؤ کہ میں ان مہمانوں سے باتیں کرلوں ان کے دودھ بخشدوں اور ان سے کہدوں کہ ماں کا کہا سنا معاف کرنا۔ اور جس سختی اور ترشی سے وداع کیا تھا۔ اس کی شکایت نانا نانی سے نہ کرنا"

امام حسین باہر چلے گئے تو بی بی زینب بچوں کے سرہانے بیٹھ گئیں۔ جسم سے خون جاری تھا۔ اور کپڑے شور بہ شور تھے۔ دو چار لمحہ غور سے دیکھنے کے بعد ایک چیخ مار کر یہ کہتی ہوئی لاش پر گریں۔

"عون و محمد تمہارا قاتل عمرو سعد نہیں زینب ہے جس نے اپنی آنکھ کے سامنے تمہاری گردن پہ چھری پھیر دی، علی اکبر میاں جاؤ عمرو سعد کو مبارک باد دیدو، کہ جن بچوں کو کبھی پھول کی چھڑی نہ لگائی تھی آج تو نے ان کو خون میں ڈبو دیا۔ تیری مراد پوری ہوئی اور جن دونوں کو دائیں بائیں پہلو میں لٹا کر لوریاں دی تھیں جو ہمک ہمک کر ماں کی گود سے چمٹتے تھے جو ٹھنک ٹھنک کر ماں کے ہاتھوں سے نوالے کھاتے تھے۔ ان کی لاشیں اس وقت ماں کے سامنے پڑی ہیں عمرو سعد میں نے یہ لال بڑی مصیبت سے پالے تھے۔ راتوں کی میٹھی نیندیں ان پر قربان کیں تھیں، اور دن کے لطف و آرام ان پر نچھاور کر کے اتنا بڑا کیا تھا۔ عمرو سعد ادھر آ اور جس کلیجہ میں

ناسور ڈالے ہیں۔ اس میں تلوار بھونک دے کہ آج ایک دفعہ اپنے دونوں معصوموں کے برابر پھر لیٹ کر آخری لوریاں دیدوں۔ عون و محمدؑ میں تمہاری ماں نہ تھی۔ دودھ پلانے والی انا اور پرورش کرنے والی کھلائی تھی۔ میں نے تم کو اپنے بھائی کے گھر سے اس وقت نکالا جب بھوک اور پیاس نے جان پر بنادی تھی، بچوں کے خطا وار زینب کا سنگدل انا کا اور ظالم کھلائی کا قصور معاف کردو، سلام کو جھکتے تھے، پاؤں داتے تھے تو درازی عمر کی دعائیں دیتی تھیں۔ آج ماں کے حکم پر جانیں نثار کرگئے "اب کیا دعا دوں"

یہ کہہ کر بی بی زینب بچوں کے بیچ میں لیٹیں اور کہا جس سینہ سے دودھ پیا تھا آؤ ایک دفعہ اور اس سے لپٹ جاؤ۔ پہلے چھوٹے کے منہ پر ہاتھ پھیر کر اس کا خون اپنے منہ سے ملا۔ اس کے بعد بڑے کی طرف مڑکر کہا "میرا بچہ محمدؑ کربلا کے میدان میں تیرے سپرد ہے۔ جب رات کے وقت سوتے میں ڈرتا تھا تو چمٹا لیتی تھی، اب اگر یہ چونکے تو ماں کے بدلے گلے سے لگا لیجیو۔ ظلم و ستم سے شہید ہوا بچہ جنگل بیابان میں تیرے حوالے کرتی ہوں" اب ہچکی بندھ گئی تو اٹھ کر چاروں طرف پھریں اور چھوٹے کے ہاتھ آنکھوں سے لگا کر کہا ماں ان ننھے ہاتھوں کے نثار گئی۔ عمر و سعد کو دکھا دیا کہ میدان جنگ میں بہادر کس طرح جان دیدیتے ہیں" دفعتہً کچھ خیال آیا اور بھائی کو بلا کر کہا کیوں بھائی بچوں سے کوئی خطا تو نہیں ہوئی۔ اگر کوئی لفظ خلاف مزاج زبان سے نکل گیا تو معاف فرما دیجئے۔ میں نے منع کردیا تھا کہ ہرگز ہرگز یہ نہ کہنا کہ ہم امام کے بھانجے ہیں" امام حسینؑ بہن کو لپٹ کر رونے لگے اور کہا زینب تیرے بچے تیرے حکم کی پوری تعمیل کرگئے۔ دشمنوں نے ہرچند پوچھا مگر وہ یہ کہتے کہتے دنیا سے سدھارے کہ ہم امام کے غلام ہیں۔ زینب تیرے بچے کلیجے پر ایسا داغ دے گئے کہ اب زندگی کا ہر لمحہ وبال ہے۔

یہ سن کر بی بی زینب مسکرائیں بچوں کے منہ چومے اور بھائی سے کہا "بھیجئے لیجائیے اور میرے چاند سے ٹکڑوں کو دفن کر دیجئے مگر عمر وسعد سے اتنا کہد یجئے کہ زینب کے بچے تجھ کو علی کے خون کا رنگ دکھا گئے۔ تو نے جن بچوں کو خون میں نہلا کر دنیا سے رخصت کیا یہ میری عمر بھر کی کمائی تھے۔ اب زینب کی گود خالی ہے وہ ہاتھ جھاڑ کر ہو بیٹھی اور منتظر ہے اس وقت کی جب تیری تلوار یا تیر اس کا خاتمہ کر دے، اور ان بچوں سے ملوا دے جن کو تو نے کربلا کے میدان میں ماں کے سینے سے چھٹوا دیا۔"

حضرت عباس کی شہادت

بچوں کی لاشیں دفن کے واسطے چلیں، بی بی زینب جا نماز پر لیٹیں اور بھائی کی سلامتی کی دعا میں مصروف ہوئیں، امام حسینؑ واپس خیمہ میں آئے تو خود میدان میں جانے کا قصد کیا اتنے میں مسلم بن عقیل کی بچی حضرت عباس کے قدموں پر آ کر گری اور کہا "چچا جان خدا کے لئے ذرا سا پانی لا دیجئے" شہزادی کے سر پر ہاتھ پھیر کر اس کو گلے سے لگا کر حضرت عباسؑ نے کہا "اچھا بی بی ابھی لاتا ہوں" یہ کہہ کر مشک کندھے پر رکھی امام حسین نے روکا اور کہا "فرات پر عمر وسعد نے پہرے بٹھا دیئے ہیں پانی کا ملنا آسان نہیں ہے۔" حضرت عباس نے جواب دیا "جانتا ہوں، مگر شہادت لازمی ہے، بہتر ہوگا کہ بھائی مسلم کی شہزادی کے حکم کی تعمیل میں شہید ہو جاؤں" یہ کہہ کر آگے بڑھے پہرہ داروں نے تیر برسائے۔ مگر کربلا کا بہادر گھوڑے کی ایک ہی جست میں سر پر ہو پہنچا اور چاروں طرف قتل عام کرتا ہوا فرات کے کنارے پر جا کھڑا ہوا۔ پیاس کے مارے برا حال تھا۔ ایک چلو پانی بھرا۔ چاہا کہ پی لوں۔ فوراً خیال آیا کہ عہد شکنی ہو گی، جب تک مسلم کی بچی کے خشک ہونٹ پانی سے سیراب نہ کر لوں۔ یہ پانی مجھ کو حرام ہے، پردہ نشین عورتیں پانی کو ترسیں شہر بانو اور زینب پھڑکیں اور میں پانی پیوں، چلو پھینک دیا، مشک بھری اور یہ کہہ کر چلے "اب تم میں سے جس کی ہمت ہو سامنے آ جائے"

حضرت عباس کے فرات کی طرف جاتے ہی عمر و سعد نے لشکر کو للکار کر کہا ہوشیار ہو جاؤ۔ عباس کی جرأت و ہمت تمہاری شجاعت و تدبیر کو خاک میں ملا دیگی، فرات کا کوئی جری ایسا نہیں کہ عباس کو روک سکے بہتر ہوگا کہ تم اپنا رخ اسی طرف پھیر دو۔ دیکھو۔ عباس پانی لے گیا تو لڑائی ختم نہ ہوگی اور تعجب نہیں کہ یہ مٹھی بھر غول فاطمہ ہم سب کو تاراج کر دیں تم میں سے کون ایسا جری ہے جو عباس کے مقابلہ کو جائے اور دولت سے مالا مال ہو۔"

عمر و سعد کی تقریر سے حرسیہ بن زید کے منہ میں پانی بھر آیا اور اس نے کہا کہ میں ابھی عباس کا سر آپ کے قدموں میں لاکر ڈالتا ہوں" یہ کہہ کر وہ فرات کی طرف چلا، اور صورت دیکھتے ہی حضرت عباس نے کہا تم کو معلوم ہے کہ میں کون ہوں آج عرب کے بہادر میرے نام سے کانپ رہے ہیں حسین کو بھائی سے محروم کرنیوالی تلوار میری ہوگی، ہوشیار ہو جاؤ، حضرت عباس نے مشک بھر لی تھی اور خیمہ کی طرف رخ تھا کہ حرسیہ سر پہ آپہونچا اور تلوار تولی تلوار چمکی، اور گری مگر حضرت عباس کے سر پہ دو ٹکڑے ہوئے اور اب حرسیہ کا ہاتھ جری کے ہاتھ میں تھا انھوں نے باواز بلند پکارا "بھائی حسین اس ملعون کو کتے کی موت مارتا ہوں" یہ کہہ کر ایک جھٹکا دیا تو حرسیہ گھوڑے سے گرنے والا تھا کہ ایک دوسرا شخص پیچھے سے تلوار تول کر آیا اور وار کیا حرسیہ بھاگا اور حضرت عباس نے پلٹ کر اس تو ارد کے ایسا ہاتھ دیا کہ دو ٹکڑے ہو گئے۔ اب ایک پورا گروہ ٹوٹا اور ایک ظالم کی تلوار ایسی پڑی کہ سیدھا ہاتھ کٹ گیا۔ عباس جری نے دوسرے ہاتھ سے مشک تھامے اور انبوہ کو چیرتے ہوئے اڑے کہ عمر و سعد نے چیخ کر کہا مشک چھلنی کر دو عباس جانے نہ پائے" اس وقت عمرو بن الحجاج کے پیہم تیر مشک پر پڑے اور ایک بوند پانی نہ رہا۔ عمر و سعد خود اس طرف آگیا اور کہا دیکھو عباس زندہ نہ جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں ایک دستہ نے بیچ میں گھیر لیا اور بچی کا بہشتی شہید ہوا۔ حضرت عباس کی شہادت نے حضرت امام کی کمر توڑی عمر و سعد نے کہا حسین آؤ جس پہ گھمنڈ تھا وہ بھی فنا ہوا۔ عباس کی لاش لے جاؤ اور کوئی باقی ہو تو اس کو بھیجدو"

اس کا جواب امام حسین نے کچھ نہ دیا خاموشی کے ساتھ لاش اٹھا کر لائے اور مسلم کی شہزادہ سے کہا و بی بی تمہارے حکم کی تعمیل ہو گئی۔

حضرت قاسم کی شہادت

عباس جری کی شہادت نے امام حسین کی تمام اُمیدوں کا خاتمہ کردیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ اب میں بھی اس دنیا میں ایک آدھ گھڑی کا مہمان ہوں دفن کے بعد خیمہ میں واپس تشریف لائے اور میدان جنگ میں جانے کی تیاریاں کیں تو حسن کا لال قاسم سامنے آکر دست بستہ کھڑا ہوا اور کہا "چچا جان میرا حمایتی اور سفارش کرنیوالا خدا کے سوا کوئی نہیں میں اتنی دیر سے دیکھ رہا ہوں کہ شاید اب مجھ کو بھی علی کی اولاد سمجھ کر شہادت کی عزت عطا فرمائیں آبا زندہ ہوتے تو اجازت دلواتے پھوپی جان سے کہا تو وہ خاموش ہو گئیں چچی جان سے کہتا ہوں تو وہ منہ پھیر لیتی ہیں بھائی اکبر سے کہا تو انھوں نے جواب نہ دیا میں سمجھتا ہوں کہ شاید میں آپ کے بھائی کی اولاد نہیں۔ عون و محمدؑ جیسی کونپلیں امامت پر نثار ہو گئیں اور میدان کربلا میں میرے باپ کے سوا سب نے شہادت کے بہتے دریا میں ہاتھ دھوئے آج فیصلہ کر دیجئے کہ آپ کا بھتیجا نہیں ہوں یا اب مجھ کو اجازت ہو کہ ان سنگدلوں کو گستاخی کا مزہ چکھا دوں"، امام حسین نے قاسم کو سینہ سے لگایا اور کہا "بیٹا! تمہارے باپ کی شہادت ابھی آنکھ کے سامنے ہے تمہاری صورت دیکھ کر دل کو تسکین دے لیتا ہوں زینب کے بچے دل میں زخم ڈال چکے اب اس زخم کا ناسور نہ بناؤ چچا اس وقت تمہاری عنایت کا محتاج ہے۔ اس پر تم رحم کرو، آنکھیں بہت کچھ دیکھ چکیں اب اور کیا تماشہ دکھانا چاہتے ہو۔ عون و محمدؑ کے جنازے ڈھوئے عباس کو دفن کیا اب اور کیا خدمت لینی ہے۔ بھانجے چھوٹے بھائی بچھڑے، اب مرنیوالے بھائی کی یادگار حسن کی نشانی تم باقی ہو قاسم للہ انصاف کرو کیا اپنی زندگی میں بھائی حسن کا نام بھی ختم کر جاؤں اور پھر مدینہ بھائی کو جا کر دکھاؤں۔ زینب مدد کرو حسن کے لال کو سمجھاؤ کہ چچا کے پہلو میں دل ہے پتھر نہیں ہے"

قاسم نے اپنا سر چچا کے قدموں میں رکھا پاؤں چومے اور کہا "

"چچا جان ارشاد عالی سر آنکھوں پہ لیکن میں اس وقت اگر بچ گیا تو کل میدان حشر میں یہ منہ باپ کو دکھانے کے قابل نہیں ہے کیا دادی اماں کے اس سوال کا جواب میں دیسکتا ہوں کہ قاسم جس وقت کربلا کے میدان میں حسین دشمنوں کے نرغہ میں پھنسا عون و محمدؑ جیسے بچے اس پر نثار ہوئے اس وقت تم نے چچا کو کیا مدد دی؟ چچا جان جب فرشتے مجھ کو گھسیٹ کر سرورِ عالم کے حضور میں یہ کہہ کر پیش کریں گے کہ حسن کا بچہ قاسم کربلا میں جان بچا گیا تو نانا سے کس منہ سے سامنے جاؤں گا کیا کہوں گا۔"

بی بی زینب خاموش کھڑی یہ کیفیت دیکھ رہی تھیں جب امام حسین نے بلایا تو وہ آگے بڑھیں اور روتی رہیں قاسم کی درخواست جب منظور نہ ہوئی تو ادھر آئے اور پھوپی کے قدموں کو بوسہ دیکر کہا "پھوپی جان! اس لئے کہ میرا باپ دنیا سے اُٹھ گیا آج کوئی اتنا نہیں کہ مجھ کو رن کی اجازت دلوائے۔ عون و محمدؑ آپ کے بچے تھے۔ میں غیر کا بچہ ہوں کہ آپ میری سفارش نہیں کرتیں۔ کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں کہ امام حسن کے بعد اس کے یتیم قاسم کی حمایت کو اُٹھے اور میدان جنگ میں بھجوا دے۔

اب بی بی زینب سے ضبط نہ ہو سکا انہوں نے قاسم کو گلے لگایا بھائی کے پاس لیکر آئیں اور کہا عون و محمدؑ نانا کے قدموں میں کھیل رہے ہیں قاسم نے کیا قصور کیا کہ یہ جنت کی سیر سے محروم رہے۔ پھوپی اس کی سفارش کو آئی ہے۔ رن کے واسطے مچل رہا ہے اور کہتا ہے میرا باپ زندہ ہوتا تو مجھے بھی اجازت ملتی حسین میرا کلیجہ اس کے کہنے پر کٹ گیا ہے اسے بھی اجازت دو۔

امام حسین نے ایک دفعہ اور قاسم کو سمجھایا مگر بیکار تھا۔ آخر بہن کی طرف منہ کیا اور کہنے لگے۔

اگر تمہاری یہی خوشی ہے تو بسم اللہ قاسم کو بھیج دو لیکن یہ یاد رکھو کہ حسن کی نسل آج دنیا میں منقطع ہوتی ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ عمرو سعد ایک بچہ کو بھی زندہ چھوڑے گا تم میدان کربلا میں قاسم کو بھیجکر سادات کا خاتمہ کرتی ہو اب تم جانو اور تمہارے ماں باپ جانیں، میدانِ حشر میں اس کا جواب تم ہی دے لینا"

بی بی زینب نے کچھ دیر تامل کے بعد کہا اگر سادات کو دنیا میں زندہ رہنا ہے تو خدا بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور ختم ہی ہونا ہے تو ہم کیا اور ہماری کوشش کیا یہ کہہ کر انہوں نے بھتیجے سے کہا چچا کا شکریہ ادا کرو اور بسم اللہ کہہ کر رن کو سدھارو۔"

قاسم نے باغ باغ ہوکر ہتھیار لگائے اور میدان جنگ میں پہونچکر کہا۔

عمر وسعد! عون و محمد میرے دونوں بھائیوں نے آخر وقت تک تجھے یہ نہ بتلایا کہ وہ کون ہیں، وہ بالآخر شہید ہوئے ان کی لاشیں ان کی ماں بنت علیؑ کے پاس پہونچ گئیں مگر وہ یہ کہتے کہتے دنیا سے رخصت ہوئے کہ امام کے غلام ہیں میں تجھکو بتا دیتا ہوں کہ وہ میری پھوپی زینب بنت علیؑ کے پھول تھے جن کا بچپن قبروں میں تیرا مرثیہ پڑھ رہا ہے۔ میں بھی امام کا غلام ہوں اور اب صرف یہ آرزو ہے کہ اپنے آقا اور مولا پر قربان ہو جاؤں۔ حسن اور سمجھ میں حسین کا غلام اور حسن کا لخت جگر ہوں۔ اس قربان گاہ میں بساط اسلام کے اس چاند پر جو میرے عم محترم کی صورت میں میدان کربلا کو جگمگا رہا ہے جس قدر چکوریں فدا ہوئیں ان میں سے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی خصوصیت تھی۔ میرا فرض ہے کہ میں تجھ کو بتا دوں کہ میں اس باپ کا بیٹا ہوں، جس کی زندگی میں بھی اور جس کے بعد بھی اس دنیا کی ایک چیونٹی تک اس کی شاکی نہ ہوئی آج تمہارے بیس بائیس ہزار لشکر میں ایک متنفس بھی ایسا نہ نکلیگا جس کی زبان اگر ایمان سے آشنا ہے تو حسن کی شکایت بیان کر سکے، تجھ کو اچھی طرح یاد ہوگا کہ جب تیرے آقا امیر معاویہ نے میرے آقا امام حسن سے بیعت کی خواہش کی تو ان کی زبان سے صرف یہ الفاظ نکلے کہ میرے باپ علی کو تو اور تیرے خوشامدی برا نہ کہیں اور شکایت کا جو ڈھنگ مسجد میں رچایا جاتا ہے وہ بند ہو جائے میں جانتا ہوں کہ ایمان کی روشنی تیرے دل سے دور ہو چکی مگر چاہتا ہوں کہ موت کے وقت جب فرشتے تیرے اعمال پر لعنت برسائیں تو قاسم کے یہ الفاظ تیرے زخم پر نمک ہوں کہ ہماری اس جائز التجا کا جواب تیرے مولا نے یہ دیا کہ علی کے خلاف جو صدا بلند ہو گی کوشش کروں گا کہ وہ آپ کے کانوں تک نہ پہونچے اب تو ہی بتا کہ حسن۔ جیسے فرشتہ انسان کی خواہش کا یہ جواب کہاں تک صحیح ہے

میرا باپ اور معاویہ دونوں اس دنیا سے رخصت ہو چکے لیکن میں اور میرے نانا کا کلمہ پڑھنے والے حق رکھتے ہیں کہ اس خواہش اور جواب کو ایمان کی کسوٹی پر پرکھیں اور دیکھیں کیا ہو رہا ہے جس حسن کے ہاتھ سے کسی زندہ روح کو ابھی اذیت نہ پہونچی اس کا نام لیوا ہوں اور نہیں چاہتا کہ تجھ پر یا تیرے لشکر پر قبل از تلقین ہاتھ اٹھاؤں، تجھ کو وہ وقت اچھی طرح یاد ہونا چاہیئے اور یاد ہوگا اور میں نے صرف سنا ہے کہ تیری ماں فاطمہ بنت سعید میری دادی فاطمہ بنت محمدؐ کے قدموں میں گھنٹوں سر رکھ کر روتی تھیں یقین کر اگر تیری ماں فاطمہ زندہ ہوتی تو اپنی چھاتیوں کو جنکا دودھ پیکر تو جوان ہوا کاٹ کر پھینکدیتی تو ہم بیگناہوں کے قتل پہ کمر بستہ ہے تو نے ہمارے آدمی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیئے مگر تیرا دل اب بھی ٹھنڈا نہ ہوا۔ عمرو سعد نمرود جیسے جفا کار نے بھی اپنے ظلم کی آگ صرف دادا ابراہیم تک محدود کی تھی تو نے ہمارے بچوں اور پردہ نشین عورتوں کو پانی تک کیواسطے پھڑکا دیا۔ میں تجھ کو سمجھاتا ہوں کہ شیطان کے پھندے سے اب بھی نکلجا عمرو سعد یہ جلوے فانی ہیں اور امیدیں جھوٹی ہیں سنبھل اب بھی سنبھل اور جو کچھ کیا اس پر توبہ کر۔

ابن حسن کی اس تقریر کا جواب ایک تیر تھا۔ جو عمرو سعد نے پھینکا اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ حسن کا لال تلوار کھینچکر دشمن پر گرا اور شجاعت کے جوہر دکھا کر شہید ہوا۔

شہادت حضرت علی اکبر

قاسم کی شہادت پہ عمرو سعد نے قہقہہ لگا کر امام حسین کو آواز دی کہ بہن کے بچے دفن ہو چکے اب بھائی کا بچہ دم توڑ رہا ہے"۔ امام حسین آگے بڑھے، بھتیجے کی لاش بھائی کے برابر دفن کرنے کے بعد خیمہ میں پہونچے تو قیامت مچی ہوئی تھی اور علی اکبر میدان کیواسطے ہتھیار لگا چکے تھے سب سے پہلے شہربانو نے امام کی صورت دیکھ کر اپنے آنسو پونچھے اور کہا۔"

میرے بچے نے روتے روتے آنکھیں سجھالیں ان کے دل میں رہ رہ کر ہوک سی اٹھتی ہے کہ برابر کے بھائی اور چھوٹے چھوٹے بچے بازی لیگئے اور یہ اب تک چوڑیاں پہنے گھر میں بیٹھا ہے"

امام حسین نے شہربانو کی درخواست سن کر ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا "اکبر کو اجازت دینے کا

اختیار مجھ کو نہیں ہے مجھ سے زیادہ حق زینب کا ہے جس نے ننھی سی جان کو پال پوس کر جوان کیا
شہربانو اپنے اوپر اور میرے اوپر اور زینب پر رحم کرو۔ وہ کلیجہ کے دو ٹکڑے ابھی ابھی خون میں نہلا چکی ہے
اگر اکبر زندہ رہے تو اس کے زخم پر مرہم ہوگا۔ ورنہ میں نہ ہونگا لیکن تم دیکھوگی اور دیکھنا پڑیگا کہ بنت
علی میدان کربلا میں بھتیجے کی لاش سے چمٹ چمٹ کر مرجائیگی۔ اس نے اپنی راتوں کی نیند اور
دنوں کا آرام اس کی معصومیت پر نثار کئے ہیں، اب اس جوان شیر کو موت کے منہ میں ڈالنا
ناشاد زینب پر ایسا ظلم ہوگا جس کے خیال سے اولاد والے تڑپ اٹھیں گے"

ابھی یہ تقریر ختم نہ ہوئی تھی کہ بی بی زینب ہاتھ میں ایک پوٹلی سی لیکر آئیں اور بھائی
سے کہا میاں بیوی نے اکبر کو میدان کی اجازت دی۔ بھائی اچھا کیا مجھ بدبخت کی خدمت کا
کچھ خیال کیا ہوتا مگر میں کون تھی جو تیار ہونے سے پہلے مجھ سے اجازت لیتے میں تو فقط پالنے والی
تھی، مگر خدا گواہ ہے کہ دم بھر کو بھی آنکھ سے اوجھل ہوجاتا ہے تو دیوانی ہوجاتی ہوں اور دل میں ہزاروں
طرح کے وہم پیدا ہوتے ہیں۔ بھیا تم نے بدنصیب بہن کی خدمت کی میدان کربلا میں اچھی قدر کی مجھے
خبر نہ تھی کہ جس اکبر پر جان نثار کر رہی ہوں۔ یہ زینب کا نہیں حسین کا بچہ ہے اور اسکی مختار میں نہیں شہر
بانو ہیں لو بیگم یہ مجھ سے اپنے بچے کے کپڑے سنبھال لو۔ اس میں اُس وقت کے کپڑے اور جھلوکے بھی ہیں جب یہ
نادان میری گود میں تھے اور بات بھی کرنی نہ آتی تھی۔ شہربانو اس پوٹلی میں اکبر کے بچپن کے جھنجھنے
بندھے ہوئے ہیں جو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتی ہوں اور جب اسکے بچپن کا خیال آتا ہے تو ان کو دیکھ کر وہ
وقت یاد کرلیتی ہوں جب گھٹنوں چلتا تھا میں نے اس کے قدم قدم پر جان لڑا کر اس دن کو جوان
نہ کیا تھا کہ تم دونوں ماں اور باپ رن کی اجازت دو اور ناشاد زینب سے جو ماں
اور پھوپی نہیں کہلاتی ہے۔ دریافت بھی نہ کرو۔ بھائی کربلا کے میدان نے مجھے بتادیا کہ اپنے اور
دوسرے کے پیٹ میں کیا فرق ہوتا ہے۔ پالنے والی میں تھی اور میدان میں بھیجنے والی تم
تھیں اچھا میاں جاؤ خدا حافظ و ناصر" یہ کہہ کر بی بی زینب نے ایک تعویز سا گلے سے اتار
کر دیا اور کہا۔ لو بیوی یہ اپنے بچے کے بتیس دودھ کے دانت تھے لو ان موتیوں کو

چن چن کر روز آنکھوں سے لگاتی تھی جبے اللہ رکھے۔ سیانا ہوا پیار کرتے شرم آتی تھی کئی دفعہ ارادہ کرتی تھی جب ایک آدھ دفعہ وہ بھی سوتے میں یہ منھ چوم لیتی تھی۔ ہاں دانتوں کو آنکھوں سے لگا لیتی تھی۔ لو بچہ بھی تمہارا اور دانت بھی تمہارے۔

اب بی بی زینبؑ نے علی اکبرؑ کی طرف دیکھا اور کہا "اکبر ماں باپ گلے لگا کر رخصت کریں گے۔ اور زینب بلائیں لے کر اس کے بعد بنت علی کی آواز نہ نکل سکی بلائیں لینے کو ہاتھ آگے بڑھا رہی تھیں کہ ایک چیخ ماری یہ کہہ کر گریں اور بے ہوش ہو گئیں۔

حسینؑ کس دل سے میرے لال کو میدان کی اجازت دی۔ ارے ابھی تو بدبخت پھوپھی زندہ ہے۔

بی بی زینبؑ کو ہوش میں لانے کی ہر چند کوشش کی۔ مگر جب ہوش نہ آیا تو شہر بانو نے علی اکبرؑ سے کہا کہ پانی اور ٹھنڈی ہوا میسر نہیں پھوپھی کے منھ پر منھ رکھ دو تمہاری خوشبو سے ہوشیار ہو جائینگی علی اکبرؑ نے بہت ضبط سے کام لیا۔ مگر پھوپھی کے پاس پہنچتے ہی دل بھر گیا اور رو کر کہا۔ اکبر کا منھ اس قابل نہیں ہے کہ پھوپی اماں کے منھ پر رکھ دوں یہ کہا اور گلے میں ہاتھ ڈال کر سینہ پر سر رکھ دیا بی بی زینبؑ نے آنکھ کھولی۔ پھر کو خاموشی سے بوسہ دے کر کہا۔

جاؤ بیٹا۔ میدان میں جاؤ۔ مگر حسینؑ کو آج ناموس محمدؐ کے معنی معلوم ہو جائیں گے ماں نے ہتھیار سجائے، باپ نے اجازت دی، پھوپی گود میں لے کر جائے گی اور عمر و سعد سے کہے گی کہ وہ تلوار جو اکبر کو شہید کرتی ہو وہ پہلے زینب کا خاتمہ کر دے۔

علی اکبرؑ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی پھوپی کی زبان سے سنتے ہی وہ لپٹ گئے زبان سے کچھ نہ کہا مگر ہچکی بندھی ہوئی تھی اور ہاتھ جوڑے ہوئے بچے کے پلٹتے ہی مامتا کی آگ بھڑک اٹھی امام اور شہر بانو دونوں زار و قطار روئے جب بی بی زینبؓ نے اکبرؑ کو اپنی گود میں چھپایا اور کہا عونؑ و محمدؑ کی موت آنکھوں کی ٹھنڈک تھی۔ اس وقت خوش تھی اور اس وقت بھی خوش ہوں کہ قیامت کے روز عزت سے اٹھوں گی

خوشی سے بڑھوں گی اور عاجزی سے لپٹ لپٹ کر اور باوا سے کہوں گی کہ حسینؑ کی مصیبت پر عمر بھر کی کمائی یہ وہی دونوں لال تھے جو نثار کر دیئے گئے ۔ مگر میں کیا کروں تیری جان جاں سے دور تیرا بال بھی بیکا ہوا تو قیامت بپا کر دوں ۔

اس وقت امام حسینؑ نے آگے بڑھ کر بی بی زینبؑ کے سر پہ ہاتھ رکھا اور فرمایا " دنیا میں ماں ہو تو تم اور بہن ہو تو تم ، تم نے ماں کے بعد وہ کیا جو کوئی بہن نہ کرے گی ، مگر اس آخری لمحہ میں تمہاری گفتگو نے بدن کے رونگٹے کھڑے کر دیئے ۔ جس روز سے اکبر کو تمہاری گود میں دیا اس روز سے بھی اس کے معاملے میں بھائی بھاوج نے دخل نہ دیا یہ بھی تمہارا ہم بھی تمہارے .... ہم نے اجازت نہیں دی تمہارے صاحبزادے اتنی دیر سے آگے پیچھے پھر رہے ہیں ۔ جب انھوں نے قدموں میں سر رکھا تو میں نے کہہ دیا مجھ پر نہیں بدنصیب پھوپی پر رحم کرو دونوں آنکھوں کے تارے گنوا چکی ۔ اب تم کو دیکھ کر زندہ رہے گی ۔ ورنہ تمہاری شہادت ، زینب کی موت ہے ۔ جب یہ نہ مانے تو میں نے صاف کہہ دیا کہ تمہاری اجازت کا مجھ سے واسطہ نہیں ۔ تم جانو اور پھوپی جانیں زینبؑ خدا شاہد ہے میں نے تیرے اکبرؑ کو اجازت نہیں دی یہاں جانی حسینؑ سے بدگمان نہ ہو ۔

زبانیں اب بند ہو گئیں اور علی اکبرؑ نے پھوپی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا ۔ چند لمحہ یہ حالت طاری رہی ۔ خدا معلوم اکبرؑ کی نگاہ میں کیا تھا کہ ممتا کا دریا ابل پڑا ، زینبؑ نے پیشانی کو بوسہ دے کر کہا " اچھا جاؤ ۔ اتنا سنتے ہی کہ بلا کا پردیسی مہمان پھوپی کے قدموں میں گرا ہوا تھا ۔ جب بی بی زینبؑ نے سر اٹھایا کہا ۔ بسم اللہ کرو ، اور اکبرؑ نے جھک کر قدموں کو بوسہ دیا تو بی بی زینبؑ سے پھر ضبط نہ ہو سکا اور کہا ۔ اکبرؑ ابھی تو چند گھنٹے بھی نہ گزرے کہ بھری گود دیکھتے ہی دیکھتے خالی ہو چکی اب کیا دکھاؤ گے ۔"

یہ کہکر بی بی زینبؓ نے بھاوج کو گلے سے لگایا اور کہا "بس ان کی آرزو پوری ہوتے
دو کہ سادات کا نام پردۂ دنیا سے مٹ جائے۔ اس کے بعد اکبرؓ کا ہاتھ پکڑا اور
کہا "جن ہاتھوں سے عون و محمدؓ کو خیمہ سے نکال کر خون سے نہلانے کو بھیجا تھا۔ ان
ہی ہاتھوں سے اکبرؓ کو نکالتی ہوں، مگر ان دونوں کو بھیجکر خاموش لیٹ گئی تھی تم کو
بھیجکر درِ خیمہ پر کھڑی قدرت کا تماشہ دیکھوں گی۔
علی اکبرؓ روانہ ہوئے عمر و سعد آگے بڑھا اور ہنس کر کہا۔ اکبرؓ مجھے تیری جوانی پہ
رحم آتا ہے۔ ابھی ابھی حسن کی یادگار کو خاک میں ملا چکا ہوں اب تم کیوں زندگی سے
بیزار ہو پانی تم کو میسر نہیں غذا تم کو نصیب نہیں آؤ میری فوج میں آؤ۔ جہاں ہر
راحت میسر ہے۔ آؤ ان نعمتوں کا لطف اٹھاؤ الحمد للہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ میدانِ
جنگ میں جو تدابیر میں نے اختیار کی اور تمہارے بچوں پہ پانی بند کر دیا وہ بارگاہ ایزدی
میں مقبول ہوئیں یہ دیکھو ابھی عبید ابن زیاد کا پروانہ خوشنودی آیا ہے کہ تم سب کا قلع
قمع کرتے ہی عراق عرب کی تمام حکومت پر قابض ہو جاؤ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ
تم جیسا سمجھدار آدمی ایک ایسے شخص کی حمایت میں جو خلیفہ وقت کا باغی ہو جس پر خدا
کی طرف سے ہر نعمت حرام ہو چکی کیا لیگا۔ دیکھو میری سخاوت پہ نظر ڈالو۔ اور میرے کرم کے
گیت گاؤ کہ باوجود اس شخص کی اولاد ہونے کے باوجود بادشاہِ وقت سے پھرا ہوا ہے
محض اپنے اختیار سے معاف کرتا ہوں کہ عفو قصور کے طلبگار ہو گے۔ تو تم کو رہا کر دوں گا۔
ممکن ہے کہ عمر و سعد کچھ اور کہتا مگر علی اکبرؓ کو تاب نہ رہی اور انہوں نے کہا پروانہ خوشنودی
کے نشہ میں اپنا راگ جھوم جھوم کر الاپنا تیری بکواس ایک مخبوط الحواس انسان سے زیادہ
وقعت نہیں رکھتی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے ہم تیرے رحم و کرم کے محتاج نہیں تو سمجھتا تھا کہ وہ سر جو تلوار
کے آگے بھی خدا کے سوا دوسرے کے سامنے نہ جھکے۔ اور وہ تلوار جس نے عرب و عجم میں اپنا ڈنکا
بجا دیا۔ پانی کے دو گھونٹوں پر جھک جائے گی۔ اور وہ فاقوں کی تکلیف ان زبانوں پر جو کلمہ توحید

میں مستغرق ہیں یزید کا نام لینگی لاحول ولا قوۃ عمر وسعد برداشت ہمارا شیوہ موروثی ہے تو لیے
سب کچھ سمجھا لیکن نہ سمجھا کہ فقر وفاقہ ہمارا خاندانی جوہر ہے اور خاندان رسالت کا بچہ بچہ اس
بساط کا بادشاہ ہے عمر وسعد ہم نے تجھ کو نہیں تاریخ کو ایسا تماشا دکھا دیا جو ہمارے ساتھ ہی ختم ہوتا
ہے اور امید نہیں کہ اب نانا جان کی امت دنیا کو یہ جوہر دوبارہ دکھائے ہری بھری کونپلیں نیزے
نیزوں تلے تاراج ہو جائیں لیکن زبان پر اف تو درکنار آنکھ میں میل بھی نہ آیا عمر وسعد اگر تو عونؑ و محمدؑ کے جسم
کو دیکھتا کہ فضائے آسمانی میں قدرت کی بہترین مخلوق ان معصوم روحوں کے استقبال کو ہاتھ بڑھا رہی تھی۔ تو نے
اپنے فاتحانہ قہقہوں کی آوازوں میں وہ آسمانی صدائیں نہ سنیں جو مرحبا کے نعروں میں فرشتوں کی زبان سے
ادا ہو رہی تھیں تو دنیا کو دیکھ چکا اور اس کا عہد کے پرتے کو بڑھ بڑھ کر باغ باغ ہے۔ اب ذرا دین کو بھی
دیکھ اور کلام الٰہی پر غور کر۔ عراق کی حکومت کا مقابلہ قہر الٰہی سے کر۔ ہمارا صبر کیسا تھا اپنے مظالم کو تول اور
زمین پر ہشاش بشاش پھرنیوالے ذرا آسمان کی طرف نظر اٹھا اگر کرشمہ ارضی تیرے واسطے کافی نہیں تو کائنات
فلکی تیرے سامنے فنا اور بقا کے مسئلہ کو حل کر رہی ہے۔ آفتاب کی شدت تھوڑی دیر کے بعد ختم ہوگی
اور بساط فلک کی آغوش میں چاند گلکاریاں مار یگا ہم اس وقت نہ ہوں گے مگر تو اپنی فتح و نصرت کے نغموں
میں کان لگا کر سنیو، زمین کے ذرے ذرے سے فنا کی صدائیں بلند ہوں گی جس وقت چادر مہتاب دم توڑیگی
اس وقت کا سماں تجھ کو بتا دیگا کہ عراق کی حکومت کب تک باقی رہے گی۔

حصول منصب کی کوشش انسان کا جائز حق ہے مگر تو بدبخت تھا کہ اس سعی میں ایسی بے ایمانی کی جس پر آنے والی
دنیا مدۃ العمر روئے گی۔ ہمارا صبر اور تیرا ستم حسینؑ کا تحمل اور یزید کا ظلم اہل بیت کا استقلال اور ابن زیاد کی خونریزی
دنیائے اسلام کی مستقل یادگار ہوگی تو مجھکو ان چیزوں پر مائل کر رہا ہے۔ جن پر ہم لات مار چکے عمر وسعد قسم ہے خدائے
رب العزت کی بھوک اور پیاس دور ہو چکی۔ تیری ناپاک زبان سے میں نے اپنے باپ کے متعلق جو کچھ سنا ہے اس کا بہترین
فیصلہ یہ ہے کہ تو میدان جنگ میں میرے سامنے آجا میں تجھ کو حق و باطل کا مزہ چکھا دوں اور تیری زبان درازی کی پوری سزا دوں
تو مجھکو موت سے ڈراتا ہے ارے بدبخت یہ علیؑ زندگی ہے۔ اگر تو فرات کو میرے قدموں میں بہا دے
جب بھی میرا رونگٹا تجھ پر اور تیرے دریا پر لعنت برسائے عمر وسعد ایک پیاس کیا یہ جسد

خاکی جس وقت خون میں نہائے گا اس وقت بھی لہو کے قطرے سے حسینؓ کی صدا بلند ہوگی، ناہنجار زبان روک اور ہمت ہے تو سامنے آئیں تجھ کو بتا دوں کہ حسین و یزید میں کیا فرق ہے۔
اب تیغ حیدری چمکی اور متواتر پانچ آدمی ایک کر کے فنا ہوئے تو شمر نے عمرو سعد سے کہا فتح ہو یا شکست مگر حق یہ ہے کہ کسی میں ہمت نہیں کہ علیؓ کے پوتے کا مقابلہ کر سکے" اتنے عرصے میں دو مقتی اور ختم ہو چکے تھے علی اکبرؓ کی تلوار نے یزیدیوں کو جیتے جی آگ کے معنی بتا دیئے جس طرف رُخ ہوتا سٹھ لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں حتیٰ کہ عوف بن سلیمان مقابلہ کو نکلا اور کہا میں اس شخص کا بیٹا ہوں جس کو تیرے دادا نے قتل کیا۔ عمر اس آرزو میں ختم ہوئی کہ علیؓ کے بعد حسنؓ حسینؓ سے اس خون کا بدلہ لوں۔ آج خدا خدا کر کے یہ موقع میسر آیا ہے کہ میری آنکھ تجھ کو خون میں تر بتر دیکھیں۔ اور یہ ہاتھ جن کی طاقت کا جواب دنیا میں نہیں تیری گردن مروڑ دیں۔ ہتھیار پر فخر ہے تو اُدھر کر اور کشتی پر ناز ہے تو نیچے اُتر آ۔ ابن حسینؓ جواب دینا چاہتے تھے کہ مکر کے پتلے نے تلوار کا وار اس زور سے کیا کہ بایاں کندھا زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ عمرو سعد کے لشکر سے یہ آواز بلند ہوئی کہ علی اکبرؓ آج عوف علی کی لڑائی کا فیصلہ ہوا عوف نے علی کو زخمی کیا۔ اب حسین کو بلاؤ کہ آج بیٹے کی مدد کریں۔ علی اکبرؓ نے عمرو سعد سے کہا ناہنجار زبان روک اور ایسے الفاظ منہ سے نہ نکال یہ کہہ کر سیدھے ہاتھ سے عوف کے سینے پر برچھا مارا۔ ہر چند عوف نے سپر پر روکا اور بچنے کی کوشش کی۔ مگر چشم زدن میں برچھا آر پار تھا۔ اس کے بعد زخمی ہاتھ سے ابن حسینؓ نے ایسی تلوار ماری کہ عوف کا سر زمین پر تھا جس کو بچھی پر اٹھا کر علی اکبرؓ نے کہا۔
عمرو سعد! اب بتا فیصلہ کس کے حق میں ہوا۔ جو تماشہ شیر خدا نے دکھایا تھا اس کا ایک کرشمہ تو نے غلام علیؓ کے ہاتھ سے دیکھ لیا۔ یاد رکھ کہ پرے کے پرے ختم کر دوں گا۔ تو پانی کو کہتا ہے۔ اے ستم شعار ہماری پیاسیں ختم ہو گئیں ورنہ یہ زخمی ہاتھ تیری جمعیت کے مقابلہ میں فرات سے پانی لاتے تو ہماری طاقت دیکھ چکا مگر میرا دل خوش ہوتا جب تو سامنے آتا اب اگر کوئی اور جری ہے تو بھیج دے۔

عمر و سعد نے سب کی طرف دیکھا۔ مگر خوف کا حشر دیکھ کر سب کے دل ٹھنڈے ہو گئے تھے ایک بھی آگے نہ بڑھا۔ عمر و سعد نے اوپری دل سے کہا "بس تو میں خود ہی جاتا ہوں" مگر جب اس کا جواب فوج نے کچھ نہ دیا تو اس نے کہا سب مل کر حملہ کرو۔ چنانچہ ایک پورے دستے نے علی اکبرؓ کو گھیر لیا۔ اس پر بھی ابن حسینؓ کی تلوار جدھر جاتی تھی آگ اور خون کے دریا بہا دیتی تھی عمر و سعد نے یہ رنگ دیکھ کر چار دستے منتخب کئے۔ اور کہا تمہارے واسطے اس سے زیادہ کیا شرم کی بات ہو گی کہ ایک شخص نے ان تینوں کو قتل کر دیا اور تم ہزاروں اس کو مار نہیں سکتے۔ اب ایک حملہ حسین کے چاند پر ہوا اور چاروں طرف سے تلواریں پڑنے لگیں یہاں تک کہ عمر و سعد نے آواز بلند کہا حسینؓ تو علی اکبرؓ کی لاش مبارک ہو۔

امام حسینؓ علی اکبر کی لاش خیمہ میں لائے تو پیشانی سے جیتا جیتا خون نکل رہا تھا بی بی زینبؓ دروازہ میں کھڑی تھیں۔ چہرہ پر خون کی نالیاں بہتی دیکھ کر کہا۔ بھائی لاؤ میرے دولہا کو گود میں وہ جوان ہو گئے تو پیار کرتے شرم آتی تھی۔ اس وقت جی بھر کر لپٹوں گی عمر و سعد سے کہہ دیجئے کہ قیامت کے روز اسی طرح علی اکبر کو ساتھ لیکر نانا جان کو دکھاؤں گی یزید اور ابن زیاد کے حکم سے عمر و سعد نے میرے بچے کے خون کا سہرا باندھا ہے۔ یہ لہو کی دھاریں اکبرؓ میاں کے سہرے کی لڑیاں ہیں مجھے یہ خبر نہ تھی کہ اس چاند کو میدان کربلا کے لئے جوان کر رہی ہوں۔ خدا کے لئے عمر و سعد سے پوچھو کہ کس دل سے اس پھول سے حلق پر تلوار چلائی ارے سنگدل عرب کے قصائی بھیڑیوں کو بھی پانی پلا کر ذبح کرتے ہیں۔ تو علی کے پوتے کو بھیڑ بکری کی برابر بھی نہ سمجھا۔ اب بی بی زینبؓ کی حالت ردی ہو گئی۔ بچہ کا خون ہاتھ میں لے کر اپنے منہ پر ملا اور بھائی سے کہا بسم اللہ کیجئے اور لیجائیے۔ بس اب زندگی کے ارمان پورے ہوئے اکبر کے بیاہ کا سہرا بھی دیکھ لیا۔ اب کیا باقی رہا۔ امام حسینؓ نے بہن کے سر پر ہاتھ رکھا اور گلے سے لگایا اور فرمایا۔ زینب صبر کا وقت ہے صبر و شکر کے سوا دوسرا لفظ زبان پر نہ آئے عمر و سعد نے مجھ سے کہا تھا۔ علی اکبرؓ نے میدان جنگ میں یہ الفاظ کہے تھے کہ رو نگتا رو نگتا حسینؓ پکارے گا۔ علی اکبرؓ سچا تھا آخر وقت جب تلوار گردن پر پڑی تو باپ باپ پکارتے

زمین پر گرا۔ آنکھیں تمہارے انتظار میں کھلی ہوئی ہیں۔ میں نے ان کے سامنے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر صرف اتنا کہا کہ توفیق صبر عطا فرما۔ اس وقت تک کبریٰ کی کھلی ہوئی آنکھوں کو پیار نہیں کیا ——
اب تمہارے سامنے پیار کرتا ہوں کہ آخری لمحہ بھی باپ کی یاد دل سے نہ گئی۔ زینبؑ بیں نے پہلی آواز نہ سنی ورنہ پہنچ جاتا۔ اور زمین پر نہ گرنے دیتا۔ شہر بانو کی حالت ناقابل بیان تھی بی بی زینب کو چکر آ گئے اور وہ یہ کہہ کر لاش پر گریں۔ پھوپی ان کھلی ہوئی آنکھوں پہ قربان گئی۔

آفتاب نصف النہار پر تھا۔ جب دس وقت کے بھوکے اور تین دن کے پیاسے حسینؑ ابن علیؑ نے جوان شبیہ کی لاش کے چہرہ پر منہ رکھ کر یہ کہا اور دفن کر دیا کہ علی اکبرؑ بیٹا پھوپی کے پیلر وا سے لال تمہارے باپ پر نثار ہو کر تمہارے پہلو میں سو رہے ہیں حسینؑ کے ساتھی ایک ایک کر کے رخصت ہوئے وہ بھی اس دنیا میں تھوڑی دیر کا مہمان ہے۔ خدا معلوم اسکو قبر کہاں نصیب ہو۔ اور ہو یا نہ ہو میدان کربلا کے شہید تمہارے سپرد ہیں طبل جنگ بج رہا ہے اور مرد کی صورت خیمہ میں اللہ ہی اللہ ہے میدان کی اجازت تم کو میں نے دی اب تم مجھکو دو۔

بی بی شہر بانو کی درخواست

امام حسینؑ علی اکبرؑ کو دفن کر کے خیمہ میں واپس آئے تو شہر بانو نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ حاضری کے وقت سے اس وقت تک کوئی درخواست زبان پر نہ لائی مگر آج مامتا کلیجہ کے ٹکڑے اڑا رہی ہے کہ اصغر پیاس کے مارے تڑپ تڑپ کے بے دم ہو گیا۔ ایمان میرے کانوں میں کہہ رہا ہے کہ اصغر میری گود خالی کرنے آیا تھا۔ اور میرا پھول میرے ہاتھوں میں چند لمحہ کا مہمان ہے مجھے خبر نہ تھی کہ کربلا کی خاک میرے معصوم کو اپنے پہلو میں بلا رہی ہے میری التجا قبول کیجئے اور میرا بچہ دشمنوں کو دکھائیے کہ اس کے حلق میں آج دو روز سے دودھ کا ایک قطرہ نہیں پہنچا عمر و شمر سے فرمائیے کہ جھگڑا ہم سے ہے تو ہمارے ساتھ جو چاہے سلوک کرے۔ مگر میرا معصوم اصغر بے گناہ ہے اسکو چند قطرے پانی کے پلا دے کہ اس کی جان پر آبنی، امام عالیمقام یہ تمام عمر میں پہلی درخواست ہے اور اس کی مقبولیت کا انحصار آپ کے کرم پر ہے۔

امام حسینؑ کی خاموش آنکھیں بچہ کی بے گناہی سے روئیں اور فرمایا "مجھے امید نہیں کہ دشمن تیرے لال پر رحم کریں شہربانو جن لوگوں سے توقع رکھتی ہو انھوں نے سیدہ کے لال کے ساتھ کیا کیا جو تیرے لال پر رحم کریں گے مگر تم کہتی ہو اس لئے جاتا ہوں۔

کربلا کا ننھا شہید

کس قدر قیامت خیز تھی وہ ساعت جب فاطمہؑ کے لخت جگر نے ہاتھ بڑھائے اور شہربانو نے اپنے کلیجے کا ٹکڑا جس کا منکا ڈھل چکا تھا جس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں جس کے ہاتھ پاؤں صرف سانسوں کی گود میں تھے یہ کہہ کر شوہر کو دیا "ابن علیؑ اپنا معصوم خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ ہوا گرم لو کے تھپیڑے میرے بچے کو جھلسا نہ دیں۔ بچا اڑھا لیجئے اور کلیجے سے لگا لیجئے ڈرتی ہوں کہ کہیں پانی سے پہلے ہی میرا چاند گہنا نہ جائے ہوا کے گرم جھونکے اس پھول کو کملا نہ دیں۔ ابن رسول اللہ عا کیجئے کہ عمر و سعد کا پتھر دل پگھل جائے اور وہ میرے میاں کو چند قطرے پانی کے دیدے آپ بسم اللہ کیجئے ایک عمر و سعد نہیں تو وہ بھی۔ اس کے لشکر میں بہت سے صاحب اولاد ہونگے جن کی گودیں بھری پڑی ہونگی جو بچوں کے باپ ہوں گے میرا بچہ ان کو اپنے بچے یاد دلائے گا ان کے دل تڑپ اٹھیں گے اور وہ رو کر میرے اصغرؑ کو پانی پلائیں گے جلدی کیجئے میں نے غلطی کی کہ اسقدر دیر میں خیال آیا۔ ہاں ابن رسول اللہ میں بھول گئی عمر و سعد بھی تو بچوں والا ہے اسکو عدالت آپ سے ہے میرے اصغرؑ نے اسکا کیا بگاڑا اس سے کہئے میرا بچہ بیعت نہیں سمجھتا۔ پیاس نے اس کا ننھا سا کلیجہ بھون دیا۔ اس کو دکھا دیجئے کہ دو دن میں اسکا چہرہ اتر گیا زبان خشک ہو گئی ہونٹوں پر پھپھڑیاں بندھ گئیں۔ اس سے کہئے کہ اس کے دادا علیؑ اور اس کی دادی فاطمہؑ کی مقدس روحیں پوتے کی پیاس پر بلبلا رہی ہیں۔ پانی ہم کو نہ دے ہمارے خیمہ میں نہ آنے دے۔ اپنے ہاتھ سے زیادہ نہیں۔

ایک گھونٹ چند قطرے اس کے حلق میں ٹپکا دے۔ اس کی کیفیت سنا میری امانت عمر و سعد تک پہنچا دیجئے اور میرا بچہ یہ کہہ کر اس کی گود میں دیدیجئے کہ شہربانو کی امانت تجھ کو دینا چاہوں تو مسلمان ہے اور یہ امانت اس باپ کا بچہ ہے جس کے نانا پر

تیرے باپ دادا ایمان لائے اور جس کا تو کلمہ پڑھ رہا ہے۔

دنیا اس واقعہ پر، آسمان اس منظر پر، اور زمین اس کیفیت پر جب بھی اور اب بھی روئی اور روئے گی۔ امام حسین نے بچہ کو لیکر چلنے کا قصد کیا تو دوسرا قدم ایک سر پر پڑا جو رد میں لپٹا ہوا امام کے پاؤں پر رکھا تھا سر اٹھایا تو دیکھا کہ جان جانی بہن زینب بنت علی پاؤں پر پڑی ہے۔ بیتاب ہو کر فرمایا:

زینب! مجھے اس کا علم نہ تھا کہ میری وجہ سے تجھے اور تیرے پیاروں پر مصیبت آئیگی او تیری ماں حسین کو اس لئے پال رہی ہے کہ اس کی وجہ سے زینب اور اس کو یہ وقت دیکھنا پڑے گا۔ قیامت کے روز تیری ماں اور باپ دونوں میری بے گناہی کی گواہی دیں گے۔

جب خیال آتا ہے کہ تیرے بچے تین دن تک پانی کے ایک ایک قطرے کو ترستے ہوئے رخصت ہوئے تو کلیجہ کٹ جاتا ہے۔ ان کے پھول سے چہرے کمہلا گئے۔ اور چاند سی صورتیں سنولا گئیں مگر کیا کرتا مجبور و لاچار تھا۔"

بی بی زینبؑ کی چیخ سے خیمہ گونج اٹھا۔ وہ پھر قدموں پر گریں اور کہا " قربان جاؤں اس صورت کے جو ماں اور باپ دونوں کی صورتیں یاد دلا رہی ہیں۔ بھیا! کیا کہہ رہے ہو؟ زینب کا دل خود ہی زخمی ہے اس کے زخم پر نمک نہ چھڑکو عون و محمدؑ اصغر یہ قربان کئے زینب اور اس کا تمام گھر اس صورت پر نثار۔ خوش نصیب ہوں کہ زندگی کی آخری گھڑیاں ان قدموں میں گزریں اور موقعہ ملا کہ ماں کے دودھ کا اثر عمر و سعد کو دکھا دوں اور جفا کار دنیا کو بتا دوں کہ خاندانِ رسالت کی عورتیں کس بے جگری سے میدان میں آتی ہیں اور ماں باپ کی امانت پر اپنے بچے قربان کرتی ہیں حسین کربلا کے میدان میں زینب سے زیادہ خوش نصیب کوئی بہن جسکو ماں سے سرخرو ہونے کا موقعہ ملا۔ بھیا! میں کچھ اور عرض کرتی ہوں شہربانو ناتجربہ کار ہے اور اس کو عرب کا حال معلوم نہیں بنو امیہ اور بنو فاطمہ کے تعلقات کی اسکو کیا خبر سیدھی سادھی بیگم ان بچھڑے بچیوں کا حال کیا جانے۔ یہ کیا سمجھے کہ عمر و سعد آل رسول کے

بچہ بچہ کا دشمن اور خون کا پیاسا ہے بھیا میرا دل دھڑک رہا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں سنسنیاں آ رہی ہیں۔ للّٰہ حسین میرے بچہ کو دشمنوں میں نہ لیجاؤ بلائیں لوں اس چاند سے ٹکڑے کی مجھے ڈر ہے کہیں ظالم اس کو نقصان نہ پہونچائیں۔ دل کو اتنی دیر سے سنبھال رہی ہوں اور کہتی ہوں لاکھ سنگدل ہوں مگر اولاد والے ہیں معصوم پر ہاتھ نہ اٹھے گا۔ لیکن دل نہیں مانتا اور یہی ڈر لگتا ہے کہ اس کی جان سے ڈوبے ایمان کوئی گل نہ کھلائیں۔ میری پیاری بھاوج خدا تیری مامتا ٹھنڈی رکھے اور اصغر کی ہزاری عمر ہو مگر ہائے کیا کروں دل نہیں مانتا"

اتنا کہہ کر بی بی زینب بچہ کے چاروں طرف پھریں اور کہا "جانتی ہوں موت سر پر آگئی مگر اس کی آئی مجھ کو آئے ہائے میں زندہ رہوں اور اصغر ظالموں کے پھندے میں پھنسے میرے بچے موجود ہوں اور شہربانو کی گود خالی ہو، بی بی تمہاری ضد ہے بھیجدو، بھیا میرا بچہ میری گود میں دو۔ اس کے ننھے ننھے ہاتھ پاؤں سر آنکھوں سے لگائے اور رو کر کہا "اچھا جائیے

دنیا کے پردے پر اور حیات انسانی کی تاریخ میں اس سے پہلے یا نہیں اس کے بعد بھی وہ قیامت خیز گھڑی نہ آئی کہ وہ شخص یا گروہ جو کھانے اور پانی سے پوری طرح سیراب ہو رہا ہے۔ اس شخص کے خلاف جس کے نانا کا کلمہ پڑھ رہا ہو اتنا کٹر اور ایسا بنجر ہو جائے کہ عورتوں اور بچوں پر ظلم توڑے اور تیوری پر بل نہ آئے بچہ کو گود میں دیکھ کر عمر وسعد نے قہقہہ لگایا اور لوگوں سے کہا "حسین کوئی مشکیزہ لا رہے ہیں پانی بھر دو مگر مزا جب ہے کہ پانی کے ساتھ ہی مشک اور حسین دونوں چھلنی ہو جائیں اور حسین پانی کو ترستا ہوا دنیا سے اٹھے دیکھو پورا انتظام کرو، ایک قطرہ پانی کا حلق میں نہ پہونچے"۔

جس وقت ہوا آگ کے شعلوں میں نہا رہی تھی، جب کربلا کا میدان زمین و آسمان سے انگارا گل رہا تھا۔ اس وقت صبر و رضا کا ایک مجسم نمونہ عمر وسعد کے سامنے اس گھوڑے پر سوار کھڑا تھا جس کی زبان پیاس کے مارے باہر نکل آئی تھی اور حسرت و یاس سے مڑ مڑ کر اپنے سوار کے قدموں میں آنکھیں مل رہا تھا۔ رسول عربی کا کلمہ پڑھنے والے مسلمان آئیں۔

قدرت کا تماشہ دیکھیں، روئیں اور چلائیں چیخیں اور پیٹیں اس گھوڑے کا سوار وہ ہوا ہے
جو اُن کے مولا و آقا کے کندھوں پر سوار ہو، یہ دھوپ میں جلنے اور جھلسنے والا
انسان بنت رسول کا دودھ پی کر اور علی ابن ابی طالب کے ہاتھوں میں کھیل کر
جوان ہوا ہے۔ یہ زبان جو آج خشک ہے اور جس میں کانٹے پڑ چکے ہیں اس کو
خاتم النبیین نے بوسے دیئے ہیں۔ انسانیت رو رہی ہے، عقیدت سر پیٹ
رہی ہے اور مروت منہ پیٹتی ہے جب دیکھتی ہے کہ حسین ابن علی نے بچہ
کا دامن اٹھایا اور معصوم اصغر کا پسینہ پونچھ کر فرمایا۔

"حاشا و کلا عمر و سعد تین روز کیا اگر تین مہینے اسی طرح گذر جاتے پانی اور دانہ اُڑ کر
منہ میں نہ جاتا۔ آگ اس جسم کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی اور گرمی کے شرارے جسد خاکی
کو پھونک دیتے مگر تیری طرف رخ نہ کرتا اور تجھ سے بات نہ کرتا لیکن جس نام کا عشق لیے
ہوں جس کی لگن دل کو لگی ہوئی ہے جو جان اور ایمان ہے اس کی بشریت پر بھی قرآن شاہد
ہے اس لئے عمر و سعد ممتا کے درد سے مجبور ہو کہ تجھ کو انسان نہیں [illegible] سمجھ کر شہربانو نے اس
معصوم کو تیرے پاس بھیجا ہے دیکھ اسکی آنکھیں بند ہیں اور اس کا حلق خشک ہے، دنیا کا عیش اور زندگی
کی بہار تجھ کو اور تیرے ساتھ یزید اور ابن زیاد کو مبارک ہو۔ مگر میرے کلیجہ کا ٹکڑا اس دنیا میں
تھوڑی دیر کا مہمان ہے دیکھ عمر و سعد دیکھ اس کے سانس کی کیا کیفیت ہو رہی ہے۔ تجھے
کو نہیں اصغر کو اس کی معصومیت دیکھ کر، زیادہ نہیں پانی کے چند قطرے پلا دے تاریخ تیرے
اس عمل پر فخر کرے گی اور میرے نانا کی امت تیرے اس فعل کو نیکی سے یاد کرے گی۔ اس کا پھول
سا چہرہ، اور یہ نازک جسم لو کے تھپیڑوں کی برداشت نہیں کر سکتا۔ جلد کر اور اپنے ہاتھ سے میرے
معصوم کے حلق میں پانی کے دو قطرے ٹپکا دے۔
اور دیکھ ان ہونٹوں کو خشک ہیں۔ اس کی زبان سوکھ گئی اور اُس کی صورت مرجھا
رہی ہے۔ آگے بڑھ انسان بن اور انسانیت کو بٹہ نہ لگا۔

شہربانو اور بنت علی خیمہ کے دروازے پر کھڑی جھانک رہی ہیں کہ تو اس پیغام کا کیا جواب دیتا ہے۔ دونوں کی دونوں نے کلیجہ کا ٹکڑا اس حالت میں کہ ان سے ہمیشہ کو جدا ہوتا ہے تیرے پاس بھیجدیا"۔ یزیدی لشکر کی بیس ہزار آنکھوں میں ایک آنکھ بھی سُرمہ انسانیت سے مزین نہ نکلی ان کے قلب کی سیاہی چہروں تک پہونچ چکی تھی، انسان نہیں جانور اور جانور نہیں پتھر تھے کہ دودھ کو ترستے اور پانی کو پھڑکتے معصوم کی اس کیفیت کا، ماتا کی ماری ماں کے پیام اور باپ کی التجا کا استقبال قہقہوں سے کیا۔ کیسا نازک وقت ہے کہ اس نازک میدان میں آفتاب آتش بار کے سایہ میں کھڑا ہونے والا انسان اپنی تقریر ختم کرنے کے بعد عمروسعد کی طرف اس توقع پر دیکھتا ہے کہ انسانیت کے قدم آگے بڑھا کر محبت کے ہاتھوں سے میرے معصوم کو گود میں لیگا۔ مگر میدان کربلا عمروسعد کے اس حکم سے گونجتا ہے "حسین کا بچہ زندہ نہ جانے پائے"

ہوا لرز رہی تھی اور پہاڑ تھرا رہے تھے جب امام حسین نے یہ الفاظ سُن کر اپنے چاند کو دامن سے چھپانے کی کوشش کی۔ عجب عالم تھا حسین تھے اور کلیجہ دھڑ دھڑ کر رہا تھا کہ بن کاہل حرملہ کا تیر معصوم گلے کو چھیدتا ہوا امام کے بازو میں گھسا۔

قیامت کی مصیبت اس سے زیادہ نہ ہوگی کہ اس معصوم نے جس کے حلق کے آر پار تیر گھسا ہوا ہے جو باپ کی گود اپنے خون سے تر ابور کر رہا ہے آنکھ کھولی اور باپ کو سوکھی زبان کھا کر ہمیشہ کے واسطے بند کر لی۔

چکر آیا پاؤں کانپ گئے جس وقت علی اصغر نے باپ کی گود میں آخری سسکی لی۔ حسین ابن علی کا مہمان دم توڑ چکا تھا بچہ کو زمین پر لٹا کر اپنے ہاتھ سے تیر نکالا اور بچہ کو سینے سے لگا کر خیمہ کا رخ کیا دونوں نند بھاوجیں دروازے میں کھڑی تھیں، امام حسین کو لہولہان دیکھ کر دل ہوا ہو گیا۔ زینب چکرا کر گریں اور شہربانو یہ کہہ کر آگے بڑھیں۔ ہائے کیا ہوا؟

امام حسین نے بچہ کی لاش بیوی کی گود میں دی اور زینب کو اٹھا کر کہا۔

"اے بہن تیرا لال حوض کوثر کے قطروں سے سیراب ہو گیا"

خیمہ میں کہرام مچ گیا۔ بی بی زینب نے حضرت شہر بانو سے کہا" بھاوج ڈیڑھ سال کی کمائی کربلا کے میدان میں لٹا دی۔ میرے بچے کو میرے مہمان کو تم نے بھوکا پیاسا گھر سے نکالا شہر بانو اس کی خدمت تم کو وبال ہو گئی۔ ہائے کس پیار سے ہمک کر میری گود میں آیا اور کیسی حسرت سے آخری نظر مجھ پر ڈالی۔ ارے نہیں شہر بانو نہیں اس کے نکالنے والے اس کو مارنے والی پھوپی میں ہوں۔ بھائی کی گود میں میں نے دیا پانی کو میں نے بھیجا۔ ائے خدا کے لئے بتاؤ۔ میرے قصور کی کیا سزا ہے۔ اماں اور نانا کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی۔ جب وہ کہیں گے کہ اصغر کو شہادت کے واسطے تو نے بھیجا لاؤ میرے بچہ کو میری گود میں دو شہر بانو لاؤ اپنے بچہ کی قمیص بدلوں۔ یہ خون میں لتھڑی ہوئی قمیص مجھے دو اس پر قربان ہوں، اس کو سر پر رکھوں اس کو آنکھوں سے لگاؤں زین العابدین کو بھائی کے سہرے کا ارمان تھا۔ اصغر دولھا بنا اس کی برات چڑھ رہی ہے۔ اس دولھا کو گود میں لیکر دلھن بیاہنے جاؤ۔ بھائی کے ہاتھ کانپیں گے۔ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا ہے کس دل سے اصغر کو قبر میں رکھیں گے۔ آ کربلا تیری گود میں آج میری گود کا کھیلنے والا آتا ہے۔ جو میرے سینہ پر لوٹتا تھا جو ہمیشہ شہر بانو کے ہاتھوں میں ہوتا تھا وہ آج تیری گود میں سوئے گا۔

بھائی میرے مہمان کی صورت ایک دفعہ اور دیکھ لو۔ یہ صورت آنکھ سے اوجھل ہوتی ہے اور اصغر ہمیشہ ہمیشہ کو جاتے ہیں۔ بیٹا پھوپی کا قصور معاف کر دینا۔ دادا اور دادی سے میری شکایت نہ کرنا کہ پیاسا گھر سے نکالا۔ تم چلو میں بھی آتی ہوں رات کو اگر دشمن نے فرصت دی تو قبر پہ آ کر بیٹھوں گی، چمٹوں گی، لپٹاؤں گی آج تک میری اور شہر بانو کی گود تھی اب دادا اور دادی کے پاس جاؤ خدا حافظ و نگہبان ہے"

کس دل سے امام عالی مقام نے علی اصغر کو دفن کیا اس کا اندازہ آسان نہیں ہے قصد کیا کہ سیدھے میدان جنگ میں پہونچکر اصغر کے خون کا بدلہ لیں۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال

آیا کہ ناموس رسول خدا کے سپرد کر دو۔ دولہا اور یہ حرم نبی باقی رہے ہیں آخری مرتبہ ان کو اور دیکھ لوں خیمہ میں داخل ہوئے تو خون ابھی بازو سے بہہ رہا تھا، کپڑے خون خون تھے، بیوی اور بہن کو معصوم اصغر کے صدمے سے ابھی تک یہ خبر بھی نہ تھی کہ بچہ کے ساتھ باپ کے بازو سے بھی فوارہ چھوٹ رہا ہے سب سے پہلے بی بی زینب کی نظر امام حسین کے خون پر پڑی "ہائے بھائی" کہہ کر لپٹ گئیں اور بدحواسی میں چیخ کر کہا ارے جلد پانی لاؤ، زخم دھوؤں" پھر خیال آیا تو کہا "ارے بھول گئی پانی کہاں" پانی تو آل رسول پر یزید کے حکم سے بند ہوئے تین دن گذر گئے۔ سر سے ردا اتاری اور بھائی کا بازو کھول کر کہا "قیامت کے روز اسی طرح نانا جان کے حضور میں عرض کروں گی کہ آپ کی امت نے میرا سر ننگا کیا"

بیمار صغرا کا قاصد

امام حسین علی اصغر کو سپرد زمین کر کے خیمہ کی طرف آ رہے تھے کہ ایک سانڈنی سوار سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ قریب پہنچا تو اونٹ بٹھا کر نیچے اترا۔ ہاتھ چوم کر قدموں پر گرا اور کہا چہرۂ اقدس کی کیا کیفیت ہے اور یہاں کیا ہو رہا ہے۔ مدینہ کا مسافر ہوں اور چونکہ ایک وعدہ کر چکا ہوں اس کے ایفا کے واسطے حاضر ہوا ہوں۔ للہ فرمایئے یہ سامنے کس کا لشکر ہے اور خیمہ کس کا ہے۔ آپکا قیام کس جگہ ہے اور بیعت یزید کا کیا حشر ہوا۔ سنا تھا کوفہ آپکے ساتھ ہے معلوم ہوا آپ کربلا میں مقیم ہیں۔ امام حسین نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تم نے میرے واسطے کیوں تکلیف اٹھائی وعدہ کس کا ہے اور کس سے ہے کون ہو کہاں سے آئے ہو اور کیوں آئے ہو؟"

مسافر نے جواب دیا میں مکہ معظمہ کا رہنے والا اور فاطمہ کا غلام ہوں ایک روز دوپہر کے وقت جب گرمی غضب کی پڑ رہی تھی میں ایک گلی سے جا رہا تھا کہ میں نے یا حسین یا حسین کی جگر خراش آواز سنی اور یہ آواز اس قدر دردناک تھی کہ کلیجہ کے پار ہوئی جاتی تھی میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو ایک لڑکی دروازہ میں زمین پر بیٹھی یا حسین یا حسین کے نعرے لگا رہی تھی میں نے پاس جا کر پوچھا تو کون ہے اور حسین کو کیوں پکار رہی ہے میرے سوال پر اس لئے کہ اس میں تسکین تھی اس کا

دل بھر آیا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور کہا آج ہفتہ بھر سے زیادہ ہوگیا نماز فجر کے بعد
دروازہ میں آبیٹھتی ہوں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ میرے دل کی لگی بجھادے کوئی اولاد والا
مجھ پر رحم کھا کر میرے باپ تک میرا پیام پہنچا دے۔ آنکھیں رستے لگی ہوئی ہیں کہ اپنے بابا
حسین ابن علی کی صورت کی زیارت کرلوں، مائیں اپنے بچوں کو گود میں لئے باپ ننھی بچیوں کا انگلی
پکڑے میری آنکھوں کے سامنے سے نکلتے ہیں میں ان سے سوال کرتی ہوں کہ حسین بن علی کی خیریت بتادو
وہ میری طرف دیکھ کر چلے جاتے ہیں کوئی مسلمان میری طرف رُخ نہیں کرتا میں بیمار ہوں اور اس
دنیا میں چند روز کی مہمان ایک بدنصیب لڑکی جو دنیا سے ناشاد و نامراد اٹھ رہی ہے۔ اپنے نانا
کی امت سے رو رو کر التجا کرتی ہے کہ واسطہ خدا کا اپنے بچھڑی ہوئی بھائیوں سے چھوٹی ہوئی
صغرا کا خط اس کے باپ تک پہونچا دے اے بھائی سانڈنی سوار اگر تو کوفہ کی طرف جاتا ہے
تو اپنے بچوں کا صدقہ مجھ کو ساتھ لے لے مجھے بیمار نہ سمجھ میں تیرے اونٹ کے ساتھ بھاگوں گی
میں تجھے کھانے اور پانی کی تکلیف نہ دونگی میری بھوک اڑ گئی میری پیاس ختم ہوگئی تو جہاں تک
جائے مجھے ساتھ لے جب کہیں اور جائے تو مجھے راستہ بتادیں پوچھتے پوچھتے پہونچ جاؤں گی یقین کر میرے پاؤں باپ کی
زیارت کو تیرے اونٹ سے تیز اٹھیں گے۔ ملاقات کا شوق میری تکان دور کر دے گا۔
اور رہا پیتی کا پتنی نہیں اُچھلتی کو دتی اپنے کنبہ میں پہونچ جاؤں گی۔ میرے پاس کچھ نہیں جو
تجھ کو دوں یہ میرے کپڑوں کے دو جوڑے ہیں تیرے بچوں کے کام آجائیں گے یہ ایک چھلنی ہے
اگر تو قبول کرے تو میرا زخمی دل تجھ کو دعائیں دیگا۔ خدا تیرے بچوں کی عمر دراز کرے میری
آنکھیں اپنے بابا کی صورت کو ترس رہی ہیں میرا دل بھائیوں کے دیکھنے کو تڑپ رہا ہے
اے سانڈنی سوار ساری ساری رات آنکھوں میں کٹ جاتی ہے تارے گن گن کر صبح کرتی ہوں جس وقت
اذان کی صدا بلند ہوتی ہے۔ تو دل کہتا آج باپ کی زیارت نصیب ہوگی مگر جب وہی موذن
مغرب کا پیام پہونچاتا ہے تو آکر لیٹ جاتی ہوں لیکن دروازہ کھلا رکھتی ہوں کہ میرے باپ
کو آواز دینے کی تکلیف نہ ہو۔ اے خوش نصیب مسلمان حسین سے بچھڑی ہوئی دکھیاری صغرا کی

دعائیں لے یہ دکھے ہوئے دل کی صدا خدا کے حضور میں قبول ہوگی۔

اتنا کہہ کر بیمار بچی بابا بابا کہتی ہوئی بیہوش ہوگئی میں نے ہوش میں لانے کی تدبیریں کیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ بچی بخار میں جھلس رہی ہے۔ میرا دل کٹ گیا۔ میرے آنسو نکل پڑے جب دیکھا بیمار ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئیں۔ گوشت کا پتہ نہیں اور سانس ہڈیوں میں چل رہا ہے میں چیخ اٹھا جب مجھے معلوم ہوا کہ مظلوم بچی کی زبان سے بیہوشی میں بھی باپ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ جسوقت بیمار بچی ہوش میں آئی تو میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کچھ اس لئے نہیں کہ مسلمان ہوں بلکہ اس لئے اور صرف اس لئے کہ کیفیت دیکھ کر میرا دل تڑپ اٹھا میں تیرے سامنے قسم کھاتا ہوں کہ جب تک تیرے باپ تک نہ پہونچا دوں گا مجھ کو زندگی کی ہر راحت حرام ہے میری بیمار بچی یہ کپڑوں کے جوڑے خدا تجھ کو نصیب کرے میں اپنی خدمت کی اُجرت قیامت کے روز تیرے نانا سے لے لونگا۔ زمین شق ہو اور میں سما جاؤں اس سے پہلے کہ تجھ سے اپنا معاوضہ طلب کروں۔ میرا بچہ بیمار ہے اور میں اس کے واسطے دودھ لینے آیا ہوں مگر کٹ جائیں یہ قدم اگر اب گھر واپس ہوں۔ اور پھوٹ جائیں یہ آنکھیں اگر اپنے بچہ کی صورت تیرا پیام پہونچانے سے پہلے دیکھ لیں میں تجھ کو ضرور ساتھ لے جاتا لیکن تو دیکھ لے میرے اونٹ پر کجاوہ نہیں ہے اس کو باندھنے جا رہا تھا مگر خدا کے بھروسہ پر تیری خدمت کو روانہ ہوتا ہوں۔

میں ان الفاظ میں وہ کیفیت ادا نہیں کرسکتا جو بیمار پر طاری ہوئی۔ وہ میری گفتگو سے ساکت ہوگئی حسرت سے میرا منہ دیکھنے لگی اور صرف اتنا کہا بھائی خدا کے واسطے مجھے گنہگار نہ کر اور اپنے بچے کو پہلے دودھ دے آ ایسا نہ ہو وہ روئے اور اس کا صبر مجھ پر پڑ جائے۔ اے بھائی میرا بھی ایک معصوم بھائی بابا کے ہمراہ ہے اس کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے پھر گئی خدا اپنے بچہ کو پہلے دودھ دے آ۔ خدا تیری مامتا ٹھنڈی رکھے تیرے بچہ کی ہزاری عمر ہو اور سب بچوں کے طفیل میں میرا بھائی بھی جئے ''میں نے ہر چند کہا مگر وہ نہ مانی اور میں بچہ کا دودھ

دیتے ہی کوفہ روانہ ہوا۔ پرسوں صبح کو جب میں کچھ دیر پہنچا ہوں تو معلوم ہوا آپ کربلا میں تشریف فرما ہیں۔ خدارا بتائیے کہ کیا حالت ہے اور کیا کیفیت گزر رہی ہے ؟"

امام حسین نے قاصد کی طرف دیکھ کر ہاتھ بڑھایا، خط لیا اور کہا:۔

"پیارے بھائی تو میری بچی کا خط لے کر آیا ہے تیرا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ جس بچی کا تو پیامبر ہے وہ میری پیاری بیٹی صغرا ہے اور میں اس وقت جس حال میں ہوں خدا میرے جانی دشمن یزید ابن زیاد اور عمر و سعد کو بھی اس سے محفوظ رکھے تجھے معلوم ہوگا کہ میں نے اس باپ کی گود میں پرورش پائی ہے اور اس ماں کے دودھ سے پلا ہوں جنہوں نے مہمانوں کے واسطے خود فاقے کئے۔ مگر اس وقت میں اس قابل نہیں کہ صغرا کے مہمان کو پانی کے دو گھونٹ پلا دوں۔ بھائی آج تیسرا دن ہے کہ آلِ رسول پر یزید اور ابن زیاد کے حکم سے عمر و سعد نے دانہ پانی بند کر رکھا ہے میرا تمام خاندان بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر میدان جنگ میں ختم ہو چکا۔ صبح سے اسوقت تک سب کا صفایا ہو گیا۔ جس صغرا کا تو ذکر کر رہا ہے اور جس کی یاد میں بیمار صغرا نے تجھ کو دودھ کے واسطے بھیجا وہ دودھ تو درکنار پانی کے چند قطروں کو تڑپتے ہوئے زمین کے نیچے پہنچ گئے میری بہن کے دونوں بچے عون و محمد قبر دل میں اس معصوم کو لوریاں دے رہے ہیں جن ہاتھوں میں یہ خط لیا ہے یہ اکبر جیسے شیر اور قاسم جیسے پیارے خاک میں لٹا چکے میرے بھائی میری بچی کے اور میرے سچے محسن قیامت کے روز تیری دعوت کرونگا اور جس طرح تو نے عہد کیا ہے میں بھی میدانِ کربلا میں عہد کرتا ہوں کہ جبتک حوض کوثر سے تجھ کو سیراب کر دونگا مجھ کو اسکا ایک گھونٹ بھی حرام ہے۔ قاصد قدموں پر گر پڑا اور کہا اجازت دیجئے کہ عمر و سعد ملعون کے مقابلہ میں جان کر نثار ہوں امام حسین نے اسکا شکریہ ادا کیا مگر جب اصرار زیادہ بڑھا تو فرمایا "تیری خدمت بہت بڑی ہے جو تو نے انجام دی اب اس کا جواب بھی بچی کو پہنچا دے۔ ذرا میں اسکو پڑھ لوں اور عورتوں کو سنا دوں"

یہ کہہ کر امام حسین خیمہ میں تشریف لائے اور خط پڑھنا شروع کیا۔

"بابا ایک مہینہ ایک سال ہو گئیں راتیں آنکھوں میں کٹتی ہیں اور دن دروازے میں ختم ہوتا

ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ تم اچھی ہو جاؤگی تو بلالوں گا۔ بابا اب میں بالکل اچھی ہوں،
بخار کو بھی آرام ہے اور کھانسی کو بھی آپ کے پاس اللہ رکھے رہیئے موجود ہیں انکو دیکھ کر دل
بہلاتے ہو گئے۔ مجھ بیمار کو کیوں یاد کرنے لگے ایسے بھولے کہ خیر صلاح تک نہ بھیجی اچھے میرے
ابا جان میرا قصور معاف کر دیجئے میں آپکے چلتے وقت روئی نہیں تھی جو آپ خفا ہو گئے میں تو
اوڑھنی سے یونہی منہ پونچھ رہی تھی میرے ابا مجھے جلدی سے اپنے پاس بلوائیے دیکھئے تو سہی
مجھ پر کیا گزر رہی ہے اصغر بھائی کی یاد میں گھنٹوں مچھلی کی طرح تڑپتی ہوں۔ اب تو
ماشاء اللہ اور بھی زیادہ گھٹنوں چلتے ہونگے ہائے کس طرح کہوں کلیجہ منہ کو آرہا ہے بھیا کے
دیکھے کتنے دن ہو گئے نام لے لیکر کس طرح ہمکتے تھے ارے میرا بھائی ہزاری عمر ہو۔ اکبر
بھائی بھی مجھ کو بھول گئے میں تو سب کی کنیز ہوں۔ پھوپی جان سے یہ امید نہ تھی کہ اپنی لونڈی
کو اس طرح بھول جائینگی اور پلٹ کر خبر تک نہ لینگی۔ میں یہ تو نہیں کہتی وہ مجھے بھائی کی اولاد
سمجھیں اور بھتیجی کہیں مجھے اپنے بھائی کی ماما ہی سمجھ لیں میں وعدہ کرتی ہوں خدمت کرونگی
اماں بیوی کا سر دھلاؤنگی پھوپی جان کا ان کے بچوں کا کھانا پکاؤنگی۔ اکبر بھائی کے
کپڑے سیونگی اصغر بھائی کو ساتھ سلاؤنگی۔ لوری دونگی۔ منہ ہاتھ دھلاؤنگی ننھا سا دولہا
بناؤنگی۔ بابا جان آپ کو مجھ پر رحم نہ آیا۔ میں نے سنا ہے دادی جان ایسی رحم دل تھیں کہ
چکی پیس پیس کر اللہ کے نام پر دیتی تھیں۔ ابا جان آپ اللہ کے نام مجھے اپنے پاس
بلا لیجئے۔ اے ہے مجھے سب ہی بھول گئے اماں بیوی، پھوپی جان ہما کبر بھیا کسی کو بھی
میرا دھیان نہ رہا بابا رہ رہ کر کلیجہ میں ہوک اٹھتی ہے آنکھیں سب کی صورتوں کو پھڑک رہی ہیں
میں نے اصغر کے واسطے ایک شلوکا تیار کیا ہے انشاء اللہ اپنے ہاتھ سے پہناؤنگی
پھوپی جان اپنے بچوں میں ایسی لگیں کہ اتنا خیال تو نہ رہا کہ جلدی بلانے کا وعدہ کر آئی
ہوں جلدی ہی جلدی میں اتنے دن تو ہو گئے اب خبر نہیں وہ جلدی کب پوری ہوگی۔
رو رو کر ہچکیاں اور سسکیاں لے لیکر امام حسین نے بیمار صغرا کا خط ختم کیا اور باہر نکلکر قاصد سے فرمایا۔

بڑا احسان ہوگا اگر میرا یہ پیام میری بچی تک پہنچا دو گے کہ جب موت سر پر کھیل رہی تھی
جب زندگی کا حقیقی مقصد مکمل ہو رہا تھا جب دلی خواہش کے پورا ہونیکا وقت آچکا تھا۔
جب حسین میدان کربلا میں نانا کی امت کو صبر و استقلال کے معنی بتا رہا تھا جب حسین کی
آنکھیں زینب کو بن بچوں کا دیکھ چکی تھیں، جب حسن کی نشانی حسین کی بدولت اس کے
سامنے دنیا سے مٹ چکی تھی۔ جب حسین کے ہاتھ اصغر و اکبر کو قبروں میں دبا چکے تھے جب
عباس حسین کی کمر توڑ چکا تھا، جب ماں اور باپ کی صدائے تحسین اور بھائی کے مرحبا کے
نعرے اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ جب نانا کی مقدس آواز اس کی حوصلہ
افزائی کر رہی تھی اور جس وقت اسکے اپنے بھائی اور بہن کے بچے کلمہ توحید پر قربان ہو چکے تھے اور
جب ایک بیمار بچی کے سوا جو اس سے کوسوں دور اسکی یاد میں تڑپ رہی تھی اسکے مردہ
بچے اسکی آنکھ کے سامنے تھے اس وقت صرف ایک ارمان تھا اور وہ یہ کہ زندگی کے
ان آخری لمحوں میں وہ دنیا سے رخصت ہونے سے قبل، اپنی اس بچی کی صورت دیکھ لے
جسکی یاد میں نیند اچٹتی تھی اور جسکے خیال سے دل روتا تھا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ساعت
آخر میں وہ خواہش بھی پوری ہوئی اور صغرا کا خط پہنچ گیا میرے پیارے بھائی میں جو نہ ہونگا
مگر صغرا کے سامنے شہادت دیجو کہ شہادت سے قبل حسین نے تیرے خط کو آنکھوں سے لگایا
اور بوسہ دیا۔ بھائی جو دیکھ رہا ہے وہ کہہ دیجو جو سنا ہے وہ سنا دیجو اور کہیو تجھ کو خدا کے سپرد کیا
وہی تیرا حافظ و نگہبان ہے جنکو یاد کر رہی ہے وہ سب خدا کے ہاں پہنچ گئے ماں اور پھوپی اگر زندہ ہیں
تو خدا معلوم کیسی کیسی تحقیر و تذلیل کے بعد تجھ تک پہنچیں گی۔ باپ کی یاد اگر زیادہ ستائے صبر سے
کام لیجیو بھائی اب تجھے میرے سامنے رخصت ہو جانا ہے ایسا نہ ہو دشمن تیرا بھی خاتمہ کر دیں اور میرا پیام میری بچی تک نہ پہنچے

عابد بیمار کا اصرار

قاصد قدموں سے آنکھیں مل کر روانہ ہوا اور امام حسین خیمہ میں تشریف لائے تو
ایک عجیب منظر تھا۔ عابد بیمار مسلح ہتیار لگائے سامنے کھڑے تھے۔ نقاہت و ناتوانی مستعد تھی کہ بات

نہ کر سکتے تھے بخار چڑھا ہوا تھا۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے باپ کی صورت دیکھ کر کچھ کہنا
چاہتے تھے کہ چکر آیا۔ گر پڑے اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے جب بات نہ کہہ سکی تو بی بی زینب نے کہا۔
میں اور شہر بانو سمجھا سمجھا کے تھک گئے۔ دو قدم چلا نہیں جاتا یہ کس طرح میدان میں جا سکتے
ہیں۔ آپ خود انکے سوال کا جواب دیجئے امام حسین نے عابد بیمار کو کلیجہ سے لگا کر کہا۔ کیا تم
یہ چاہتے ہو کہ سادات کی نسل دنیا سے منقطع ہو جائے اگر تم کو یہ منظور ہے تو بسم اللہ کرو
مگر یاد رکھو قیامت کے روز دادا دادی کے سوال کا جواب دینا ہوگا۔ تمہاری شہادت
بنو فاطمہ کا خاتمہ ہے کیا ایسا غضب نہ کرو زندہ رہو اور مسلمانوں کو بتاؤ کہ باپ نے کربلا میں
کس طرح اپنے کلیجہ کے ٹکڑے خدا کی مرضی پر قربان کئے۔

عابد بیمار کو باپ کی وصیت

باپ کی اس تقریر سے عابد بیمار خاموش ہو گئے تو پھوپی نے ان کو لٹایا اور امام حسین
میدان کے واسطے تیار ہوئے اب بیمار کی آنکھ سے آنسو گرنے لگے آپ نے انکو گلے
لگایا۔ فرمایا جس طرح ہر ابتداء کی انتہا ہوتی ہے اسی طرح زندگی کی انتہا موت ہے
دور اندیش ہنس کھیل کر اس کا استقبال کرتا ہے اور بیوقوف رو پیٹ کر اس کے منہ میں جاتا ہے
مگر کس قدر اچھی ۔۔۔۔ ہے وہ موت جو دوسری زندگیوں کو زندہ کر دے۔ میرے نانا دنیا
کے بہترین انسان کی زندگی دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر گئی۔ میرے باپ شیر خدا کے
کارنامے اس دنیا کو ان مٹ تماشے دکھا گئے۔ ضرورت تھی کہ ایسے باپ کے بعد حسین کی زندگی
بے مثل رہتی میں نہ صرف پرستاران توحید کو بلکہ اس دنیا کے بسنے والوں کو بتا دوں کہ
یہی انسان اپنے اعمال سے زندگی اور موت دونوں کو جنت اور دوزخ بنا دیتا
ہے۔ اور باغیچۂ حیات میں ایسے پھول بھی کھلا سکتا ہے جو ذات باری کی طرح
فنا سے محفوظ رہیں۔ میری زندگی جواب دو۔ ایک ساعت کی مہمان ہے آج دوپہر
اندر اندر میدان کربلا میں ایسے پھول مہکا دئیے ہیں جن کی خوشبو جب تک دنیا آباد رہے

اس کو معطر کرگئی حسین کی موت اُن لوگوں کی زبان سے بھی داد شہادت لیگی جو
اس کے نانا کے مقدس نام کے دشمن ہیں یہ رونے کا نہیں خوش ہونے کا وقت ہے
اگر تم زندہ رہے تو دیکھ لینا یزید ابن زیاد اور عمرو سعد جو قتل حسین کے متمنی ہیں کتے کی
موت مریں گے اور اگر میرا قیاس غلط نہیں تو سن لینا کہ محرم کی دسویں تاریخ ہر سال دنیائے
اسلام میں ایک قیامت برپا کرے گی میں تم کو ایک پیام دیتا ہوں جو مسلمانوں تک پہنچا
دینا۔ حیات انسانی مخزن آفات و آلام ہے وہ مسلمان جو افلاس و تنگدستی میں گرفتار
ہو کر زندگی سے بیزار ہوجائے اس سے کہنا کہ وہ تھوڑی دیر کے واسطے حسین کی بھوک
پیاس کو بھی یاد کرلے اور غور کرے کہ بیوی بچوں کو بھوکا پیاسا دیکھ کر حسین کے دل پر
کیا گزری ہوگی۔ مائیں اگر اپنے معصوم بچوں کا جنازہ دیکھیں تو غور کریں کہ کن آنکھوں سے
حسین نے اصغر کو خون میں لتھڑا ہوا دیکھا ہوگا۔ باپ جس وقت اپنے جوان بیٹے کو قبر میں دبائے
تو یاد رکھے کہ حسین نے بھی اکبر کو قبر میں دبایا تھا اور جس وقت اس کا تمام گھر ختم ہوچکا اُسوقت بھی اسکی
زبان پر اللہ ہی اللہ تھا۔

میری شہادت کے بعد اگر عمرو سعد اور اسکے ساتھی شرارت کریں تو صبر کرنا اور برداشت کرنا۔
تم حسین کی اولاد ہو اور اُس باپ کے بیٹے ہو جس کا صبر دنیا میں مشہور ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ زبان
سے کوئی لفظ شکایت نکل جائے سخت سے سخت مصیبت میں بھی صبر و شکر ہاتھ سے نہ جائے۔

سیدہ کے لال کی شہادت

اس کے بعد امام حسین نے بی بی زینب کے گلے میں باہیں ڈال دئیے اور کہا مبتا جائی
اماں کے دودھ کا جو حق اماں کے بعد ادا کیا دنیا اس کا جواب نہ دے سکیگی حسین کی
عاشق زار بہن بھائی سے گلے مل اور رخصت ہو کہ طبل جنگ بج رہا ہے اور ایک
سر کے واسطے ہزارہا مسلمان تلواریں لئے کھڑے ہیں جس طرح تو مجھے ہوئے بھائی کی بلائیں لیکر

قربان ہوتی تھی اور دیکھ دیکھ کر شکریہ کے نفل پڑھتی تھی اسی طرح اس کے سر کو گلے
سے لگا کر خدا کا شکر ادا کیجو زینب کس منہ سے تیرا شکریہ ادا کروں تو نے اپنی عمر بھر کی
کمائی نثار کر دی اور اس وقت کوئی اتنا نہیں کہ تیرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دوں۔
میا جائی زینب خدا تیرا بہترین وارث ہوگا۔ میری ماں کی صابر و شاکر بچی تیرے
خشک ہونٹوں پر حسین قربان ہو۔ ہائے زینب زندگی کی آخری لمحوں میں ہتھکڑیاں
بندھی ہوئی دیکھ رہا ہوں۔ میدان کربلا سے عمر و سعد نہال نہال جائے گا مگر بنت علیؑ
خالی ہاتھ روتی پیٹتی روانہ ہوگی۔ جن بچوں کو بھائی کی حمایت کے ساتھ لائی تھی وہ اس
لق و دق میدان میں سو رہے ہیں۔ بس میری بہنا صبر کر اور جس طرح حسین نے علی کی شان
دکھا دی اسی طرح تو بھی فاطمہ کی جھلک دکھا دے۔ آ میری پیاری زینب بھائی سے مل اور رخصت ہو طبل جنگ بج رہا ہے
اس کے بعد امام حسین نے شہر بانو کی طرف دیکھ کر کہا "فاطمہ اور علی کی بہو تو اسکی بھاوج
ہے جس کا کلیجہ کٹ کٹ کر طشت میں نکلا مگر قاتل کا نام نہ بتایا تو اس شیر خوار بچہ کی ماں ہے
جس نے حرملہ کے تیر پر مسکرا کر جان دی۔ شہر بانو! سخت سے سخت ظلم میں بھی زبان
طعن سے آشنا نہ ہو۔ عمر و سعد کے کڑوے گھونٹ شہد بن کر حلق سے اتریں اسکی شادمانی
حقیقتاً فانی ہے تو تامل سے دیکھے گی۔ تو نصرت کے شادیانے ابن زیاد اور یزید کے
واسطے عبرت کے تازیانے ہونگے۔ حسین کی بے کفن لاش تیرے سامنے پڑی ہو اور خون
آلود سر آنکھوں کے سامنے تڑپ رہا ہو لیکن زبان سے اُف نہ نکلے اور دل اس صداقت
کا لطف اٹھائے جس پر حسین سب کچھ قربان کر چلا۔ خانماں برباد قافلہ جب حدود یثرب
میں داخل ہو تو درود پڑھ کر مسجد نبوی میں جانا اور حریم مبارک کے پردے پکڑ کر بعد
عجز و ادب التجا کرنا کہ فاطمہ کا لٹا ہوا خاندان در اقدس پر حاضر ہے۔ دعا فرمائیے کہ
میدان کربلا مسلمانوں کو سبق دے اور ان کی کشتی کا ناخدا بنے۔ شہر بانو تیرے
کرم کا شکریہ آسان نہیں ہے اب تیرا خدا نگہبان ہے۔

اس کے بعد امام حسینؑ نے سب سے پہلے سرورِ عالم کا عمامہ سر سے باندھا تیغ حیدری کمر میں لگائی اور سیدۃ النساء کے ہاتھ کی سی ہوئی ردا کمر سے باندھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں تشریف لائے۔ عمر وسعد نے آگے بڑھ کے کہا "خدا کا شکر ہے حسین کا خاندان ختم ہوا اور اب کوئی باقی نہیں۔ بہتر ہوتا کہ حسین کو زندہ گرفتار کرتے اور قیدی بنا کر لے جاتے مگر ابن زیاد کا حکم ہے کہ آج شام کو حسین کا سر کربلا سے روانہ ہو جائے اس لئے مناسب ہوگا کہ دائیں طرف سے حملہ کر دو" یہ کہہ کر اس نے قہقہہ لگایا اور امام حسینؑ سے یوں مخاطب ہوا "خلیفہ یزید اور ابن زیاد کا حکم یہی ہے کہ میں آپ کو زندہ نہ چھوڑوں مگر آپ اب بھی خلیفہ کی بیعت پر آمادہ ہو جائیں تو میں اپنے حکم سے آپ کو زندہ چھوڑ دوں گا۔

امام حسینؑ مسکرائے اور جواب دیا۔

"عمر وسعد ابن زیاد اور یزید کے احکام تو نے پڑھ لئے اور ان کی تعمیل میں حسینؑ ابن علیؑ کے بچہ بچہ کا جنازہ تیری آنکھوں سے گزر گیا۔ فاطمہ زہرہ کا ہرا بھرا چمن تیرے ہاتھوں دوپہر میں اجڑا مگر ان پھولوں کی ہر پنکھڑی تیرے واسطے درسِ عبرت ہے۔ بے وقوف عمر وسعد فرات کا ہر قطرہ تجھ کو اپنی داستان سنا رہا ہے اور اس ریت کا ہر ذرہ اگر سنے تو کچھ اور دیکھے تو بہت کچھ سنا اور بتا رہا ہے تو نے دیکھ لیا کہ موت اور زندگی کا معاملہ خدائے بہتر و برتر کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن تو فاطمہ وہ چاند سے ٹکڑے جو دنیا کو جگمگا رہے تھے اپنے ہاتھ سے خاک میں ملا دئے۔

بیعتِ یزید کی صدا تیرے اور شیطان کے منہ سے قدم قدم پر نکل رہی تھی۔ اگر میں ڈگمگا جاتا، خاندان کا تعلق اور بچوں کی محبت اگر مجھ کو پھسلا لیتی تو زندگی اور زندگی کے عیش مجھ سے دور نہ تھے مگر خدا کا شکر ہے جس نے مجھے صبر کی توفیق بخشی۔ عمر وسعد ہم پر تین شبانہ روز سے دانا پانی حرام ہے تو چند لمحہ پانی نہ پی تو تجھے قدر ہو۔

اور معلوم ہو جائے کہ شہدائے کربلا کس طرح صداقت پر قربان ہوئے ہیں اگر چاہتا اور
بیعت یزید منظور کر لیتا تو تجھ جیسے نہ معلوم کتنے آدمی میرے قدموں میں گرتے
اور یزید میرے پاؤں چومتا۔ مگر ضرورت تھی کہ میں مسلمانوں کے واسطے صبر و شکر کی،
استقامت و ایثار کی، استقلال اور خودداری کی ایسی بنیاد رکھ دوں جس پر آنیوالے
مسلمان بآسانی عمارت تیار کر سکیں اور میدان کربلا کو پیش نظر رکھ کر سخت سے سخت
مصائب میں استقلال کو ہاتھ سے نہ دیں میں پیغمبر زادہ ہوں پیغمبر نہیں ہوں اور میرا
عقیدہ ہے کہ عالم الغیب صرف خدائے وحدہٗ لاشریک ہے مگر تجھے بتائے دیتا ہوں
کہ تیری توقعات پوری نہ ہونگی اور دنیا بہت جلد تجھ کو اپنا کرشمہ دکھا دے گی میں نے
قبل از جنگ تجھ سے کہا تھا کہ بیعت یزید ناممکن ہے اور دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھ کو
اُس وقت کے واسطے زندہ نہ رکھے کہ میں چند روزہ زندگی کے واسطے ایک فاسق و فاجر
کی بیعت کا دھبہ بنو فاطمہؑ کے دامن پر لگاؤں۔ اب تو حسین ابن علیؑ کے الفاظ کا
جو محض صداقت پر ختم ہیں یقین کر مجھ کو تیری حالت پر رحم آتا ہے۔ تو اپنا نامہ اعمال
سیاہ کر چکا تو نے میرے بچے چن چن کر بیدردی سے قتل کئے اور تیرے اعمال سے
شیطان بھی اس وقت پناہ مانگ رہا ہے عمرو سعد خدا سے ڈر موت کو برحق سمجھ
اور اپنی توقعات کو جو سراب کی طرح چمک رہی ہیں حقیقت کی کسوٹی پر رکھ کہیں ایسا
نہ ہو کہ تیری بدبختی کا باعث میں قرار دیا جاؤں۔ عمرو سعد یہ ہماری آبائی شان ہے۔
یہ ہمارا موروثی جوہر ہے کہ سخت سے سخت دشمن کو بھی تباہی سے بچا کر اپنا کام
کر دکھاتے ہیں۔ تو جن اسباب کو اذیت سمجھ رہا ہے وہ وقت آخر میں میرے واسطے
مسرت سے بدل گئے۔ میرے جد امجد حضرت ابراہیم کی طرح پیاس کی آگ کامیابی
کے پھولوں سے بدل چکی۔ بچوں کا خون دودھ اور شہد کی نہریں
بن کر میرے سامنے لہریں لے رہا ہے۔ عمرو سعد تیرا ایمان کہاں

غارت ہو گیا۔ تیرے ضمیر کو کیا آگ لگ گئی۔ تو اس لئے خوش نہ ہو کہ ہزار ہا مسلح آدمیوں نے
مٹھی بھر بہتّے انسانوں کو ذبح کر دیا۔ بلکہ اس لئے خوش ہو کہ اُس ہادی برحق کی
امت میں جس کو تو پیغمبر آخر الزماں سمجھتا ہے ایسے ایسے کفش بردار موجود ہیں جو حق و
باطل کے امتیاز میں موت کو زندگی سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اور ظاہری آنکھیں جس کو بربادی
خیال کرتی ہیں وہ اس کو کامیابی کی بنیاد سے تعبیر کرتے ہیں۔ بنو امیہ نے اس وقت
تک جو کچھ کیا تاریخ اس کو دہرائے گی اور ان کے اعمال مسلمانوں کے بچہ بچہ کی زبان پر
ہونگے۔ میدان کربلا اُن کے اعمال پر مہر تصدیق ثبت کرے گا اور حسینؑ بن علیؑ کی شہادت
بساط بنو فاطمہ پر ایسا چاند ہو گا جو مدۃ العمر چمکے اور دمکے گا۔ میں نے بنو فاطمہ کو کامیابی
کی قیمت زیادہ نہیں دی۔ آج حصول مقصد میں جو کچھ مجھ کو مل گیا وہ بہت کچھ ہے
یہ میری محترم ماں سیدۃ النساء کے دودھ اور میرے بزرگ باپ شیر خدا کی
پرورش اور میرے مقدس نانا سرور عالم کی تربیت کا طفیل ہے کہ کلیجہ کے
ٹکڑوں کا خون عطر سمجھ کر آنکھوں سے لگایا اور ہزار شکر ہے اُس قادر ذوالجلال
کا جس نے مجھے ایسا ضمیر عطا فرمایا کہ میں یزید جیسے گمراہ کی بیعت سے محفوظ ہوں۔ اب
جب کہ وقت آخر ہے میں تجھ کو بتا دیتا ہوں کہ اس تمام دوران میں مجھ کو اگر کھٹکا تھا
تو صرف یہ کہ میرا ضمیر دغا نہ دے جائے اور بچوں کی محبت غالب آکر مجھ کو یزید کی
طرف مائل نہ کر دے۔ عمر سعد دیکھ یہ صرف ماں کے دودھ کا اثر تھا کہ جھوٹی توقعات
اور فانی ضروریات حقیقت سے مغلوب ہو گئیں اور میں سرخرو خدا کے حضور میں جا رہا ہوں
تجھ کو معلوم ہے اس وقت تو اور تیری جمعیت کس کے مقابلہ میں ہے تجھ کو
معلوم ہے میرے سر پر یہ عمامہ کس کا ہے یہ تلوار کس کے نام کی تسبیح پڑھ رہی اور
کس کے نعرے لگا رہی ہے۔ تیرے سامنے حسینؑ نہیں علیؑ فاطمہ حسن اور وہ
کامل انسان ہے جس کے نام کو دنیا بوسہ دے رہی ہے۔

عمر وسعد نے اس تقریر کا جواب اس طرح دیا۔
"حسین! تم نے جو کچھ کہا وہ شاید صحیح ہو مگر یہ وقت وعظ و درس کا نہیں ہے، تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جو سر میں نے ابتک تن سے جدا کئے وہ شجر فاطمہ کی کونپلیں تھیں اصل شئے آپ کا سر ہے اور اس وقت کے واسطے صبح سے کوشش کر رہا ہوں۔ حسینؑ میرا دل بے چین ہے اور اس وقت کے واسطے تڑپ رہا ہوں۔ جب تمہارا سر ابن زیاد کے پاس بھیج دوں اور مملکتِ عراق کا عامل مقرر ہو کر اپنی خدمات کا صلہ پاؤں۔ حسینؑ! مجھے اس تلقین سے وحشت ہوتی ہے۔ دیر نہ کرو ایسا نہ ہو کہ انہی حیث بحث میں شام ہو جائے اور ہماری محنت برباد ہو مجھے صرف تمہارے سر کی ضرورت ہے۔ ابن زیاد مضطرب ہوگا خلیفہ یزید راہ دیکھ رہے ہونگے میں اور میری جمعیت تمہاری اس فضول گفتگو کو اب سننے کے واسطے نہیں۔ میری فوج کا ہر بہادر حملہ کی اجازت کا طلبگار ہے اور یہ میرا احسان ہے کہ میں خاموش ہوں۔"

عمر وسعد نے یہ کہہ کر ایک شخص کو حکم دیا کہ سب سے پہلے تو ہی حملہ کر اور ایک ہی وار میں حسین بن علی کا سر اتار لے۔ یہ انس بن تسان تھا جو امام حسین کے سامنے آیا۔ مگر ابھی قریب نہ آیا تھا کہ بھوکے پیاسے امام نے دور ہی سے ایک برچھی ایسی ماری کہ گھوڑے سے گرا اور زمین پر تڑپنے لگا۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کا حقیقی بھائی آگے بڑھا اور قریب پہنچا مگر ایک ہی وار نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا اس طرح آٹھ آدمی ایک ایک کر کے میدان میں آئے اور امام کے ہاتھ سے قتل ہوئے اب حسب عادت عمر وسعد نے اپنے لشکر کو للکارا اور کہا خاموش کیوں ہو۔ سب مل کر حملہ کرو۔" اتنا سنتے ہی جفا کار چاروں طرف سے حملہ آور ہوئے۔ عمر وسعد نے باواز بلند کہا ایک ہزار دینار اُس شخص کے واسطے ہیں جو حسینؑ

کا سرتن سے جدا کر دے۔ اب کیا تھا کہ ہر طرف سے نیزے اور تلواریں تھیں عمر و سعد سمجھتا تھا کہ علی کا شیر بھوک کا شکار ہو چکا۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ شیر کے پنجہ میں خدا کے شیر کی طاقت ہے۔ تلواریں چھوٹیں۔ برچھے ٹوٹے اور حالت یہ ہو گئی کہ جو آگے بڑھا وہیں گر کر ختم ہوا۔ میدان کربلا کے شعلے حسین بن علی کی تیغ کے شعلوں کو سجدہ کرنے لگے۔ کربلا کی آگ نے نار نمرود کو زندہ کیا۔ سیدہ کا لال اس آگ میں اپنے نانا ابراہیم خلیل اللہ کی طرح پھول کی مانند تیر رہا تھا۔ ہاتھ میں تلوار چہرہ پر تبسم اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لشکر عمر و سعد میں ہنگامہ بپا ہو گیا۔ گردنیں کٹ کٹ کر گرا اور لاشیں تڑپ تڑپ کر ڈھیر ہونے لگیں۔ جہاں قہقہوں کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں وہاں کہرام مچ گیا۔ کوئی بھائی کو رو رہا تھا اور کوئی بہنوئی کو عمر و سعد نے جب حالت دگرگوں دیکھی اور حسینؑ کی تیغ آبدار قہر خدا بن کر ہر سمت گری تو سب سے پچھلی صف میں جا کھڑا ہوا انعام دوگنا تگنا کیا اور وعدے سینکڑوں ہزاروں جبلہ نامی ایک شخص بگڑا اور کہا در اس انعام کو تو خود کیوں نہیں حاصل کرتا۔ تیری شجاعت کہاں غارت ہوئی۔ ہم کو کٹوا کر خود حکومت کرنی چاہتا ہے آخر ہم کیوں موت کے منہ میں جائیں حسین کا ہاتھ علیؑ کا اور علیؑ کا ہاتھ قدرت کا ہاتھ ہے۔ یہ میدان جنگ نہیں یہ میدان قیامت ہے جہاں ہر شخص کو جان کی پڑی ہوئی ہے حسین کی تلوار نے خون کے دریا بہادئے اور دو چار نہیں سینکڑوں جانیں اس تلوار کی نذر ہو گئیں اور کون کہتا ہے کہ اس تلوار کی آگ کتنے گھر اور خاندان تباہ کر دے گی۔ عمر و سعد غنیمت سمجھ کہ فوج اپنی جگہ پر قائم ہے اور قدم نہیں ہٹے تو حسین کی طاقت سے واقف تھا ہمکو جان بوجھ کر موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ آنکھیں کھول اور دیکھ تلوار نہیں چھلاوہ ہے، بجلی ہے، پر کالا ہے۔ آنکھیں خیرہ ہو رہی ہیں کدھر سے آتی ہے کدھر جاتی ہے عمر و سعد یہ دیکھ گردنیں رو تی

اور جسم پھڑکتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ تلوار خون کی نظر آ رہی ہے مگر پتہ نہیں چلتا کب اٹھی، کدھر گری اور کہاں نکلی۔ دل کانپ رہے ہیں، جسم تھرا رہے ہیں اور گردنیں سکڑ رہی ہیں۔ تلوار کی آواز بجلی کی چمک ہے کہ گرج کی خبر ہے اور گرنیکا پتہ نہیں۔ اٹھتی دکھائی دیتی ہے گرتی معلوم ہوتی ہے لیکن جاتی دکھائی نہیں دیتی ارے بدبخت شجاعت کا ایک سمندر ہے جو حسینؑ کی تلوار سے ابل رہا ہے۔ صداقت کے بادل ہیں کہ اس کی تلوار سے جھوم جھوم کر برس رہے ہیں۔ ہماری گردنیں اڑا کر اس تلوار کا اور ہمارے دل بلک بلک کر اس کا منہ چوم رہے ہیں۔" عمر وسعد ضبط نہ کر سکا اور قہر آلود نگاہوں سے جبلہ کو دیکھ کر ایک ایسی تلوار ماری کہ سر الگ جا پڑا۔ اس کے بعد آگے بڑھا اور کہا۔ "حسینؑ کو میدان میں روک کر ایک دستہ خیموں میں جائے اور آگ لگا دے کہ حسین کی عورتیں باہر نکل آئیں اور میں حسین کے بدلے زینب کے خون سے اپنی تلوار رنگ لوں۔"

امام حسینؑ نے یہ سن کر عمر وسعد سے کہا۔ "کیا شجاعت اسی کا نام ہے اور اسی بر تے پر یزید کی بیعت لینے آیا تھا۔ ابھی حسینؑ بن علی زندہ ہے اور تیرے ایک دستے کی کیا ان ہزاروں آدمیوں کی مجال نہیں کہ ناموس رسالت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ لیں۔"

یہ کہہ کر امام حسینؑ آگے بڑھے۔ ہر طرف سے وار ہو رہے تھے اور تیروں پر تیر پڑ رہے تھے مگر امام حسینؑ کی تلوار ہر طرف قتل عام کر رہی تھی اور کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ سامنے آئے۔

عمر وسعد نے ہر چند کوشش کی مگر ہر تدبیر بے سود رہی۔ دفعتاً برق رفتار گھوڑے نے فرات کا رخ کیا اور چشم زدن میں مع سوار کے دریا کے اندر تھا۔ چاہتا . . . .

تھا کہ پانی میں منہ ڈالے مگر آقا کی صورت دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ حسینؑ نے ارادہ کیا کہ پانی پئیں، چلو بھر اگر بچوں کی پیاس نے منہ تک نہ جانے دیا ادھر عمر وسعد نے شمر سے کہا "مردہ نے زندوں کو مردہ کر دیا۔ اب اگر مردہ زندہ ہو گیا تو مردے اور زندے چیختے چلاتے میدان سے بھاگیں گے۔ ایسا نہ ہو حسینؑ کے حلق میں پانی کا قطرہ پہنچ جائے" امان نامی ایک شخص نے اس وقت ایک تیر مارا جو امام کے حلق میں گھسا اور تمام منہ لہو لہان ہو گیا۔

درود اس نانا پر جو ہادی برحق تھا۔ اس ماں پر جو سیدۃ النساء تھی اس باپ پر جو شیر خدا تھا۔ اس بچہ پر جو اس تیر سے زخمی ہوا۔

خون کی کلیاں تھوکتے ہوئے میدان میں تشریف لائے۔ عمر وسعد یہ سمجھ کر کہ زخم کاری ہے سامنے آیا اسکی صورت دیکھتے ہی امام نے فرمایا۔ "سامنے سے غارت ہو جا" یہ سنتے ہی عمر وسعد کے ہوش جاتے رہے پیچھے ہٹا اور شمر ذی الجوشن سے کہا "اپنا تمام دستہ لے کر لوٹ پڑ۔ چنانچہ سو پیادے ساتھ لے کر شمر نے حلقہ ڈال لیا مگر مقصد حاصل نہ ہوا اور امام نے ان پیادوں کا بھی صفایا شروع کر دیا اس وقت اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ کوئی مکر کیا جائے۔ با آواز بلند کہا۔ "بھائی کی آگ میں زینب آگئی"

امام کا ادھر دیکھنا تھا کہ ذرعا بن شارق نے بائیں ہاتھ پر تلوار ماری اور یہ ایسا وار تھا کہ ہاتھ کٹ گیا۔

درود نانا پر اس کی بیٹی اور اسکے نواسے پر

امام نے قصد کیا کہ ذرعا کو اس حملہ کا جواب دیں مگر خون کے فوارے نے اس قدر کمزور کر دیا کہ گر پڑے اور سنان بن انس نے گرے ہوئے زخمی سینہ

اور کربلا کے دولہا کو ایسا نیزہ مارا کہ سینہ سے پار ہو گیا۔

آج جمعہ کا روز ہے۔ اور دنیائے اسلام کے ہر حصہ میں عید المومنین منائی گئی ہے۔ خطبے ختم ہوئے نمازیں پڑھی جا چکیں۔ نعرہ ہائے توحید اور صدائے تکبیر بلند ہو چکی۔ اسوقت سے چند لمحے پہلے عربستان کی مسجدوں میں جس پیغمبر آخر الزماں کا نام گونج رہا تھا اس کے نواسے اسکے بیٹے اس کے پیارے اسکے جگر گوشے حسینؑ کے سینے میں سنان بن انس کا نیزہ آر پار ہے اور دوشِ رسول کا سوار کربلا کی جلتی جھلسی ریت میں چت گرا ہوا ہے۔ عمر وسعد اور اس کی فوج خوشی کے مارے اچھل رہی ہے اور حسین بن علی کے تڑپنے پر ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے ہیں۔ آخر سنان نے نیزہ باہر کھینچا اور اسکے ساتھ ہی جگر کے ٹکڑے باہر آ گئے شمر اس وقت خنجر لے کر آگے بڑھا تو دیکھا چہرہ پر مسکراہٹ ہے حیرت زدہ ہو کر خاموش ہو گیا تو خولی قریب پہنچا اور کہا دم واپسیں ہے اگر زندہ حسین کا سر کاٹوں گا تو یزید مالا مال کر دے گا۔ یہ کہہ کر ان کے سینہ پر سوار ہوا جس کو فاطمہؓ اور علیؓ بوسے دیتے تھے جس کو رسولِ عربی نے آنکھوں سے لگایا تھا۔ امام عالیمقام نے خولی سے کچھ فرمانا چاہا مگر خولی نے مہلت نہ دی اور سیدہ کے لال کا سر تن سے جدا کر کے نیزہ پر بلند کر دیا۔

زینب اور شہربانو کی آنکھیں صبح سے روتے روتے اب تھک کر خاموش ہو گئی تھیں آنسو خشک ہو چکے تھے اور دم کے سوا کچھ باقی نہ تھا۔ امام کا سر نیزہ پر دیکھ کر تنند بھاوج چیخیں مار کر لپٹیں اور بیہوش ہو کر گریں۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا تو پھر جھانکنے آئیں کہ سر کو دیکھیں مگر اب عمر وسعد کے حکم سے اس جسم پر جسکی روح ثبات و استقلال کے رنگ دنیا کو دکھا گئی گھوڑے کو درہے تھے کہ ہڈی پسلی چکنا چور ہو جائے۔ شہربانو یہ کیفیت دیکھ کر کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئیں مگر بی بی زینب سے ضبط نہ ہو سکا اور آواز بلند للکار کر کہا۔

عمر وسعد اگر قتل کر لینے اور خانماں برباد کر دینے کے بعد بھی عداوت کی آگ نہیں بجھی تو صرف اتنا کر کہ مردوں کو سامنے سے ہٹا دے کہ حسینؑ کی لاش کو گود میں لے لوں اور تیرے گھوڑے مردہ بھائی کے ساتھ زندہ بہن کو بھی کچل دیں۔"

عصر کی نماز ہو چکی تھی دھوپ کی شدت میں فرق آ گیا تھا اور آفتاب نے اپنا چہرہ کرنوں کے ہاتھ سے پٹ پٹ کر سرخ کر لیا تھا کہ شمر اور عمر سعد اکڑتے دندناتے ہنستے قہقہے لگاتے خیمہ میں داخل ہوئے وہ آواز جس نے زمین و آسمان کو تھرا دیا۔ وہ آواز جس نے خیمۂ امام میں آگ لگا دی۔ وہ آواز جس نے کربلا کو خاک سیاہ کر دیا دفعتاً فضاء شہادت میں گونجی اور ریگستان کربلا کے کانوں میں یہ صدا پہنچی ۔

شمر! تیری آنکھیں پھوٹ جائیں اس سے پہلے کہ زینب بنت علی پر نظر ڈالتا۔ زمین شق ہوتی میں اندر سما جاتی اس سے پہلے کہ بے حجاب تیرے سامنے کھڑی ہوتی۔ آج میرے معصوم چہرے کو تیری خونخوار نظروں سے بچانے والے شہید ہو چکے۔ جفاکار اپنی آنکھیں پھوڑ ڈال اور مجھ کو نہ دیکھ۔ او سنگدل میں زینب بنت علی ہوں ۔ اس وقت میرا باپ علیؑ اور میرے بھائی حسنؑ اور حسینؑ زندہ نہیں ہیں اور ملعون میرے دونوں بچے تیری فوج نے ذبح کر دئے۔ ملعون میرے سامنے سے ہٹ جا۔ میں رسول زادی ہوں اور اس رسول کی نواسی ہوں جس نے حاتم طائی کی قیدی لڑکی کو اپنے ہاتھ سے ردا اڑھائی ۔

پھوپی کی آواز سنکر خیمہ کا بیمار اٹھا اور چاہتا تھا کہ شمر کو تلوار سے مارے مگر نہ چلا گیا اور گر پڑا شمر نے فیصلہ کیا کہ فوراً زین العابدین کو قتل کرو تاکہ حسینؑ کا نام و نشان دنیا سے مٹ جائے اور اس طرح بنو فاطمہ کا کھٹکا مطلق باقی نہ رہے مگر عمر وسعد نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا۔ عابد بیمار کا قتل یزید

کے حکم پر منحصر رکھا اور حکم دیا کہ دونوں عورتوں کے کپڑے اور زیور اتار کر رسیوں سے باندھ دو اور زین العابدین کو اسی رسی میں جکڑ کر تینوں کو ایک اونٹ پر بٹھا دو اور باقی کو دوسرے اونٹوں پر۔

خانماں برباد قافلہ

جب یہ قافلہ روانہ ہوا تو سب سے آگے اونٹ پر علی کی بیٹی ہو اور عابد بیمار مشکیں بندھی ہوئی سوار تھے۔ یہ وہ دردناک منظر تھا جس کو انسانی آنکھیں آسانی سے نہ دیکھ سکتی تھیں۔ بیمار کو غش پر غش آ رہا تھا۔ اور پھوپی سنبھالتے تھے مگر اس کی زبان سے حسین کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ کربلا کے ریگستان کا ذرّہ ذرّہ اپنے مہمان کی مصیبت پر ڈھاریں مار رہا تھا۔ چاند روتا پیٹتا طلوع ہوا۔ اور تارے چیختے چلاتے نمودار ہوئے۔ عمر وسعد۔ شمر اور خولی شب ماہ کا لطف اٹھاتے ایک پڑاؤ پر ٹھہرے۔ پہرہ میں سختی کر دی گئی اور اس لئے کہ قیدی بھاگ نہ جائیں رسیاں کھینچ کر مضبوط کر دی گئیں۔

رات ایک ہی تھی آسمان و زمین بھی وہی تھے۔ چاند اور تاروں میں بھی کوئی فرق نہ تھا۔ مگر عمر وسعد و شمر اور خولی کی رات امیدوں سے بھری بھری اور توقعات سے لبریز تھی۔ زینب، شہربانو، اور عابد بیمار کی رات قیامت کی رات تھی! جو کسی طرح نہ کٹتی تھی آخر خدا خدا کر کے صبح صادق نمودار ہوئی اور جنگل بیابان میں عابد کی صدائے توحید نے شجر و حجر کے کلیجے توڑ دئے۔ وہ تینوں پڑے سنتے اور آوازے کستے رہے اور ان تینوں نے بندھے بندھے نماز فجر ادا کی۔ رات کی تاریکی آہستہ آہستہ فنا ہو رہی تھی اور قدرت نے دن کی روشنی کی ہلکی سی چادر جنگل میں بچھانی شروع کر دی تھی۔ ہوا کے جھونکے ٹھنڈے تھے اور پرندوں کا نغمہ فضا آسمانی میں تیر رہا تھا کہ زمین سے زینب بنت علیؑ کی یہ دعا جنگل میں گونجی۔

خالق الموجودات! حسین کے بعد زینب کی پہلی رات ختم ہوئی رات کس طرح کٹی اور دل پر کیا گزری؟ اس کا حال تیرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ زمین سیانپ بنکر ڈستی رہی اور آسمان پہاڑ کی طرح ٹوٹتا رہا مگر تقدیر میں ابھی موت نہ تھی۔ الٰہ العالمین مجھ کو معلوم ہے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد آج پہلی مرتبہ تیرے حضور میں اس طرح حاضر ہوئی ہوں کہ ایمان ملامت کر رہا ہے لیکن تو جانتا ہے کہ میں مجبور ہوں۔ مجھے پانی میسر نہیں کہ وضو کرتی مٹی نصیب نہیں کہ تیمم کرتی۔ میری گردن اور ہاتھ بندھے ہیں رکوع کے لائق ہوں نہ سجدے کے۔ اے عالم الغیب ہم تینوں کی یہ نماز قضا کے برابر ہے مگر جس طرح بھی ادا ہو سکی پڑھی۔ اگر قبول کی فرمائیے تو نکتہ نوازی ہے" زینب کی اس دعا سے عمر وسعد قریب آیا اور کہا اگر پھندہ سخت ہے تو مجھ سے کہدیتیں میں ڈھیلا کر دیتا نماز کا عذر غلط ہے۔ بی بی زینب نے آہستہ فرمایا جس سے عذر کر رہی ہوں وہ دیکھ رہا ہے کہ ہم تینوں کے جسم رسیوں سے نیلے پڑ چکے ہیں اے عمر وسعد شرم کا وقت ہے میں نے اپنے بچہ کا بخار اپنے ماتھے کو اس کی گردن پر رکھ کر دیکھا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ ایمان و انصاف یزید اور دربار یزید سے رخصت ہو چکے کہ ابن زیاد جیسے روسیاہ اور تجھ جیسا سنگدل مخلوق خدا کے حاکم ہوے۔ ذرا اس کے جسم کو ہاتھ لگا یہ بخار میں جھلس رہا ہے اور روسیاہ یہودی بیمار بھیڑ کو قربانی تک کے واسطے جائز نہیں سمجھتے۔ تو نے رسول اللہ کے مریض نواسے کو قیدی بنایا ہے۔ بنو فاطمہ دنیا سے رخصت ہو چکے انکی ایک نشانی عابد بیمار زندہ ہے جس کا تماشہ دکھانے تو ابن زیاد اور یزید کی قربان گاہ میں لے جا رہا ہے۔ عمر وسعد، شمر اور خولی ایمان کی آنکھوں میں اپنے اعمال کو پرکھو اور انتظار کرو اس روز کا جس کی خبر نانا جان کی زبان مبارک نے کلام الٰہی کے حوالہ سے دی ہے اور جس کا نام یوم الحق ہے"۔

امام زین العابدین نے پھوپی کو روکا اور کہا جو ہونا تھا وہ ہوگیا اس پر
بحث فضول اور گفتگو بیکار ہے البتہ ہم عمر سعد سے ایک کرم کے خواستگار ہیں
کہ ہمارے باپ کا سر جو رات بھر ہماری آنکھوں کے سامنے پڑا رہا ہم کو دیدے
ہم سے زیادہ بدبخت انسان دنیا میں کون ہوگا کہ رسیوں میں اس طرح گرفتار
ہیں کہ انگل بھر سرک نہیں سکتا۔ اگر یہ کہوں کہ رسیاں ڈھیلی کردو تو گنہگار اگر
یہ خواہش کروں کہ مجھ کو میرے باپ کے سر تک پہنچا دو تو خاطی۔ ہاں۔ یہ
خواہش ہے کہ حسینؑ کا سر میری گود میں ڈال دو۔ میں اسے سینہ سے چمٹائے ابن
زیاد اور یزید کے دربار میں ہنسی خوشی چلا جاؤنگا" خولی نے جواب دیا کہ
تو بیمار ہے اور شاید دمشق تک پہنچنے سے پہلے ہی موت آجائے۔ مگر سن اور سمجھ کہ
جس طرح تو اس سر کے واسطے بے چین ہے اس سے بہت زیادہ میں انعام کے
واسطے مضطرب ہوں۔ تیرا باپ گمراہ تھا اس نے خلیفہ یزید کی بیعت سے
انکار کرنیکے بعد ہمکو کافی اذیت پہنچائی تو بہی غنیمت سمجھ کہ ہم نے تم لوگوں کے
سامنے حسینؑ کے سر کو نہ ٹھکرایا۔ اگر تو وعدہ کرے تو اس کو اپنے پاؤں سے
ٹھوکریں ماریگا تو یہ سر تجھ کو مل سکتا ہے"! بیمار کے پاس اسکا جواب ایک
خاموشی تھی جو ان تینوں کے علاوہ تمام اہل بیت پر طاری ہوئی۔ مسلم بن عقیل کا
خاندان اسکی تاب نہ لاسکا اور مسلم کی شہزادی نے کہا چپ زبان روک ایسی
گستاخی نہ کر کہ زمین تجھکو نگل لے یہ سر جو تیرے سامنے پڑا ہے اب بھی دونوں جہانکا مالک ہے۔

حسینی قافلہ کوفہ میں

کوفہ جس کی مکاری امام حسین کی شہادت کا بڑا سبب ہوئی۔ کربلا کا المناک
نتیجہ سن چکا۔ آج اس کی سرزمین اپنے لٹنے والوں پر اور لیٹنے والوں کے ایمان
اپنی دغابازی پر لعنت ملامت برسا رہی ہیں بچے اور بڈھے مرد اور عورتیں یہ معلوم

کر کے خاندان رسالت جو انکی طلبی پر آیا تھا کربلا میں پہنچکر تاراج ہو گیا اور خانماں برباد قافلہ مع سر کے ابن زیاد کے پاس جا رہا ہے۔ سر نگوں بیٹھے ہیں ان کے اعمال ان کے دھوکے ہر طرف سے انکے سامنے آتے ہیں۔ انکی آنکھیں انکو وہ سماں یاد دلاتی ہیں کہ کس طرح انہوں نے لمبے چوڑے وعدے کئے اور بالآخر مسلم اور مسلم کے بچوں کی جان لی۔ ان کا ایمان انکو بتاتا ہے کہ ابن زیاد کے خوف اور دنیا کی محبت نے ان کی دنیا و دین دونوں برباد کر دئے۔ ان میں سے بعض تڑپ اٹھتے ہیں اور آنکھوں سے خون کے دریا بہہ جاتے ہیں۔

عمر وسعد نے کوفہ سے ادھر پڑاؤ کیا اور بہت سے کوفی جنگل میں منگل دیکھنے کی غرض سے موقعہ پر آئے۔ آدھی رات کے سنسان وقت میں زینب بنت علیؑ کے ہورسیوں سے بندھی ہوئی خدائے بہتر و برتر کے حضور میں تھی کان میں دفعتاً یہ آواز پہنچی۔

"بی بی میں حاضر ہو جاؤں؟"

نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ایک بڑھیا عورت سر پر ردا ڈالے منہ چھپائے سامنے کھڑی ہے چاند نے بڑھیا کو صورت پہچاننے میں مدد دی۔ اجازت ملتے ہی قدموں میں گر پڑی اور ہاتھ جوڑ کر کہا "غریب اور محتاج ہوں۔ یہ تھوڑا سا ثرید اور پانی اس امید پر لائی ہوں کہ قبول ہو گیا تو بیڑا پار ہے۔ بی بی میں غیر نہیں ہوں مجھے مدینہ میں بی بی فاطمہ کی کفش برداری کی عزت حاصل ہوئی ہے۔ فرمائیے آپ انکی کون ہیں اور بتول کے لخت جگر سے آپ کا کیا تعلق ہے۔ میں جسوقت کا ذکر کر رہی ہوں اُس وقت میری مالک میری آقا بی بی فاطمہ کی گود میں ایک بچی تھی جس کا نام زینب تھا بتا رسول زادی خدا کے واسطے بتا تیرا نام کیا ہے میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ صورت جو عرصہ سے اوجھل تھی آج پھر سامنے ہے اور میں اسوقت بنت الرسول کو

اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔"
بی بی زینب کی آنکھ سے آنسو کی لڑیاں بہہ رہی تھیں۔ انہوں نے بڑھیا کا سر اٹھایا اور کہا۔ "میں فاطمہؑ کی بیٹی نہیں لونڈی ہوں۔ بی بی کی خدمت میں عمر گزاری ہے اس لئے وہی عادت و خصلت پیدا ہو گئی تو محبت سے جو کچھ لائی ہے سیدہ کی کنیز اس کو سر آنکھوں پر رکھے گی۔ تو نے اس جنگل اور پردیس میں ہم مظلوموں کی مہمان نوازی کی۔ ہماری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔ خدا تجھ کو خوش رکھے۔"
بڑھیا نے ہاتھ گلے میں ڈال دئے لپٹ گئی اور کہا "زینب میں نے تجھ کو گود میں کھلایا ہے تو یقیناً بنت الرسول کے کلیجہ کا ٹکڑا ہے۔ لہٰذا میری آقازادی مجھ سے پردہ نہ کر۔ یہ شکل و صورت میری بی بی کی ہے۔ میرا دل بگڑ رہا ہے۔ میں دو پہر سے بیٹھی اپنے مولا کے سر کو آنکھوں سے لگا رہی تھی۔ زینب میرے سر پر ہاتھ رکھ دے اور آخر وقت خوش خبری سنا دے کہ میں خوش و خرم دنیا سے رخصت ہو جاؤں اور معلوم ہو جائے کہ جان بنت الزہرا کے قدموں میں نکلی۔
بڑھیا یہ کہہ کر الگ ہوئی اور امام حسینؑ کا سر گود میں لیکر چیختی ہوئی بی بی زینبؓ کے قدموں میں گری اور کہا "بی بی مجھ کو اجازت دے کہ اس سر پر اور ان قدموں پر قربان ہو جاؤں۔"
بڑھیا کی حالت ردی ہو گئی تو بی بی زینبؓ نے اس کا سر گود میں لیا اور کہا۔ "ہاں بنت الرسولؐ کی لونڈی زینبؓ میں ہی ہوں۔ اتنا سنتے ہی بڑھیا پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اس نے ایک چیخ ماری اور ختم ہو گئی۔
خانماں برباد قافلہ جب کوفہ کے بازاروں میں اس طرح پہنچا کہ آگے آگے یزید کے قیدیوں کا اونٹ تھا ان کے پیچھے مسلح محافظ ان کے بعد باقی اہلبیت فوج کی حراست میں۔ تو لوگ تماشہ دیکھنے باہر نکل آئے شہربانو اور بنت علیؓ نے جن کے

ہاتھ جکڑے ہوئے اور سر ننگے تھے اپنی گردنیں نیچی کر لی تھیں کہ غیر محرم انکو نہ دیکھ سکیں

عبیداللہ ابن زیاد کے دربار میں

عبیداللہ ابن زیاد کا دربار آراستہ ہو رہا ہے کامیابی کے خیال نے اس کا دل باغ باغ کر دیا ہے۔ خوشنودی یزید کی توقعات۔ انواع و اقسام کے لباس میں اس کے روبرو جلوہ گر ہیں۔ ایک مرصع تخت کے ارد گرد کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔ قلعہ قسم قسم کے تکلفات سے سجایا گیا ہے مسلح سپاہی سر چہار طرف کھڑے ہیں۔ خبر گزار دور دور نکل گئے ہیں کہ قافلہ کے آنے کی خبر پہنچائیں ابن زیاد اور اس کے ہوا خواہ آزادی اور بے فکری سے قہقہے لگا رہے ہیں عصر کی نماز ختم ہو چکی تھی۔ قافلہ کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا جس وقت سادات کے اونٹ قلعہ کے قریب پہونچے تو فاطمہ بنت زیاد منہ پر نقاب ڈالے باہر نکلی اور دور سے خاموش کھڑی یہ سماں دیکھتی رہی یہانتک کہ عمر سعد اور شمر کے حکم سے رسی سے بندھی ہوی سیدانیاں اتاری گئیں۔ عابد بیمار کی حالت گرمی کی شدت اور سفر کی تکان سے بگڑ رہی تھی ظالموں نے عورتوں کے ساتھ بیمار کے ہاتھ بھی کمر کے پیچھے باندھ رکھے تھے اور قدم نہ اٹھ سکتا تھا اونٹ سے اترتے وقت بیمار کو ضعف آیا اور بے حال ہو کر گرا۔ زینبؑ اور شہربانوؓ سکینہؓ اور مسلمؑ کی شہزادی یہ کچھ دیکھ رہی تھی۔ ان کے دل رو رہے تھے لیکن اتنی مجال نہ تھی کہ اُف کر سکیں یا ایک قدم بڑھا سکیں۔ عابد کے گرنے سے سر زخمی ہوا اور خون نکلنے لگا تو زینب نے بیقرار ہو کر کہا اے سنگدل ظلم کی انتہا ہو چکی۔" فاطمہ بنت زیاد یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی وہ قریب آئی اور کہا جس بھائی نے یہ ستم توڑے ہیں اس کی بہن ان قدموں کی خاک اکسیر سمجھتی ہے۔ کاش ماں مجھ کو نہ جنتی کہ میں خاندان نبوت کا یہ حشر ان پھوٹی آنکھوں سے دیکھتی عبید۔ خدا اس پر بجلی گرائے اس حکم سے پہلے زمین میں دھنس جاتا۔ فاطمہ کچھ اور کہتی مگر شمر اور خولی نے حکم دیا کہ قیدیوں کو قلعہ میں داخل کرو۔

اب وہ سماں ہے کہ ابن زیاد تخت پر جلوہ گر ہے اور سید الشہدا کا سر اسکے سامنے! خدام دست بستہ اور دوست دائیں بائیں کھڑے اور بیٹھے ہیں۔ ظالمانِ کربلا تمام واقعات اپنے اپنے کارنامے اور شجاعت کے گیت سنا رہے ہیں۔ دفعتاً ابن زیاد نے آنکھ اٹھا کر سامنے دیکھا اور کہا یہ عورت کون ہے؟"

عمر وسعد نے جواب دیا۔ یہ حسینؑ کی بہن زینبؓ ہے۔

ابن زیاد کے چہرہ پر مسکراہٹ آئی اور کہا۔

زینب! ایک مچھلی سارے جل کو گندہ کر دیتی ہے ایک حسینؑ کی نافرمانی سے تمام خاندان تہس نہس ہو گیا۔ یہ نافرمانی کا انجام ہے الحمدُ للہ حسینؑ کی کوششیں بیکار ہوئیں اور اس نے بغاوت کا انجام دیکھ لیا۔ تم نے دیکھا کس طرح خدا نے تم کو تمہارے اعمال کی سزا دی۔

بی بی زینب نے مسکراتے ہونٹوں کا سنجیدہ زبان سے اس طرح جواب دیا "حسینؑ نے جو کچھ کیا خدا اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق"، زندگی اس کے قدموں پر قربان ہو رہی تھی اور تیرا سپہ سالار عمر وسعد اور ایک عمر وسعد ہی نہیں ہر بے ایمان ترغیب دے رہا تھا کہ حسینؓ کا ہاتھ تجھ جیسے جفا شعار کے ہاتھ میں پہنچ جائے مگر حسین نے اسلئے کہ اسکی بیعت اسلام پر ایک ایسا دھبہ ہوتی جو بتول فاطمہ کے مٹائے نہ مٹتی۔ حق پر نہ صرف اپنی بلکہ اپنے عزیزوں تک کی جانیں نثار کر دیں اور ہر اذیت کو ہنس کھیل کر گوارا کر لیا۔ مگر تو نے اور تیرے ہمنوا روسیاہوں نے بنو امیہ کے دامن پر ایسا داغ لگا دیا جس کو مسلمانوں کے آنسو قیامت تک نہیں دھو سکتے۔ کیا کوئی مسلمان آنکھ یہ تماشہ دیکھ سکیگی کہ تیری حقیقی بہن فاطمہ بنت زیاد جسکا نام فاطمہ محض بی بی فاطمہ کے تقدس پر رکھا گیا پردے اور برقعہ میں کھڑی ہو اور سچی فاطمہ کی بیٹی زینب جسکے سر پر اسلئے کہ تلاوتِ کلام الٰہی میں کھل گیا تھا سرور عالم

نے اپنے دست مبارک سے ردا اڑھائی تیرے سامنے ننگے سر قیدی بنی کھڑی ہو۔ میرے نانا نے بنت اشعب کو غزوۂ تبوک میں چادر اڑھائی اور تو نے اپنے دربار میں رسولؐ زادیوں کو بے نقاب کیا۔ تیری ماں بہنیں حجاب کے احکام کی تکمیل کریں اور جس پر حکم نازل ہوا اس کی بہو بیٹیاں بے نقاب کی جائیں۔ حسینؑ نے حق و باطل کا فیصلہ کر دیا اور تم لوگوں کو بتا دیا کہ سچا مسلمان ایمان کے معاملہ میں جان اور خاندان کی پرواہ نہیں کرتا۔"

ابن زیاد نے اس کا جواب صرف اتنا دیا "یہ تمہارے بھائی کا سر ہے جو خدا کے حکم سے قتل ہوا اور اپنے کئے کی سزا بھگتی۔" عابد بیمار نے جواب میں کلام الٰہی کی آیت پڑھی جس کا مطلب یہ تھا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جس سے مفر نہیں میری پھوپی نے جو کچھ کہا اس کا جواب دے اور دیکھ ہم نے غیر مسلموں کے ساتھ کیا سلوک کئے اور تم مسلمانوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا۔ ابن زیاد! موت تیری زندگی پر ہنس رہی ہے اور اختیار تیری بے اختیاری یاد کر کے رو رہا ہے۔ تو نہ دیکھ مگر ہم دیکھ رہے ہیں۔ تیری حکومت اپنی انتہا مجبوری اور بے کسی پر جو آنے والی ہے رو رو کر احکم الحاکمین کی ابدی و ازلی طاقت کے گیت گا رہی ہے میرے نانا نے تم کو اسی لئے مسلمان کیا تھا کہ تم ان ہی کے پیاروں کو ذبح کرو اور کیا تم نے اسی لئے کلمہ توحید پڑھا تھا کہ گلشن توحید کے بہتے ہوئے پھولوں کو اس طرح رسیوں سے کسو کہ جسم نیلا ہو جائے اور قدم نہ اٹھا سکیں۔"

اس کا جواب ابن زیاد نے کچھ نہ دیا اور ایک چھڑی سے سید الشہدا کے سر کو چھیڑنے لگا۔ اس پر یزید بن ارقم صحابی رسول اللہؐ سے ضبط نہ ہو سکا اور انہوں نے فرمایا "کیا کرتا ہے چھڑی ہٹا لے اور ادب سے کام لے میں نے ان رخساروں پر رسول اللہ کو بوسے دیتے دیکھا ہے۔"

ابن زیاد یہ سن کر آپے سے باہر ہو گیا اور کہا تمہاری اس گستاخی کی سزا قتل ہے۔ زید کھڑے ہوئے اور کہا "جو کچھ کر چکا اعمال نامے کی بربادی کو وہی کافی ہے اور کچھ باقی ہو تو وہ بھی کر لے۔ جو آنکھیں حسین کے سر سے خوش ہو سکتی ہیں اور جو کچھ نہ دیکھیں تھوڑا ہے یہ تماشا بھی دیکھ لے"۔

ابن زیاد مصلحتاً خاموش ہو گیا اور کہا "اگر صحابہ رسول اللہ نہ ہوتے تو یقیناً قتل کر دیتا"۔ زید نے جواب دیا "جس کے صحابہ ہونے کا یہ اعزاز اسی کے جگر گوشہ کی تذلیل! لا حول و لا قوۃ الا باللہ" زید کے یہ الفاظ یاد رکھ کہ میدان حشر میں تیری ماں بہنوں اور بہو بیٹیوں کی اس سے زیادہ تذلیل اور تضحیک تیری آنکھوں کو دیکھنی ہے۔

تیری بہن فاطمہ بنت زیاد اس وقت برقعہ میں ہے مگر اب اس ساعت کا انتظار کر جب اس خانماں برباد قافلہ کے جو جنت کے مالک ہیں قدموں پر فرشتے آنکھیں ملیں گے حوروں کا دامن انکا حجاب ہوگا اور تیری ناموس کی بربادی ہوگی۔ حوادث کربلا ختم ہوئے۔ سیدانیوں کے مصائب ختم ہو رہے ہیں مگر تیری تباہی کا اب آغاز ہونے والا ہے۔ حسینؑ کی شہادت دیکھ چکا دنیا دی بہار ہو چکی اب ان کا تماشہ اور غضب الٰہی کا تماشہ دیکھ"۔

ابن زیاد نے پھر وہی الفاظ دہرائے "صحابیت کا احترام ہے"، اور حکم دیا کہ قیدیوں کی رسیاں اور کس دی جائیں،، اس کے بعد قافلہ مع سر کے دمشق روانہ ہوا۔

دربار یزید

دمشق میں فتح کی خبر پہلے ہی پہنچ گئی تھی اور قصر یزیدی میں ہر طرف خوشیاں منائی جارہی تھیں مگر اس کے ساتھ ہی یزید کو اندیشہ تھا کہ گو میں نے فتنہ ختم کر دیا مگر اس کے بعد جو مصیبت نازل ہوگی اس کا انسداد تدبیر اختیار سے باہر ہے مسلمان مجھ سے برگشتہ ہو گئے اور اپنے دلوں میں ضرور کہتے ہوں گے کہ جب میں نے

رسولؐ کے نواسے کے ساتھ یہ سلوک کیا تو میرے اسلام پر لعنت ہے وہ مجھ پر اعتماد نہ کریں گے اور بہت ممکن ہے کہ اسکا بدلہ مجھ سے لیں چنانچہ اس نے کربلا کا حال سنکر علی الاعلان بھرے دربار میں یہ الفاظ کہے۔

"خدا اس لونڈی بچے عبید کو تباہ کرے جس نے امام حسینؓ کو قتل کیا"

عمرو سعد شمر اور خولی ہشاش بشاش اور باغ باغ دنوں کی منزلیں گھنٹوں میں طے کرتے دمشق جا رہے تھے انکے اختیار میں نہ تھا کہ کسی طرح اڑ کر پاس پہنچ جائیں بہادری کی داد لیں اور فتح کے مفصل حالات سنا کر انعام واکرام سے مالا مال ہوں۔ اور منہ مانگی مرادیں پائیں۔ یزیدیوں کے ہاں جشن ہو رہے تھے، دن عید اور رات شب برات تھی۔ رات بھر چراغاں اور دن بھر رنگ رلیاں قافلۂ سادات مارا مارا چلا جا رہا تھا۔ عورتیں اور بچے جن کا وارث سوائے ایک بیمار کے کوئی نہ تھا تھک کر چور ہو گئے مگر ظالموں کو اپنی خوشیوں میں ان پر رحم نہ آیا جس وقت یہ قافلہ موصل کے قریب پہنچا تو وہاں کے باشندوں نے والی موصل کے اشارے سے دروازے بند کر لئے عمرو سعد اور شمر متحیر ہو گئے کہ بجائے اس کے کہ ہماری خوشیوں میں شریک ہوتے خاطر مدارات کرتے استقبال میں مصروف ہوتے ہم سے متنفر ہو گئے کیا یہ لوگ بھی یزید کی حکومت سے باغی ہو گئے ہیں؟ انہوں نے حیرت و تعجب سے موصلیوں کے سامنے جو ان پر لعن طعن کر رہے تھے۔ یہ باتیں کہیں مگر وہ مطلق نہ ڈرے اور کہا جب یزید نے خاندانِ رسالت کے ساتھ یہ کیا اور تم جیسے ناہنجار مسلمانوں نے اس کا ساتھ دیا تو ہم کو اس سے اور تم سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ بہتر ہے کہ تم فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ اور جو کچھ تمہارے دل میں آئے یزید سے کہدو۔ موصل کی اس ایمانداری کا اثر یہ ہوا کہ آگے بڑھ کر حلب۔ غسلان۔ رے۔ کسی جگہ بھی عمر سعد نے قیام نہ کیا۔

جب رات ہو جاتی تو اتر پڑتا اور صبح ہوتے ہی آگے روانہ ہو جاتا۔
آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ شہداء کے سر اور سادات کا قافلہ دمشق پہنچا صبح ہی سے یزید کا دربار سجایا جا رہا تھا اور لوگ جوق در جوق جمع ہو رہے تھے۔ مرصع تخت کے ہر چہار طرف ایرانی قالین بچھے ہوئے تھے چپہ چپہ پر مسلح سپاہی کھڑے تھے اور فتح کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ عمر و سعد نے موصل کی کیفیت قاصد کی زبانی یزید سے کہلا بھیجی۔ وہ پہلے ہی خائف تھا اور سمجھتا تھا کہ دربار کے اس مجمع میں گو زبانیں جانوں کے خوف سے اظہار مسرت کر رہی ہیں مگر دل حسینؓ کے قتل اور میرے ظلم پر رو رہے ہیں اس نے اپنے الفاظ پھر دہرائے اور اس وقت بھی کہا "میرا مقصد ہرگز یہ نہ تھا جو ہوا۔ حسینؓ کے سر کو سونے کے طشت میں رکھ کر میرے سامنے لاؤ"۔

وہ ساعت قیامت سے کم نہ تھی۔ جب شہدا کے سر یزید کے سامنے پیش ہو رہے تھے۔ رسی سے بندھی ہوئی سیدانیاں، معصوم بچے اور بیمار عابد اس کے سامنے کھڑے تھے۔ شمر نے یہ دیکھ کر کہ یزید مسلمانوں کے خوف سے پریشان ہے بشیر بن مالک سے کہا "آپ امام حسینؓ کا سر پیش کیجئے اور کہئے کہ میں نے قتل کیا ہے" بشیر بن مالک اس دھوکے میں آ گئے۔ لالچ نے ان کو اندھا کر دیا اور سر سامنے رکھ کر فخر سے کہا "اس کا جھگڑا مٹانے والا میں ہوں"۔

یزید نے عابد بیمار یعنی امام زین العابدین سے کہا "تیرے باپ کی خواہش یہ تھی کہ میری حکومت کا خاتمہ کر دے مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا۔ دیکھ لے میں زندہ ہوں اور اس کا سر میرے سامنے ہے"۔ بیمار نے کوئی جواب نہ دیا مگر بی بی زینبؓ نے کہا "تجھ کو تو چند روز بعد بھی موت آ جائیگی مگر شیطان آج تک زندہ ہے یہ ہماری آزمائش کی گھڑیاں تھیں جو ختم ہو چکیں جس خدا کا تو نام لے رہا ہے اور اس کو یا اختیار سمجھتا ہے

کیا اس کے رسولؐ کی اولاد کے ساتھ اس ظلم و ستم کے بعد بھی تو اپنا منہ اسکو دکھائے گا۔"

یزید بولا "میں میدانِ جنگ میں موجود نہ تھا۔ اس ظلم و ستم کی ذمہ داری ابن زیاد اور عمر و سعد پر ہے۔"

بی بی زینب نے جواب دیا "اور تو کربلا میں موجود نہ تھا مگر دمشق میں رسولؐ کی بچیاں جس کا تو کلمہ پڑھتا ہے رسیوں سے جکڑی بے حجاب تیرے سامنے کھڑی ہیں۔ کیا یہ کچھ کم ظلم ہے؟ تو نے جس کو اپنا دشمن سمجھا تجھ سے بہت بہتر تھا اور میرا باپ اور بھائی تجھ سے اور تیرے باپ سے بدرجہا افضل تھے۔

یہ سنتے ہی یزید تخت سے کھڑا ہو گیا اور کہا "لاریب تیرا دادا میرے دادا سے تیری ماں میری ماں سے افضل ہیں مگر یہ فیصلہ خدا کرے گا کہ میرے اور تیرے باپ میں افضل کون ہے؟"

بی بی زینبؓ نے کہا "خدا کے فیصلے سے پہلے اس کا فیصلہ مسلمانوں نے کر دیا اور کر دیں گے۔ تو نے دیکھ لیا اور دیکھ لیں گے کہ کون افضل ہے۔"

اب یزید خاموش ہو گیا اور حکم دیا کہ رسیاں کھول دو اور سیدانیوں کو گھر میں بھیجدو۔ اس وقت بی بی زینب نے باآوازِ بلند کہا "اور تو اپنی حکومت میں رسول زادیوں کا تماشہ مردوں کو دکھا چکا اب اپنی عورتوں کو ہمارا تماشہ نہ دکھا۔ ہمارے گھر چھن چکے، ہمارے زیور لٹ چکے۔ جسم پر جو کپڑے موجود ہیں وہ پھٹ گئے۔ مہینہ بھر سے زیادہ ہو گیا کہ ہمارے بدن پر پانی نہ پڑا۔ ہم تیمم سے نمازیں پڑھ رہے ہیں ہمارے سر چلپٹ گئے ہماری صورتیں بگڑ گئیں جن آنکھوں سے تو حسینؓ کا سر دیکھ رہا ہے انہی آنکھوں سے عابد کے بازو اور گلا دیکھ کہ تیری رسیوں سے ہمارے جسم نیلے ہو گئے ہیں اگر تیری آگ کے شعلے اب ٹھنڈے ہو گئے تو ہم کو زیادہ رسوا نہ کر اور ہمیں بھی

قتل کر دے کہ اب ہم کو زندگی کی ضرورت نہیں "
بی بی زینبؓ کے اس ارشاد پر یزید نے ان کے قیام کا علٰحدہ انتظام کر دیا
اور امام حسینؓ کے سر پہ آہستہ آہستہ چھڑی مارنے لگا۔ جس وقت اس نے یہ لفظ
کہے " یہ ہے وہ منہ جسے میری بیعت سے انکار تھا "
تو ابو زمیرہ اسلمی نے کہا۔ ارے ظالم کیا کرتا ہے۔ جہاں تیری چھڑی ہے اس
پر رسول اللہ نے بوسے دئے ہیں "
یزید کو اچھی طرح معلوم تھا کہ سلمی صحابی رسولؐ اللہ ہیں۔ خاموش ہو گیا اور
حکم دیا کہ قاتلان حسین کے انعام کا فیصلہ جلد کروں گا۔
بی بی زینب کی خواہش پر امام حسین کا سر ان کے سپرد کر دیا گیا۔
گو معاملہ ختم ہو چکا تھا مگر یزید دیکھ رہا تھا کہ مسلمان صرف تلوار کے زور سے
خاموش ہیں واقعہ کربلا نے گو ہیبت طاری کر دی لیکن حسین نے شہید ہو کر انکے
دل فتح کر لئے اور شہادت حسین نے بنو فاطمہ کا ایسا سکہ بٹھا دیا ہے جو اب
زائل نہیں ہو سکتا۔ رات کے وقت وہ شراب کے نشہ میں مست ہو کر سونے کی کوشش
کرتا مگر اس کے دل پر کچھ ایسا خوف چھایا ہوا تھا کہ تھوڑی دیر بعد آنکھ کھل
جاتی، ٹہلتا اور سوچتا کہ کس طرح یہ دھبہ دور کروں، ایک رات کا ذکر ہے نصف
شب گزر چکی تھی اور مخلوق خدا نیند کی لپیٹ میں بےخبر تھی تارے بساط فلک پر
اٹکھیلیاں کر رہے تھے اور ہوا خاموشی کیساتھ نظام عالم کی تکمیل میں منہمک تھی دفعتاً
قیامگاہ سادات سے کسی عورت کا نالہ بلند ہوا یہ اسقدر درد انگیز تھا کہ یزید ڈر کے مارے
کانپنے لگا جا کر دیکھا تو زینبؓ بنت علیؓ بھائی کا سر گود میں لئے بلبلا رہی ہے اسکی فریاد نے
کہرام مچا رکھا ہے زمین و آسمان اس کے ہمنوا ہیں۔ دمشق کا ذرہ ذرہ رات کی تاریکی اور ہوا کے
فراٹے میں شہادت حسینؓ کا مرثیہ پڑھ رہا ہے آگے بڑھا اور کہا زینب جو ہونا تھا وہ ہو چکا

تیرا نالہ مسلمانوں کا کلیجہ توڑ دیگا اور میری تلواران کے سر اڑا دے گی مسلمانونکے اس قتل و خون کی ذمہ دار تو اور تیرے بھائی کا سر رہیگا۔ زینب حسین کا سر دیدے کہ تیرا سوگ کم ہو اور صبر آجائے طیش سے ایک خفیف سی مسکراہٹ بی بی زینب کے منہ پر آئی انہوں نے یزید کے سامنے بھائی کے سر کو بوسہ دیا اور کہا تو کہتا ہے جو کچھ ہونا تھا ہوچکا مگر تجھے یہ معلوم نہیں کہ ابھی کچھ بھی نہیں ہوا جو کچھ ہونا ہے وہ اب ہوگا اور اس کا وقت اب آرہا ہے جس کو تو ہوچکا سمجھتا ہے وہ ایک تمہید تھی اسکی جو ہونیوالا ہے اور ایک جھلک تھی اسکی جو ہوگا۔ حوادث کربلا مردہ قوم کو زندہ کریں گے سوتوں کو جگائیں گے جب انسانی دنیا میں طاقت کی حکومت ہوگی ظالم مظلوم کو تاراج کریگا اور طاقتور کمزور کو فنا کرنے پر آمادہ ہوگا اور خون کے پرنالے بہیں گے اور انسانی زندگی چیونٹی سے زیادہ وقعت نہ رکھتی ہوگی جب کمزور کی زبان طاقتور کے سامنے التجا کرتے کرتے گھس جائیگی جب شہ زور ہاتھ نحیف خرمن ہستی کو جلا کر خاک کردیں گے اور جس وقت نفسانیت کا دور دورہ اور لاچارگی برباد گی ہوگی اس وقت تاریخ کربلا کا زریں اصول دہرائیگی اور جن لوگونکو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ بھی حسین کے نقش قدم پر سر جھکا دیں گے اور اسکے اعمال کو سر آنکھوں پر رکھ کر واقعات کربلا کو زندہ کریں گے اس وقت اسلام کا ڈنکہ دنیا میں بجیگا اور میرے نانا کی مقدس روح جو طیبہ میں آرام کر رہی ہے تیرے اس بھائی کو جس کا سر گود میں ہے دعا دے گی یزید ابھی کچھ نہیں ہوا تو نے اپنے احکام کی تعمیل دیکھ لی مگر اس تعمیل کا انجام ابھی دیکھنا باقی ہے۔ تو دیکھے گا اور ہم دکھائیں گے کہ خدا کا قہر تجھ کو اور تیرے ساتھ روبابان کربلا کو کس طرح کتے کی موت مارتا ہے یہ سلطنت اور حکومت جس کے واسطے تونے خاندان رسالت کو تہ تیغ کیا اور ناموس اسلام کی بیحرمتی کی خود تیری اولاد کے ہاتھوں ذلیل خوار ہوگی اور تیری زندگی میں تیرے منہ پر اور میرے نانا کا کلمہ پڑھنے والے تیری قبر پر اس وقت تک تھوکیں گے جب تک دنیا آباد ہے۔ یزید اب ہمارے بھائی کا سر ہمارے پاس رہنے دے اور

ہم کو رخصت کر کہ اپنے جد امجد کے مزار پر حاضر ہوکر دل کی آگ بجھا سکیں"۔ یزید خاموش رہا اور اسیوقت حکم دیا کہ نعمان بن بشیر امام حسین کے سر اور قافلہ کیساتھ مع تیس سوار روانہ ہو اور مدینہ پہنچائیں

دمشق سے مدینہ

نعمان بن بشیر بظاہر یزید کے ملازم تھے مگر دل سے اہلبیت کے مداح۔ انہوں نے اپنے ساتھ وہ تمام ادویہ اور خوشبوئیں جو ابتک امام حسین کے سر پر لگائی جارہی تھیں کثرت سے ساتھ لیں نماز فجر کے بعد یہ قافلہ دمشق سے روانہ ہوا۔ یزید بھی اس وقت کھڑا تھا۔ اتفاق سے ایک قصائی نے اپنے بھیڑوں کو پانی پلاکر ذبح کیا۔ امام زین العابدین نے یزید سے کہا۔ میرا باپ تیری نگاہ میں ان بھیڑوں کے برابر بھی نہ تھا کہ حسین اور اسکے بچوں کو پانی پلاکر ذبح کرتا۔ اس قصائی کو دیکھ کہ ذبح سے پہلے بھیڑوں کو پانی سے سیراب کیا یزید نے کوئی جواب نہ دیا اور بی بی زینب سے جن کی گود میں بھائی کا سر تھا کہا۔ اونٹ پر سوار ہو جاؤ"۔ بی بی زینب نے فرمایا ہم جاتے ہیں خدا کو یہی منظور تھا کہ ہم برہنہ سر اور رسن بستہ تیری سامنے کھڑے ہوں مشیئت اپنا کام کر چکی اور مقدر کی تکمیل ہوگئی حسین اور اسکے بچے شہید ہو چکے اب تو اپنی موت کا انتظار کر اور یہ دیکھ یہ سر حسین ابن علی کا ہے یہ سر خاتون جنت کے لال کا ہے تو کچھ اور دیکھ رہا ہے۔ یہ دیکھ زبان حلق سی باہر نکلی ہوئی ہے یزید تو نے پیاسے حسین کو اس جگہ ذبح کیا جہاں جانور تک پانی سے پیٹ بھر رہے ہیں تو اندازہ نہیں کر سکتا مگر میں بتاتی ہوں کہ ہمارے پہنچنے پر مدینہ میں قیامت بپا ہوگی تو اس سر کے قریب آ اور دیکھ یہ کھلی ہوئی آنکھیں بیمار صغرا کا انتظار کر رہی ہیں تو ان آنکھوں کو دیکھ جو بعد شہادت بھی اسکے واسطے کھلی ہوئی ہیں۔ یہ تیری حکومت کے تماشے تھے اب ان تماشوں کا منتظر رہ جو خدائی طاقت دکھائیگی۔ قافلہ روانہ ہوا اور تھوڑی دور آگے چلکر نعمان نے بمنت امام زین العابدین سے عرض کیا میں حکم کا غلام ہوں جہاں جی چاہے تشریف لے چلئے میری تکلیف کا خیال نہ کیجئے جہاں حکم دیجئے گا پڑاؤ کروں گا اور جب فرمائیے گا کوچ"۔ امام زین العابدین

نے لغمان کا شکریہ ادا کیا اور سیدھے کربلا پہنچے۔ شہداء کی ہڈیاں جوڑ دی گئی تھیں وہ دفن کیں۔ سید الشہدا کے سر میں اختلاف ہے۔ یہاں سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ صغرا بنت حسین کو پہلے سے خبر پہنچ چکی تھی اور بیمار روتی بیٹھی سڑک پہ آ بیٹھی تھی۔ ظہر کی نماز ہونے والی تھی کہ قافلہ مدینہ منورہ میں داخل ہوا مسلمانوں نے زار و قطار آنسوؤں سے اپنے مہمانوں کا استقبال کیا۔ عابد اور صغرا گلے لپٹ کر بے ہوش ہو گئے۔

نماز ظہر کے بعد جب زینب نے لٹے ہوئے قافلہ کو لے کر روضۂ اقدس پر حاضر ہوئیں تو کہرام مچا ہوا تھا۔ دیر تک یہ سب وہاں حاضر رہے اور اس کے بعد گھر واپس آئے۔

تبصرہ

شہادت کی یہ مفصل تاریخ پڑھ کر اور بنو امیہ و بنو فاطمہ کے تعلقات معلوم ہو جانے کے بعد ہر شخص معاملہ کو سمجھ سکتا ہے اس میں کلام نہیں۔ بنو امیہ میں عمر بن العزیز جیسے شخص بھی پیدا ہوئے مگر عام طور پر بنو امیہ کے تقریب قریب تمام بادشاہ جبتک زندہ رہے بنو فاطمہ کی آگ میں جھلستے رہے اور رزمگاہ کربلا میں جو کچھ ہوا یہ بھی اسی آگ کی چنگاریاں تھیں۔

اہل سنن کا وہ گروہ جو واقعہ کربلا کو وقعت نہیں دیتا اور امام حسین کو اس کا ذمہ دار قرار دیتا ہے یقیناً غلط ہے میں سمجھتا ہوں کہ کٹر سے کٹر اور جابر سے جابر مسلمان خواہ وہ یزید کی امت ہو یا شیطان کی اس کا جواب نہیں دے سکتا کہ امیر معاویہ مسلمانوں میں پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلام کے پاکیزہ اصول جمہوریت کو ٹھکرا کر اپنے بیٹے یزید کو منصب خلافت کے واسطے تجویز کیا۔ مسلمان امیر معاویہ کے اس فعل سے ان کے متعلق آسانی سے رائے قائم کر سکتے ہیں۔ شیعہ ہوں یا سنی ہوں اس رائے میں بھی مسلمانوں کا ہمنوا نہیں ہوں کہ امام حسین مظلوم تھے میری رائے میں

امام کو مظلوم کہنا ان کی شان کو بٹہ لگانا ہے بیعت یزید نے آخر لمحہ تک حسینؑ کے قدم
چومے ہیں۔ ان کو ظلم سے بچنے کا ہر وقت موقع میسر تھا مگر ان کو اسلام کا وہ جوہر دکھانا
تھا جس کی چمک آج کی دنیا کو خیرہ کر رہی ہے مسلم اور غیر مسلم ہندوستان اور یورپ
غرض دنیا بھر وہی نام جپ کر اور وہی کام کرکے کامیاب ہو رہی ہے۔ وقت نے
سرور دو عالم کو اس فضیلت کے اظہار کا موقع نہ دیا۔ اس لئے یہ بنیاد حسینؑ ابن
علیؑ نے کربلا کے میدان میں رکھ کر ایک ایسا نمونہ پیش کر دیا جس کو دنیا ہمیشہ سر آنکھوں پر رکھیگی
مسلمانوں کے ایک فریق کو چھوڑ کر جن کی زبان مبارک یہ فرماتی ہے کہ حسین کربلا میں خود
چڑھ کر گئے۔" باقی مسلمانوں میں شیعہ سنی کا اختلاف اس سلسلہ کی سب سے اہم اور
افسوسناک حقیقت ہے مجھے اس مسئلہ میں سنی حضرات کی کمزوری اور ہٹ دھرمی
جس جگہ نظر آئی ہیں نے اس کو نمایاں کر دیا۔ لیکن خلیفہ اول و دوم کی شخصیت کو
مجروح کرنے میں اہل تشیع کو میں برسر حق نہیں سمجھتا اور میری رائے ہیں خلیفہ دوم کا
بی بی شہر بانو کو سید الشہدا کے واسطے اس نازک وقت میں منتخب کرنا ان کے خلوص کا
کافی ثبوت ہے۔ اب رہی حضرت عثمانؓ کی خلافت کچھ شک نہیں بنو امیہ کو اپنے
منصوبوں کی تکمیل کا سب سے زیادہ موقع اسی خلافت میں میسر ہوا اور بادی النظر
میں خلافت عثمانی ایک اعتبار سے اس افراتفری کی ذمہ دار قرار دیجا سکتی ہے۔ لیکن خلیفہ
ثالث کی طبیعت و عادات کا پورا مطالعہ کرنیکے بعد واقعات انکی بیگناہی اور نیک نیتی ثابت
کر رہے ہیں اسی طرح جنگ جمل کی تمام ذمہ داری بجائے ام المومنین کے ان مفسدوں
اور فتنہ پردازوں پر ہے جو پہلے سے تاک میں تھے اور جن کی کارگزاریوں نے یہ قیامت
بپا کی۔ ہاں سنیوں کا وہ گروہ جو واقعہ کربلا کو یہ کہہ کر ٹال دیتا ہے کہ امام حسین کیوں گئے
ضرور قابل ذکر ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ عقل سلیم کو یہ معلوم ہو کر سکون ہو جاتا ہے کہ جو اپنے
باپ دادا ہی کا نہیں وہ خدا اور اس کے رسول کا کیا ہوگا۔ میرا ایمان یہ ہے کہ یہ لوگ

اس درد سے جو انسانیت کی ایک نعمت ہے محروم ہیں اور چونکہ ان کی انسانیت ناقص ہے اس لیئے ان سے شکایت فضول۔

قاتلانِ حسینؑ کا انجام

امام حسینؑ اور ان کے ہمراہیوں کا بیگناہ خون میدان کربلا میں گر چکا مگر اس کی چھینٹیں ابھی دنیا کے دامن پر موجود ہیں قصر یزیدی میں فتح و نصرت کے شادیانے بج چکے لیکن ان نقاروں سے ابھی ماتم کی صدا بلند ہونی باقی ہے ابن زیاد شہیدا کبر کے سر کو دیکھ دیکھکر باغ باغ ہو چکا مگر ان آنکھوں کو اسی باغ میں ابھی خزاں کا دور بھی دیکھنا ہے عمر وسعد اپنے لشکر جرار سے مٹھی بھر بے قصور مسلمانوں کو تہ تیغ کرکے دل کے حوصلے پورے کر چکا مگر ابھی اس کو وہ تلوار دیکھنی باقی ہے جو اس کے سر پر چلیگی شمر اور خولی اپنے کارناموں کی داد ابن زیاد سے لے چکے مگر ابھی قدرت سے اس کا صلہ ملنا باقی ہے حرملہ بن کاہل معصوم اصغر کا کلیجہ اپنے تیر سے چھلنی کرکے سکھ کی نیند سو گیا مگر ابھی دکھ کی نیند آنی باقی ہے۔

موت امیر اور غریب بادشاہ اور فقیر سب کو آئی اور آئے گی اس سے دوزخی بچا نہ جنتی نیک بچ سکا نہ بد اس نے ولی کو چھوڑا نہ پیغمبر کو ظالم کو نہ مظلوم کو قاتلان حسینؑ کی موت کو سزائے ظلم قرار دینا بڑھیا عورتوں کے کوسنے ہوں گے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ موت کس صورت میں نمودار ہوتی ہے خدا اپنا غضب کس طرح ڈھاتا ہے اور بے گناہوں کا وارث جب کمزوروں کی حمایت کو اٹھتا ہے تو قدرت خدائی طاقت کو بھولے ہوئے شہ زوروں کی کیا گت بناتی ہے۔

یزید کا آخر وقت

اس کسوٹی پر سب سے پہلے یزید کو دیکھنا ہے اسکی ۳۹ برس کی عمر میں موت اتفاقیہ سہی اعدد تو یقیناً بھی معمولی سہی مگر بنت علیؑ کے وہ الفاظ جن کو سن کر یزید اور اس کا دربار سناٹے میں رہ گئے تھے کہ حسینؑ کے خون سے سلطنت کو پانی دیا اس پہ تیری اولاد بھی نہ

تھوسے کی دنیا کو یاد ہوں گے جب حمص میں اس کو موت کا یقین ہو گیا تو اپنے لڑکے
معاویہ کو بستر مرگ پر بلایا اور امور سلطنت میں وصیتیں شروع کیں ابھی یزید نے آغاز ہی
کیا تھا کہ معاویہ نے ایک چیخ ماری اور کہا خدا اس سلطنت سے مجھے محفوظ رکھے جس کی بنیادیں
سبط رسولؐ کے خون پر رکھی گئیں۔ یزید بیٹے کے یہ الفاظ سن کر بہت تڑپا مگر معاویہ
لعنت بھیجکر چلا گیا۔ لوگوں نے ہر چند سمجھایا کہ تیرا انکار بنو امیہ کی سلطنت کا خاتمہ
ہے مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ یزید ہاتھ پاؤں مارتا اور سر ٹپکتا تین شبانہ روز درد قولنج میں
اس طرح کہ اگر ایک قطرہ پانی کا بھی حلق میں جاتا تو تیر بنکر پیٹ میں اُترتا۔ بھوکا پیاسا
تڑپ تڑپ کر دنیا سے رخصت ہوا اور حامیان بنو امیہ نے معاویہ کو بالجبر تخت پر
بٹھا دیا لیکن وہ رو کر اور چیخ کر بھاگا اور جا کر ایسا گھر میں گھسا کہ پھر نہ نکلا اور
حسین حسین کے نعرے لگاتا ہوا مر گیا۔

یزید اپنی قوت کے ابن زیاد اپنی طاقت کے خولی اور عمر وسعد اپنی شرارت
کے مظاہرے کر چکے اب خدا اپنا قہر اس طرح ڈھاتا ہے کہ عبید ثقفی کوئی بادشاہ
یا امیر نہیں والی حکومت یا با اختیار نہیں ایک معمولی قیدی بےبس اور لاچار جیل خانہ
کی چار دیواری میں محصور و مجبور حسین ابن علی کی حمایت کو اٹھتا ہے۔ دنیا اس کا مضحکہ
اڑاتی ہے محافظ اس کو مخبوط الحواس کہتے ہیں اور حکومت اس کو دیوانہ خیال کرتی ہے
لیکن قدرت اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھتی ہے اور اس قیدی کو جس پر لوگ قہقہے لگا رہے
ہیں کوفہ کا حاکم بنا دیتی ہے۔ مختار کا پہلا حکم یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام آدمی جو میدان کربلا
میں امام حسین کے خلاف لڑے تھے قتل کے واسطے حاضر ہوں۔

کوفہ جس نے جگر گوشہ رسولؐ سے بے ایمانی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت
نہ کیا تھا مختار کا حکم سنتے ہی تھرا اٹھا اور وہی سرزمین جس پر مسلم اور مسلم کے
بچوں کی پناہ جرم سمجھی گئی تھی ڈھنڈورہ پیٹ رہی ہے کہ کربلا میں امام کے خلاف

تلوار اٹھانے والا اگر ایک متنفس بھی کسی گھر میں چھپ گیا تو دیواریں تک اُکھاڑ پھینکوں گا۔
نماز فجر کے بعد مختار کا اعلان ہوا۔ ظہر سے پہلے قیس۔ طہران۔ بشیر۔ اسود، عمرو بن الحجاج دست بستہ حاضر کر دیئے گئے۔ مختار کا چہرہ ان کی صورت دیکھ کر سُرخ ہو گیا۔ قیدی خوف سے اور مختار غصہ سے کانپ رہے تھے۔ مختار نے ان لوگوں سے کہا "تم مسلمان ہو اور جس کو پیغمبر آخر الزماں کہتے ہو اس کے بچوں کو پیاسا مار کر تم نے شہید کیا اور یہ خیال نہ آیا کہ دنیا کی یہ ہوا عارضی ہے۔ میں اگر تمام کوفہ کو قتل کر دوں اور ایک آدمی بھی زندہ نہ چھوڑوں تو بھی امام حسین کے خون کے ایک قطرہ کی قیمت ادا نہیں ہو سکتی"۔ قیدی ہر چند روئے پیٹے جب کسی طرح کام نہ بنا تو کہا "ہم عمر سعد اور ابن زیاد کے حکم سے مجبور رہے"۔ مختار نے کہا "تمہاری مجبوری عمر اور عبید کے حکم سے تھی اور میری خدا اور اس کے رسُول کے حکم سے ہے افسوس یہ ہے کہ تمہارے قتل سے بھی نہ میرا غصہ فرو ہو سکتا ہے نہ تمہارے قصور کی کافی سزا مل سکتی ہے اس لیئے جلاد تم کو سسکا سسکا کر قتل کریگا"۔
اس حکم کی تعمیل ہو رہی تھی کہ قیدیوں کا دوسرا گروہ حاضر ہوا ان کا سردار شریح ابن اذدر تھا یہ چیختا چلاتا مختار کے روبرو آیا اور کہا "ہم نے یزید اور ابن زیاد کے دھوکے میں آکر خاندان رسالت پر تلوار اُٹھائی۔ ہمارا قصور معاف کر دے" مختار غصہ سے کھڑا ہو گیا اور کہا "ملعون تجھکو یہ کہتے شرم نہیں آتی۔ اس جرم کے بعد کیا تو حق رکھتا ہے کہ اپنا ناپاک چہرہ دنیا کو دکھا سکے۔ زمین و آسمان تم بدبختوں سے پناہ مانگ رہے ہیں۔ میں خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ جب تک مختار کی تلوار قاتلان حسینؑ کو فی النار نہ کرے گی۔ میں چین سے نہ بیٹھوں گا" یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ پہلے گروہ کی طرح ان کو بھی سسکا سسکا کر قتل کر دو۔

مختار کی آنکھیں غصہ سے سُرخ ہو رہی تھیں اس نے اپنے سرداروں کی طرف دیکھ کر کہا تم پر دانہ پانی حرام ہے اس وقت تک جب تک کہ عمرِ سعد شمر اور خولی کو میرے سامنے زندہ نہ لے آؤ۔"

عمر وسعد کا انجام

باغیانِ رسالت کا قتل عام صبح سے ہو رہا تھا۔ کوفہ کے مفسد بھاگنے شروع ہوئے۔ کچھ بصرے چلے گئے۔ کچھ تہ خانوں میں چھپے کچھ جنگلوں میں دبکے مگر مختار کی فوج نے ایک کو نہ چھوڑا۔ شمر کو تہ خانہ سے عمر وسعد کو پہاڑ کی کھوہ سے اور خولی کو جنگل سے پکڑ کر لائے اور حاضر کیا جس وقت عمر وسعد سامنے آیا تو مختار کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور اس نے کہا خدا اور رسول کے دشمن تو بتا کہ تجھ کو کیا سزا دوں جس سے میری اور مسلمانوں کی وہ آگ ٹھنڈی ہو جو تیرے ناپاک ہاتھوں نے کربلا میں لگائی۔

عمر وسعد نے جواب دیا "میں بے گناہ ہوں یزید اور ابن زیاد کے حکم سے میں مجبور تھا۔ قتل حسینؑ کی ذمہ داری ان پر ہے میں بے خطا ہوں" اس کے جواب میں مختار نے حکم دیا کہ "عمر وسعد کا لڑکا حفص کربلا میں باپ کو مدد دے رہا تھا اُسے فوراً پکڑ لاؤ۔ ابو سعید سلمی نے عرض کیا حاضر ہے" جب وہ سامنے آیا تو جلاد سے کہا عمر وسعد کے سامنے اس کے لڑکے کا سر تن سے جدا کر تا کہ اس کو معلوم ہو جائے کہ امام حسینؑ کے دل پر اکبر و اصغر کی لاش دیکھ کر کیا گذری ہوگی، اس وقت عمر وسعد کے لڑکے کو قتل کر دیا گیا عمر وسعد پیٹ رہا تھا کہ مختار کا اشارہ ملتے ہی جلاد نے عمر وسعد کی گردن بھی اڑا دی۔"

شمر کا انجام

عمر وسعد سے فارغ ہو کر مختار نے شمر سے یوں خطاب کیا "یہی وہ جفا کار

انسان ہے جس نے جگر گوشہ رسولؐ کی شان میں گستاخی کی" شمر تھر تھر کانپ رہا تھا۔ رونے لگا اور ہاتھ جوڑ کر کہا "مجھ سے تو عمر وسعد نے کہا تھا" مختار نے کہا "اچھا اے شقی القلب انسان اپنا وہ ہاتھ اٹھا جس سے امام معصوم کی گردن پر خنجر پھیرا" یہ کہہ کر مختار نے تلوار اٹھائی تو شمر نے بہ منت التجا کی کہ "میں بہت پیاسا ہوں پانی کے چند قطرے پلا کر مجھے قتل کر" مگر مختار نے درخواست یہ کہہ کر نامنظور کی شمر وہ وقت یاد کر جب تیری فوج نے فرات پر قبضہ کیا ہے اور معصوم بچے اور پردہ نشین سیدانیاں تین شبانہ روز پانی کے ایک ایک قطرے کو ترستی رہیں" شمر اور کچھ کہنا چاہتا تھا کہ مختار نے سر ہلایا اور جلاد نے سر تن سے جدا کر دیا۔

حرملہ بن کاہل کی موت

اتنے میں لوگ حرملہ بن کاہل کو لائے۔ مختار کو علی اصغر کی پیاس اور حرملہ کے تیر کے خیال نے بلبلا دیا اور کہا حرملہ کے گلے پر تیروں کی بارش کرو اور نزاع کے وقت آخری تیر گلے کے آر پار رہوا۔

خولی کا حشر

حرملہ کی لاش تڑپ رہی تھی کہ خولی لایا گیا اسے دیکھتے ہی مختار نے کہا یہی ہے وہ سیاہ کار جس نے سبط رسولؐ کے کلیجے میں برچھا مارا اور سر کو نیزہ پر چڑھایا اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالو" جب اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے تو دونوں پاؤں کاٹنے کا حکم دیا اور کہا "یقین کر تیرے قتل کے بعد بھی تیری لگائی ہوئی آگ کے شعلے مختار کے دل میں بھڑکتے رہیں گے اور جو کچھ کر رہا ہوں اور ہو رہا ہے یہ تمہارے اعمال کی کافی سزا نہیں۔ پوری سزا خدا کے یہاں ملے گی۔ اس کے بعد خولی کا دھڑ باہر پھنکوا دیا گیا۔ تاکہ لوگ اس کا حشر دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔

عبید اللہ ابن زیاد کا قتل

اب مختار کو عبید اللہ ابن زیاد کا فکر ہوا کیونکہ صرف وہی باقی رہ گیا تھا
مختار نے ابو یزید انس سے کہا کہ "تو فوراً ابن زیاد پر حملہ کر اور زندہ یا مردہ جس طرح
ہو میرے سامنے لا۔ دوسری طرف ابراہیم بن مالک اشتر سے یہی الفاظ کہے اور ان
کو بھی روانہ کیا۔ ابن زیاد پہلے ہی خوف زدہ ہو رہا تھا۔ جب دونوں طرف سے
چڑھائی ہوئی تو پریشان ہو گیا۔ صلح کے واسطے بہت سے پیام بھیجے مگر جب ناکام
رہا تو میدان میں آیا اور ابراہیم کے ہاتھ سے مارا گیا۔

جس وقت عبید اللہ ابن زیاد گرا ہے اور دم سینہ میں تھا اسوقت ابراہیم
نے نعرہ اللہ اکبر بلند کیا اور کہا "تو نے دیکھ لیا خدا ظالموں کا اس طرح خاتمہ کرتا
ہے ہم بادشاہ نہیں ہیں یہ صرف قہر خدا تھا جو مختار کی صورت میں تم پر نازل ہوا
یہ کہہ کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور مختار کے پاس بھیج دیا۔ اس طرح کربلا کے موذی ایک ایک کر کے فی النار ہوئے۔
مختار کا دور حقیقتاً خدائی قہر تھا۔ جس نے دشمنان اہلبیت کو ان کے اعمال کا مزہ
چکھا دیا ورنہ مختار کو حکومت یا سلطنت سے واسطہ نہ تھا۔ بنو امیہ کی سلطنت
بدستور قایم رہی اس سلطنت میں چودہ بادشاہ ہوئے مگر حضرت عمر بن عبد العزیز
کے سوا قریب قریب سب ایک ہی عادت و خصلت کے یہاں تک کہ سلطنت کا
پاسہ بدلا اور حکومت عباسیوں میں پہونچی۔ ابو العباس نے تخت پر بیٹھتے ہی حکم دیا کہ
بنو امیہ کا ایک بچہ بھی زندہ نہ رہے اور شاہان بنو امیہ کی قبریں کھود کر پھینکدی
جائیں اور سب سے پہلے یزید کی ہڈیاں نکال کر جلائی جائیں۔ اس سلسلہ میں
طبری کا بیان ہے کہ یزید کی ہڈیاں جلنے سے پہلے ہی قبر سے سیاہ برآمد ہوئیں۔

ختم شد۔

سلطان بکڈپو کالی کمان حیدرآباد دکن۔

رفیق مشین پریس